نیا خون

فضل الرحمٰن خان

میری لائبریری

مکتبہ میری لائبریری ○ چوک اردو بازار ○ لاہور-۲

نیا خون

(ناول)

میری لائبریری

(۳۳۳)

میری لائبریری میں جدید اضافے

(۱) اُردُو کا بہترین انشائی اَدب (رجب علی بیگ سے دَورِ حاضر تک)
مرتّب : ڈاکٹر وحید قریشی

(۲) اَذکار و افکار : میرزا ادیب کے کالم جو "نوائے وقت" میں شائع ہوتے رہے۔

(۳) غالب سے معذرت کے ساتھ : میرزا غالب کے بارے میں مزاحیہ تحریروں (نظم و نثر) کا اِنتخاب مرتّب : احمد جمال پاشا

(۴) رُسوا، ایک مُطالعہ : میرزا محمد ہادی رُسوا کی شخصیت اور ان کی تصانیف پر مضامین کا اِنتخاب مُرتّب : ڈاکٹر میمونہ انصاری

(۵) منٹو (سوانح) منٹو کے کلاس فیلو اور زندگی کے ساتھی اَبوسعید قریشی کے قلم سے

(۶) جہانِ آگہی : ظہیر کاشمیری کے مفید اور دِلچسپ خیال انگیز مضامین کا مجموعہ

(۷) رویّے : ڈاکٹر میمونہ انصاری کے نثری اَدب کے بارے میں مضامین

(۸) سَسّی : شہر بھنبھور دی، عبداللطیف بھٹائی کی تحقیق کے مطابق، (پنجابی منظوم)، اسمٰعیل قلندر

(۹) تلخاب : ڈاکٹر خیال امروہوی کا نیا مجموعہ کلام

(۱۰) نیا خون : خان فضل الرحمان خاں کا نیا ناول، ادھ کھایا امرود، افسانے

(۱۱) زرد ستارہ : ڈاکٹر منیرالدین احمد کے افسانوں کا مجموعہ

(۱۲) امریکہ اور امریکی : (سفرنامہ)
سیّد ضیا حیدر کو امریکہ کیسا لگا؟

(۱۳) دیوارِ گریہ : ایک معاشرتی ناول جو مصوری صدیقی نے لکھا ہے

(۱۴) جن سے بستی بستی روشن تھی : ایم اے عثمانی - علم کے اصلی استادوں کا تعارف

(۱۵) ۱۹۸۶ء کے منتخب افسانے : مرتّب : ناصر زیدی

نیا خون

(ناول)

خان فضل الرحمٰن خاں

مکتبہ میری لائبریری، لاہور-۲

قیمت : -/150

ناشر ــــــــ بشیر احمد چودھری ، ڈائریکٹر
مکتبہ میری لائبریری ، لاہور

طابع ــــــــ نوشاد پریس ، لاہور

زیر انتظام ــــــــ چودھری محمد شاہنواز، ناظم اشاعت
مکتبہ میری لائبریری ، لاہور

سال اشاعت ــــــــ ۱۹۸۹ء

ناول

نیا خون

پیش لفظ از

پروفیسر ضیاء الرحمان خان

"نیا خون" پر ایک علمی تنقید

(۱)

خان فضل الرحمان نے بہت سے ناول لکھے ہیں اور ناولوں سے زیادہ افسانے، سوائے ناول سلک اوک ٹاؤن یا افسانوں میں، دونز کی افسانے، حورِ صحرا، شورش بلغاری یا افغانستانی، افسانے دُرِ دوراں، سری کرشن اور سداما، مہاتما بدھ کے دو افسانوں جو جواتے کا واہی یا دے باپ بیٹا اور ماں کے نسوانی کرداروں کو بہت زیادہ اہمیت حاصل ہے۔ کچھ ناولوں کے نام تک نسوانی ہیں، مثلاً ہند قدیم کے ناول کا نام وِش کنیا ہے اور قرطاجن ناول کا نام امیلیہ، نیز بہت سے افسانوں کے نام بھی نسوانی ہیں۔ جیسے نربی کھیرپی، پاپچی، پون کماری مُریلہ، کانتی، شہزادی زیب النسا، گن کلی، سکری، ناگری، جگت گوری چھُن چھُن، راما نندی، انجنا، پشپنجلی، چندر بدنی، اگنی لیکن اگرچہ موجودہ زیر نظر ناول کا نام نسوانی نہیں ہے، پر اس ناول سے وجیانگر کی راجکماری، بیجاپوری کا کردار اڑا دیا جائے، تو یہ ناول ایسا رہ جائے گا جیسے تاج محل کا مرکزی گنبد منہدم کر دیا جائے۔

اس ناول میں متعدد نسوانی کردار ہیں، مثلاً شگنی، رقیبہ، نرگس شہزادی یا شفقت جادودانی اگرچہ شگنی، رقیبہ، نرگس شہزادی تو ہیروئن بننے میں بیجاپوری کا مقابلہ نہیں کر سکتیں، البتہ شفقت جادودانی اور دکھنی بیجاپوری میں، ہیروئن بننے کے لئے کانٹے کی کشتی ہوتی ہوئی معلوم ہوتی ہے کبھی ہمیں ایسا لگتا ہے کہ جیسے دکھنی ساحرہ کو شفقت جادودانی چاروں شانے چت کر کے اُس کے سینہ پر بیٹھ جائے گی۔ غور سے دیکھا جائے تو اس ناول کی ہیروئن صرف بیجاپوری ہی بن سکتی ہے۔

اِس ناول کی ابتداء ہی بیجاپوری سے ہوتی ہے۔

جس وقت ناول کا ہیرو گلیشیر کی سیر کو جاتا ہے تو توبہ شکن ہُوں ہوں کرتی ہوئی گھنگھور گھٹا اُمنڈ آتی ہے اور ساتھ ایسی طوفانی ہوا بھی جیسی ہوا نے بہت قدآور قوم عاد کو صفحہ ہستی سے مٹا دیا تھا۔ تو بیجاپوری کو نرغہ میں آیا ہوا دیکھ کر ناول کا ہیرو، ظاہر اس کی مدد اس طرح سے کرتا

ہے کہ اگر طوفانی ہوا سے بچنا ہو، تو وہ اُس سے آ لپٹے، اس طرح سے یہ لڑکی بچ جائے گی. ورنہ بصورت دیگر وہ آگ کی بڑھیا کی طرح سے اُڑ جائے گی۔

ہمیں مصنف بیجاپوری کو اُس وقت کی مدراس پریزیڈنسی کے صحت افزا پہاڑی مقام آٹو کمنڈ (اوٹی) میں ملاتا ہے اور یہاں لڑکی سے زیادہ واقفیت ہو جاتی ہے ہم اس کی زبان سے جنوبی ہند کی عظیم ہندو سلطنت وجیانگر کے حالات فخریہ انداز میں سنتے ہیں۔ یہ لڑکی اسی راج کے شاہی خاندان سے تھی جسے سلطانان بہمنی کی متحدہ فوجوں نے جنگ تالیکوٹہ کے بعد ایسا تاخت و تاراج کیا تھا کہ وجیانگر کی راجدھانی پھر آباد نہ ہو سکی۔

(۲) گو بیجاپوری کے آباؤ اجداد نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ مگر یہ لڑکی صرف نام کی مسلمان تھی۔ اسے کلمہ پڑھنے کو کہتے، تو اسے کلمہ تک نہ آتا تھا۔ اسے مسلمانوں سے سخت نفرت تھی. اور یہ ٹیپو سلطان کو بھی بہت بُرا سمجھتی تھی کیونکہ اُس نے وجیانگر کی تباہی کے لئے آخری میخ ٹھوکی تھی۔

اسے ہر وقت جنگِ تالیکوٹہ کا خیال آتا رہتا تھا جہاں راج وجیانگر نے آخری شکستِ فاش اُٹھائی تھی۔

بیجاپوری سلطنتِ وجیانگر کے تاجدارِ اعظم کرشن دیورائے کو ایسا سمجھتی جیسے عہدِ قدیم کے سکندرِ اعظم کو یونانی وہ جا بجا وقت اس کا کلمہ پڑھتی رہتی تھی۔ کرشن دیورائے اعظم نے سلطان اسماعیل عادل شاہ کو جنگ رائچور میں ایسی شکست دی تھی کہ اس نے راجدھانی وجیانگر آ کر سرِ دربار کرشن دیورائے اعظم کے پاؤں چومے تھے۔ اس لڑکی کو فتح رائچور سے اتنی فرحت ہوتی تھی کہ اس نے اِس جنگ کی تاریخ ۱۶ مئی ۱۵۲۰ء تک کو یاد کیا ہوا تھا، اور اس فتح کی خوشی میں "رائچور، رائچور" کے نعرے لگایا کرتی تھی۔

اس کی کمزوری اس کا ناول کے ہیرو سے عشق ہے۔ بیجاپوری ہیجو کوئی چھنال لڑکی نہیں تھی۔ اُس کے تعلقاتِ جنسی صرف طاہر، ناول کے ہیرو، سے تھے، اور جب اس کی شادی اس کے خاندان میں ہو گئی اور طاہر رقیہ سے بیاہا گیا۔ تو اس کا دردناک خط اس ناول کا بہترین حصہ ہے اُس نے طاہر کی دلہن رقیہ کو لکھا تھا۔

"تم اور طاہر ہمیشہ خوش رہو۔ میں سمجھوں گی۔ کہ میرے چمن میں کچھ دیر کو بہار آئی تھی۔ پھول کھلے تھے، بادل گھر کو آیا تھا مگر بعد کو ایسی ہوا چلی کہ قافلہ بہار اور طرف روانہ ہو گیا، اور میرے باغ کو دم بھر میں سوکھا اور جھولا مار گیا۔ اس کے ہرے ہونے کی اب کوئی امید نہیں اُن کی بیچواب اُن سے کبھی نہ ملے گی۔ مگر تم اور وہ ہمیشہ یاد رہیں گے۔

"رقیہ بی بی طاہر میاں سے کہہ دینا کہ میں تو ایک اغلاط نامہ تھی۔ جو تصیح کے بعد چاک کر ڈالا گیا۔ ایک گرہ کم پکا ہوا سودا اسلف قسم کا چھٹیل مال کہ جس کے جانے کا کیا غم۔ میرا اُن کا میلے کا میل تھا۔

میں تو سیمبل کی روئی تھی کہ جس کا کپڑا بن سکے نہ سوت جیسے جیٹھ کے اندھیاؤ کہاں کہاں اُڑائے پھریں گے۔ میں تو ایسی آک تھی جو اس وقت تک کھڑی رہی جب تک کاشتکار کو کھیت کی درستگی کا خیال نہیں آیا۔ میں تو آندھی کی ابیا تھی۔ طاہر بیٹھے شیو کر رہے تھے استرہ کچھ بال چھوڑ گیا تھا۔ وہ میں تھی۔ انہوں نے وہ بال پھر صاف کر دیئے۔ اس کی کیا شکایت ہوسکتی ہے۔ اچھا ہی کیا۔"

"میں نے پچھلے سال پتنگ اُڑائی تھی۔ نیلا آسمان تھا اور باد شرط چل رہی تھی۔ خوب اڑی۔ اس سال پھر اڑانا چاہا۔ مگر در بائی ہی دلوانے پائی تھی، کہ جھالا آ گیا اور پتنگ بے ست ہو کر گر پڑی۔ اب کا ہے سے بخت آزمائی کروں۔ میرے پاس تو پتنگ ہے نہ ڈور۔"

"طاہر ہی نئی کار میں دیہات سدھارے۔ کار کی گرد آلود باڈی پر کسی نے اُنگلی سے واپسی پر کچھ لکھ دیا۔ موٹر خانہ لے جانے سے پہلے گرد مٹی صاف کر دی گئی جس طرح سے صفائی میں وہ انگلی کا لکھا مٹ گیا۔ اسی طرح طاہر کی زندگی سے بیچا پوری مٹ گئی۔"

"کوئی پھولوں کی پود بوئے تو شناخت کے لئے کہ کون سی پود کن پھولوں کی ہے، ٹین یا گتے کے ٹکڑوں والی جھنڈیاں گاڑ دیتا ہے جب پودے پرورش پا کر پھول گئے، تو ان ٹکڑوں والی جھنڈیوں کا پھولوں میں کھڑے رہنے کا کیا کام گیہوں کے کھیت سے بتھوے کو اکھاڑ پھینکنا اچھا ہوتا ہے۔ جو خوراک زمین میں ہے وہ گیہوں کو ہی کیوں نہ ملے۔ گھاس پھونس کیوں اُس سے حصہ بٹائے۔

"آم اور کیکر چھانٹی کرنے سے نہیں مولتے۔ شیشم مولتی ہے۔ میں آم اور کیکر تھی۔ بپتا کا سماں میری خوب چھانٹی کر چکا۔ اب میں سدا کے لئے ٹنڈ منڈ کھڑی ہوں۔"

"نورس کے دنوں میں پکھیں اور شہتوت مولینگے۔ چیت کی پون میں اُن کی چکنے چکنے پتے خوشی میں تالیاں بجائیں گے۔ مگر ٹنڈ منڈ آم سوگ کی لمبی لمبی اور ہلکی آہیں ہی بھرتا رہے گا........

میرے لئے انہوں نے کون سے منتر پڑھے تھے جو گم شدگی پر یاد آؤں گی"

"رقیہ بی بی میرا ارادہ تمہاری طفیلی بن کر رہنے کا تھا۔ یہی نہیں کہ تم سرہانے بیٹھو اور میں پائنتی، بلکہ تم سیجوں پر بیٹھو اور میں بھوئیں۔ لیکن کیا کیا جائے؟ گذشتنی تھی، اس لئے گذاشت ہو کر رہی"

"پچھلے سال وہ میرے ساتھ رہے تھے یہ گویا لوند کا سال تھا۔ پر ہر سال تو لوند نہیں لگ سکتی........"

"جو کسی کے سر پڑے، اس کا یہی حشر ہوتا ہے۔"

(۳)

"طاہر میاں میں تو تمہارے دروازہ پر پائیداں بن کر پڑنے کو تیار تھی۔ ایک چھلے میں دو چابیاں بھی آسکتی ہیں۔ ایک خزانہ کی دوسری گودام کی۔ مگر ایسا کیوں ہونا تھا۔"

"فتح رائچور کے بعد کرشن رائے دیو اعظم نے عادل شاہ سلطان بیجاپور کو کہلا کر بھیجا تھا۔ کہ وہ اگر دربارِ عام میں میرے پاؤں آکر چومے، تو معاف کیا جاسکتا ہے۔ قصور وار بیجا پوری آپ سے اس طرح بھی معافی مانگنے کو تیار ہے۔"

"بیجو کے کرشن دیو رائے اعظم! رقیہ آپ کی ناگہ دیوی سہی مجھے کانچی ورم کی راجکماری سمجھ لینا۔"

"خدا تمہارے چمن کو سدا بہار رکھے۔ میرے لئے کھٹکا باندھنے کی ضرورت نہیں۔ جلد چت سے اُتر جاؤں گی۔ مگر میں سنبلا کی پھوٹی آنکھ بھی نہیں جو بن ہی نہ سکے۔ اگر کرم سے بلاؤ گے، تو مجھے آنا ہی پڑے گا۔ اور نہ میں ایسا سڑسڑی کھایا گندم ہوں کہ اُگ ہی نہ سکوں۔ لو کلیجہ اڑنے

لگا۔ بہت آلا گا چکی۔ ختم کرتی ہوں "

پتہ ٹوٹا ڈال سے، پون اُڑائے لئے جائے

اب کے بچھڑے کب ملیں، دُور پڑے ہیں جائے

"تمہاری فراق زدہ بیجا پوری بیجو"

بیجا پوری کا یہ آخری خط تقریباً پورا نقل کیا گیا ہے تاکہ اس لڑکی کے جذبات معلوم ہو سکیں اور یہ اُس کے دعوۂ ہیروئن بننے کا ثبوت بھی ہے۔

اس خط کو پڑھ کر رقیہ بی بی رونے لگی تھی مگر افسوس طاہر کی آنکھ ذرا بھی نم نہ ہوئی تھی۔

اس ناول کی دوسری اہم شخصیت شفقت جاودانی ہے، جس نے طاہر کو لٹو بنایا ہوا تھا اور جو اُس کے فارم مینیجر کی منسوبہ تھی۔ اگرچہ اس کا مخطوب طاہر کا ملازم تھا۔ مگر یہ مدیح و عصمت شعار لڑکی اپنے منسوب کے آقا کو ذرا بھی خاطر میں نہیں لاتی تھی۔ اس نے تو ہیرو کی عشق بازی کو ہنگامہ تمسخر بنایا ہوا تھا اور طاہر کو "ذلت" دی ہوئی تھی۔ وہ اُس کے پٹھے پر ذرا بھی ہاتھ نہیں رکھ سکتا تھا۔

تیسری اہم لڑکی ہیرو کی نزدیکی عزیزہ رقیہ تھی۔ ان دونوں کا شیر خواری میں ہی بزرگوں نے رشتہ کر دیا تھا۔ یہ ذرا پست قد تھی۔ طاہر اسے خاطر میں نہیں لاتا تھا۔ اُسے اس کے "مبتذل" نام تک سے چڑ تھی۔ اس کے خیال میں دور رشتہ داروں اور خاص طور پر نزدیکی رشتہ داروں میں شادی نہیں ہونا چاہیے تھی کیونکہ اس سے نسل کا کمزور ہو جانا تھا۔ اُس کی دلیل رقیہ سے شادی نہ کرنے کی یہ تھی کہ خاندان میں شادی نہیں ہونا چاہیے، اور شادی ہمیشہ غیر خاندان میں ہونا لازم ہے یعنی جب تک "نیا خون" شامل نہ ہو گا، اولاد کمزور پیدا ہو گی۔ طاہر یہ عذرِ لنگ ایک غیر خاندان کی لڑکی، شفقت جاودانی کے سامنے پیش کیا کرتا تھا۔

شفقت جاودانی اُسے ہمیشہ مسترد ہی کرتی رہتی تھی، مگر آخر میں طوعاً و کرہاً اس کا بیاہ رُقیہ سے ہی ہوا تھا۔

چند دوستوں کا خیال ہے طاہر کے چال چلن میں بہت خرابیاں ہیں۔ وہ بیجا پوری سے مُلوث رہا، اور اُس نے شفقت جاودانی پر ڈورے ڈالنے کی سعی بلیغ کی۔ اس کا کردار کمزور

ہے۔ "نیا خون" کے ہیرو کا کریکٹر مصنف کے اس کردار جتنا توانا نہیں جو اُس نے اپنے ناول "آفت کا ٹکڑا" میں بصورت "رومن گارٹ" پیش کیا تھا۔

یہ اعتراض قابلِ اعتنا نہیں کیونکہ مصنف کو جو کردار پیش کرنا ہے، اچھا یا بُرا، اُسے بعینہٖ ویسا ہی پیش کرنا ہوگا۔ مثلاً شیکسپیئر نے اگر ایک گردن فراز بادشاہ ہنری پنجم، کا کردار عظیم پیش کیا ہے۔ تو اِس ناٹک نویس نے ایک نامعقول بادشاہ ، رچرڈ سویم، کا کردار بھی پیش کیا ہے۔

(۴)

اس ناول میں سسپنس کی بوقلمونیاں موجود ہیں۔ ہیرو کے جو تعلقات بیجاپوری سے چل رہے تھے، اُس کا کافی عرصہ تک پتہ نہ چل سکا کہ اونٹ کس کروٹ بیٹھے گا۔ اسی طرح سے آخیر تک یہ معلومات نہ ہو سکی کہ طاہر کی رفیقۂ حیات شفقت جاودانی بنتی ہے یا رقیبہ؟

خان فضل الرحمان نے شفقت جاودانی کو مزید جلا دینے کے لئے اُس کے منہ سے پرانی اردو، دکھنی اردو یا گنواری کے الفاظ استعمال کرائے ہیں اس گفتگو سے مزاح کا پہلو بھی نکلتا ہے اور اس سے یہ ظاہر کرنا بھی مقصود ہوگا کہ یہ لڑکی طاہر کی چاہت کو پرکاہ کے برابر بھی نہیں سمجھتی۔ اس سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ وہ اُسے احمق بنا رہی تھی۔

مثلاً اُن دونوں کی اِس گفتگو سے صاف یہی ترشح ہوتا ہے۔

طاہر۔۔۔۔ میرا تم پر دل آگیا ہے۔

شفقت جاودانی۔۔ اگر ہمن پر تمہارا دل آگیا ہے تو ہمن نے تمنا کو پھاندے میں پھانس لیا ہے، ات تیرے چاہنے کو آگ لگے۔

ایک مرتبہ طاہر نے کہا:

"تمہاری شیریں گفتگو سے لب بند ہوئے جا رہے ہیں" تو شفقت جاودانی قدیم دکھنی بولی کی آویزش میں جواب دیتی ہے۔

"میرے لباں کی توصیف ہو رہی ہے۔ یہ جگ میں شہد سیں ادھک میٹھے ہیں

اور شکر ہے تمہارے لب ہی بند ہوئے جاوت ہیں۔ کہیں نال نتھنے بھی بند ہونے لاگتے، تو گھُٹ کر دم نکس جاتا،،

خان فضل الرحمان نے یہ نئی طرح ڈالی ہے کہ انہوں نے پرانی دکھنی اردو استعمال کر کے ناول کا لطف دوبالا کر دیا ہے۔

(۵)

اس ناول سے مصنف نے اپنی قوت الفاظ کا بھی لوہا منوا دیا کیونکہ یہاں الفاظ کی فراوانی ہے اور شکر ہے کہ ہر باب کے بعد مشکل الفاظ کے معنی بھی دیئے گئے ہیں ناول میں ڈرامائی صنعت بھی خوب استعمال کی گئی ہے۔ اس صنعت سے قاری کو کرداروں کی اندرونی کیفیات کا علم بھی براہِ راست ہو جاتا ہے۔

ہندو سلطنت وجیانگر کے پس منظر سے بیجاپوری کی اندرونی کیفیت ہمارے سامنے آجاتی ہے۔

اس ناول کا ہیرو ایک بگڑا ہوا عیاش اور آوارہ جاگیردار ہے اُسے کسی سے اصلی محبت نہیں، نہ وہ کسی کا وفادار ہے۔ رقیہ سے اُس نے مجبوراً شادی کی تھی۔ اگر شفقت جاودانی کا اس کی طرف خیال ہو جاتا، تو رقیہ مسترد کر دی جاتی۔

یہ ناول ایک بوالہوس کی خود نوشت ہے۔ علیش غالب کے مہربان و کرمفرما تجمل حسین خان کے لئے ہی نہیں بلکہ اس کے لئے بھی بنایا گیا تھا۔ اس علیش کے کچھ ایسے رنگ، جیسے تھوڑی دیر کو رہنے والا شفق کا رنگ ہوتا ہے، وجیانگر کی بدنصیب راجکماری کو بھی ملے تھے۔ مگر یہ چلبلا اور چلبلی سی لڑکی تو اب بر ہاکی عمر اپنے شوہر کے ساتھ راس کماری میں بسر کرنے والی تھی، جہاں وجیانگر کے راج کُٹم نے اس عظیم سلطنت کے تتر بتر ہونے کے بعد عافیت تلاش کی تھی۔

باب ۱

اپنی منسوبہ رقیہ مولاداد سے شفقت جاودانی کا نام سنتے ہی مجھے ایسا محسوس ہوا کہ جیسے میں قصہ حاتم طائی والے مرغابی کے انڈے برابر گوہر شباب کو دیکھ رہا ہوں یا کسی نے میرے کف دست پر بڑے بڑے سرخ پیوندی بیر جتنا لوٹے یمنی لاکر رکھ دیا تھا یا میرے منہ میں مدینے کی رس ٹپکتی لعل بدخشاں کھجور آگئی ہے۔ یہ وہ دن تھے جب دیہات کے جوہڑوں کا پانی سورج نے اڈنٹا اڈنٹا کر ایسا سکھا دیا تھا جیسے انجکشن خالی کر دیا گیا ہو۔

ایک روز میں شاہ نہر کے ٹھنڈے پانی میں جھکولے لیتا ہوا اور تیرتا ہوا چودرہ پل پر آیا۔ نیچے چھت میں لمبے لمبے چمکیلے پروں والی ابابیلیں بول رہی تھیں۔ پورب کنارے فواّرہ باغ تھا اور پچھم میں آدھ میل پر ہمارا زراعتی فارم جہاں لال کھپریل والا بنگلہ اور ملحقہ عمارتیں دھوپ میں شعلہ سی کانپ رہی تھیں۔

دوپہر کے کھانے کے بعد جب میں خواب گاہ میں قیلولے کو گیا اور ذرا بالاخانے کی کھڑکی سے پردہ ہٹایا تو دیکھتا کیا ہوں کہ سیمبل کے درخت پہ کوّے انڈے کھا رہے ہیں جنہیں چیلیں گرمی کے سبب گھونسلوں میں چھوڑ بھاگی تھیں۔ لو کا یہ عالم تھا کہ کھجوریں تو پک پک کر ٹپک رہی تھیں مگر آم بھگر بھگر جھڑ رہے تھے اور باغوں میں چھتراؤ ہو رہا تھا۔ یہ سب اس لئے کہ برسات آنے کا نام ہی نہ لے رہی تھی۔

میں اپنے زراعتی فارم کا انتظام نئے مینیجر عبدالجبّار کو سونپ کر پندھرواڑے بھر کے لئے ان دیودار کے پہاڑوں میں آگیا تھا۔

اس کے ایک ہفتے بعد میرے پاس خط پر خط آنے لگے کہ اُدھر مُون سُون کا ٹر از در ہو گیا (جل تھل ہو رہے ہیں) نالالوں کا پانی باہر بہہ نکلا اور آموں کے باغ میں کوٹھی سجائی جا چکی۔ آپ آجائیں۔

اتوار کو میری واپسی تھی اور اس سے دو یوم قبل جُمعہ کو میں "جولنسارہ اور باور ہوٹل" سے گلیشیئر دیکھنے کے لئے چلا۔ میرے ساتھ چھ گڑھوالی مزدور تھے جن میں سے کوئی تو ناشتہ دان اُٹھائے ہوتے تھا، کوئی برساتی اور کوئی تھرماس۔ میرے خاص خدمت گار دیا کی تعیناتی اُن کے کنٹرول پر تھی۔ بہت سی پارٹیاں برف پر اسکیٹنگ کرنے کے لئے آجا رہی تھیں اور کچھ میری ہی طرح گلیشیئر دیکھنے۔

راستے بھر دو رویہ چیلو، خوبانی، انجیر اور شہتوت وغیرہ کے بافراط اور لاوارث پیڑ آئے۔ جن کے پھل راہگیر کھاتے جا رہے تھے۔ کئی جگہ چلغوزے کے درخت بھی تھے مگر اِن پر کوئی پھل تیار نہ تھا ہمیں پندرہ میل جانا تھا۔ اور ابھی صرف چھ میل طے ہوئے تھے کہ ایک بے حد سیر افزا مقام آ گیا۔ جسے "مغل چوگان" کہتے ہیں۔ اس کی شکل پشتِ بیل جیسی تھی۔ یہاں پیڑ نہیں تھے بلکہ کھلے سبزہ زار میں چھوٹے چھوٹے خودرو سفید اور زرد پھولوں کا ایک عجیب عالم تھا۔ اس کے جانب شرق گھنے سیاہ جنگلات تھے اور غرب میں جھیلیں ہی جھیلیں۔ جن کے کنارے توت جیسے ایک جسامت اور جھاڑ کے درخت کھڑے تھے۔ درختوں کا ڈھڈھار مرد کو نیچا دکھا رہا تھا۔ ذرا نیچے جانب جنوب چکلہ میدان تھا۔ اس میں دُور دُور عظیم الجثہ اور سال خوردہ چنار کھڑے تھے۔ یہاں گینیئوں کے گلے چر رہے تھے اور ایک خاصے دیو ہیکل سجار کے گلے کا بڑا ٹال بج رہا تھا۔ شمال میں چوپھانکے پہاڑ پر ہنوز برف پڑی ہوئی تھی۔ اور یہیں وہ درّہ تھا جس میں سے سڑک گلیشیر گزرتی تھی۔ درّے کے پاس ہی آبشار تھے اور وہ چہار سمت کھلا ست درہ جس میں بیٹھ کر جہانگیر شراب پیا کرتا تھا۔

یہ جگہ سطح سمندر سے آٹھ ہزار فٹ بلند ہو گی اور لوگ بنچوں پر بیٹھے ہوئے تھے۔ نیچے جنوب میں نشیبی ننگے مواضعات اور شہر کی عمارتیں دیکھ رہے تھے۔ وہ جولنسارہ اور باور ہوٹل، مڑھیوں والی پہاڑی، پنڈا رون کا منڈپ، دریائے بحراس کا پُل، بنگالی کتب خانہ، سیاحوں کا ہوسٹل، اکبری

مسجد، گھنٹہ گھر، سینما، رصدگاہ اور جنگلات کا کالج دیوداروں کے لہلہے میں سج رہے تھے۔

یہاں ہم کوئی آدھ گھنٹہ سستاتے ہوں گے کہ پہاڑوں کی دوسری طرف طوفان جھنجھلانے لگا پھر بن چکور بولنے بند ہو گئے۔ پتّا تک نہیں ہل رہا تھا اور دُھوپ خوب پھیلی ہوئی تھی۔ فضا پر ایک ایسا پُراسرار حزن آگین سکتہ طاری تھا کہ جیسے کسی پُرامن بستی پر بلوائیوں کا حملہ ہونے والا ہو۔ سوائے آبشاروں اور ٹال کی آواز کے مکمل خاموشی تھی۔

چند لمحے بعد سیاہ جنگلات پر توبہ شکن قسم کی دھواں دھار ڈراؤنی گھٹائیں نمودار ہو گئیں اور ساتھ کے ساتھ ایسی تیز ہوا چھوٹی کہ جیسے ہم اس میں پتنگ کی طرح اُڑ جائیں گے۔ جھیلوں کی طرف سے جو بدحواس پرندوں کی ڈاروں پہ ڈاریں جنگلات میں پناہ گزینی کے لئے آ رہی تھیں ہوا نے انہیں پیچھے کے پیچھے اڑا کر رکھ دیا۔

اس عرصہ دار و گیر میں سبھی پریشان تھے۔ پھر پہلے تو بوندیاں پڑیں۔ پھر چادر بھگو بارش برسی۔ اور بعد کو سخت ڈرِ بڑ آنے لگا۔ اس وقت ایک سادہ اور مست رُو سیاح بُری طرح طوفانِ آب و باد کے نرغے میں آ گئی۔ برساتی کی عدم موجودگی نے اُس کا حلیہ بگاڑ رکھا تھا میں نے برساتی پیش کرتے ہوئے کہا۔

"لیجئے صنفِ خاص کا حق فائق ہے"۔

اُس نے کچھ توجہ نہ کی۔

میں نے کہا: "دیکھئے یہ ہوا بڑی ظالم ہے۔ کوئی کیسا ہی ترکِ کجکلاہ ہو۔ اِسے اُس کا ذرا پاس نہیں اور آپ تو اس کے لئے ایسی ہیں جیسے آک کی بڑھیا۔ سو فٹ کے اکاش نیم تک پچھاڑ کر رکھ دیتی ہے۔ اگر اُڑ کر کسی کھڈ میں جا گریں گی تو اصحابِ کہف کی طرح پھر آپ کی بھی کبھی خبر نہیں آئے گی"۔

وہ گھبرائی ہوئی جنگل کی طرف جھپٹی۔ پر وہ چلتی کیسے، بارش گو رُک گئی تھی مگر بادِ مخالف نے اُس کا آگے بڑھنا دوبھر کر رکھا تھا۔ میں نے پھر تنبیہ کی۔

"آندھی میں درختوں تلے کون جاتا ہے۔ اگر کوئی ڈالا اوپر ٹوٹ پڑا یا کوئی درخت اکھڑ آیا تو جان سے ہاتھ دھونے پڑیں گے"۔

اُس نے بمشکل سنبھلتے ہوئے پوچھا: "پھر کچھ اور کروں بھی؟"

میں نے اُسے ترکیب بتلائی: "خطرہ لحظہ بہ لحظہ بڑھتا جا رہا ہے۔ کہیں یہ آپ کی جوانی یوں ہی رائیگاں نہ جائے۔"

"پھر اب ہو بھی کیا؟"

"پتھر تیریں گے، گالے ڈوبیں گے۔"

"کیا؟"

"جی سوئی کو گزند نہ پہنچے گا۔ بجلی کے مضبوط کھمبے اکھاڑ کر پھینک دیئے جائیں گے بھُو بیٹھا فقیر نہیں اٹھایا جائے گا۔"

"آپ تو انجیل پڑھنے لگے۔ میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا ہے۔"

"آپ کبھی رائیفل کلب گئی ہیں؟"

"میں اس کی ممبر ہوں اور نشانہ انداز۔"

"نشانچی؟"

"نشانچی نہیں، نشانہ انداز۔ نشانچی تو نشان یا علمبردار کو کہتے ہیں۔ نشانہ انداز کے معنی قدر انداز ہیں۔"

"معلومات کا شکریہ۔ پر دیکھیئے تو جس طرح آپ خاتودے کے سامنے لیٹ کر نشانہ لگایا کرتی ہیں۔ اسی طرح اب بھی ...."

"ہیں!"

"یوں نہیں تو یوں کیجئے جیسے کوئی عاشقِ مہجور تاروں کی چھاؤں میں لیٹا ہوا اختر شماری کر رہا ہو یا چھت کی کڑیاں گنی جا رہی ہوں۔"

"آپ کون مخبوط الحواس ہیں؟"

"اس طرح ہوا آپ کا کچھ نہ بگاڑ سکے گی۔"

"اور کپڑے؟" اُس نے تنگ آ کر کہا۔

"ان کی واقعی خیر نہیں۔ کیچ میں لتھڑ جائیں گے اور آپ اتنی مضحکہ خیز بن جائیں گی کہ

کوئی پہچان نہ سکے۔ آپ کی ہیئت کذائی قابل دیدنی ہوگی" میں نے اس کو کچو کا لگایا۔ وہ ہچکچا رہی تھی اور سوچ رہی ہوگی کہ حلیہ تو کیا بگڑا کیونکہ یہاں کون سی کیچ بھی جو لتھڑ جائے گی۔ البتہ ان کے سامنے یوں پڑا رہنا بُرا لگتا ہے۔

میں نے پھر ناصح مشفق بننے کی کوشش کی۔ "اگر جان کی امان پاؤں تو کچھ عرض کروں؟"

"کہیئے، جلد کہیئے"

"مجبوری میں سُور اور شراب حلال ہے"

"ہوں گے"

"ہوں گے نہیں، ہیں، تو آپ خودکشی نہ کیجئے"

"نہیں کرتی، صاحب"

"تو گستاخی معاف۔ آپ مجھ سے آلپٹیے۔ نہ کپڑے خراب ہوں گے نہ ہوا اڑا سکے گی۔ جلدی کیجئے"

"ہشت! آئے میرے بہی خواہ" اس نے سخت بدمزاجی سے جواب دیا۔

"تمہیں تو غیظ و غضب بے قصور آنے لگا"

"افسوس آپ کے لائق اور شایانِ شان الفاظ دستیاب نہ ہو سکے۔ مجھے اپنے عجز بیان کا اعتراف ہے" میں نے معذرت چاہی۔

پھر ہم پناہ گاہ ڈھونڈتے پھرنے لگے۔ ہمیں چوپھانکے پہاڑ میں ایک جھکی ہوئی پشت پناہ چٹان دستیاب ہو گئی۔ اس دامن میں کھڑے ہوئے میں اُس کے پانی سے طراوت پائے ہوئے مہرِ نیم روز چہرے اور میٹھی جوانی کی طرف دیکھتے ہوئے گانا چاہتا تھا: نمی دانم کہ جانان را چہ نام است۔ کجا منزل، کجا اوراما مقام است۔

کسی اجنبیہ کے نام و نشان کا تجسّس تمدّنی پستی کی علامت ہے۔ مگر میں چاہ رہا تھا کہ اس نو نہال کی زندگی از پیدائش تا حال معلوم ہو جاتی، مجھے اُس کا سوانح نگار مقرر کر دیا جاتا اور میں دن دن کے حالات بے کم و کاست بطرز ڈائری لکھتا جاتا۔ اس لئے میں اُس سے مخاطب ہوا۔

"آپ کا نام معلوم کر سکتا ہوں؟"

"شفقت"۔

"کیسا اچھا نام ہے آپ کا۔ ایک شفقت جاودانی کا غائبانہ تعارف تو مجھ سے میری چچازاد بہن رقیّہ مولاداد نے کرایا تھا۔"

"وہ آپ کی کچھ اور بھی ہے۔"

"خالہ زاد بھی ہے۔"

"کچھ اور"

"اور کچھ نہیں۔"

"مگر مجھے اُس نے کچھ اور بھی بتایا تھا۔ اور وہ نمازن ہے۔ بڑی شرع تورا والی۔"

"تو وہ کچھ اور بھی ٹھیک ہے۔"

"یعنی وہ خوب کلاں، چنچیلا۔ جُنّی۔ بنیٹم، آپ کی منگیتر ہے۔"

"پست قامتی عیب نہیں۔ اُس میں آپ کو اور کیا خرابی نظر آتی ہے؟"

"لو اُس میں اور مجھ میں تھوڑی سی چھوٹ بڑائی ہے۔ میں شب برات کی پیدائش ہوں وہ عید کی۔ مگر وہ میری ٹٹّو ہے۔ اور اُس میں کیا خرابی ہوتی۔"

"وہ تمہاری ٹٹّو کیسے ہوسکتی ہے۔"

"ہٹّی ہے۔ اور میرے گیل گیل ایسے پھرتی ہے، جیسے گلاد کے ساتھ ٹیاں۔ اُس کی ہمجولیاں اُسے خوب کلاں۔ جاپانیا بنیٹم وغیرہ کہتی ہیں۔"

"مگر اُس میں خرابی ہے۔ بہت بڑی خرابی۔ پر میں اُسے بآسانی دور کر سکتا ہوں۔" یہاں میں رُک گیا۔ وہ میرے بیباک پنے پر متحیر تھی۔

"مجھے اس کا نام بدلنا ہوگا۔ رقیّہ یہ بھی کوئی نام ہے۔"

"آپ کو میرا نام پسند ہے۔"

"بہت"

"اسے تو سب مردانہ کہتے ہیں۔ میری دو بہنوں کے نام جو پیدا ہوئیں اور مرگئی تھیں اکبر اور اصغر تھے۔"

پھر وہ چُپ ہو گئی اور میں اُس کی مے خانوی نیم کافرستانی آنکھوں کی جانب نامعلوم طریقہ پر دیکھتے ہوئے دل ہی دل میں اُس کے نام کا ورد کر رہا تھا۔ شفقت جاودانی ۔ اُوہ شفقت جاودانی نیز میرے دل میں شیطانی آ رہی تھی کہ میں کم از کم اُس کے دونوں میں سے ایک گلناری مرکزِ رخسار پر مہکتے ہونٹوں سے چیل جھپٹا مار بھاگوں یا اُس کے ہونٹ تھرمامیٹر کی طرح منہ میں دبا رکھوں ۔ اُسے لب و رخسار صرف بوسہ زدنیوں کے لئے ودیعت کئے گئے تھے ۔ اور قیامت آثار بدن ۔ ۔ ۔

۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اِس کا جواب صرف ابلیس ملعون سے ہی مل سکتا تھا۔

ابھی ہم چٹان تلے دیوار سے کمر لگائے بآرام بیٹھے تھے کہ بڑے زور کا جھکولا آ گیا۔ اور بوچھاڑ مار کرنے لگی ۔ میں نے اپنے اور اس کے گھٹنوں پر برساتی ڈال دی ۔ اُس نے ٹیڑھی چتونوں سے مجھے دیکھا ۔ اُس کے بوسہ زا ہونٹوں پر مسکراہٹ کوند کر چلی گئی ۔ اب میں گویا ہوا :۔

"ہٹالوں اسے ؟ بہتر تو یہ تھا کہ آپ اِن دھائیں دھائیں برستے پانی میں جا کر غسل فرمانے لگتیں"

"وقت بہر حال گزر رہا ہے ۔ آپ کوئی ناشائستہ حرکت نہ کریں"

"لاحول ولا قوۃ"

"اُسے ڈالا ہے تم کو وہم نے کس پیچ و تاب میں

"میری زبان بُری سہی ۔ حرکتیں بُری نہیں ۔ بلکہ اچھی ہیں ۔ میں بے حد شریف انسان ہوں آپ اپنا جوڑا نہ ڈھیلا کیجئے ۔ ہراساں ہونے کی ضرورت نہیں"

"میں تو بھنبھوروں تک سے نہیں ڈرتی جو اس جنگل میں بہت ہیں" اس نے مستبدانہ انداز میں جواب دیا ۔

جب وہ یوں شیخت دکھا رہی تھی کہ اچانک بادل کڑکا اور اُس کے گھٹنے نام جادر کو میرے گھٹنوں سے آ بھڑے ۔ میری نفسی بھوک جاگ سی اٹھی ۔ اور میں دل ہی دل میں کہہ رہا تھا کہ اُف تیری ظالم اور بے رحم جوانی ۔ میں نے اُسے پچھیا مارا :

"بھنبھوروں سے تو آپ کو ڈر نہیں لگتا ۔ مگر بجلی سے آپ کی بھی وہی کیفیت ہوتی دکھائی دے رہی ہے جس کا نقشہ کسی نے اس بیت کے مصرعہ اولے میں کھینچا ہے ۔

الٰہی یہ گھٹا دو دن تو برسے

"کیا آپ کو مصرعہ اولیٰ یاد ہے؟"

"نہیں"

"کبھی سنا یا پڑھا تو ہوگا۔ شاید مفہوم ذہن میں محفوظ ہو؟"

"نہیں"

"کہیئے تو میں سنا دوں؟"

"لپٹ جاتے ہیں وہ بجلی کے ڈر سے"

"خوب اچھی طرح گالیاں دے ڈالیئے۔ کوئی کسر باقی نہ رہ جائے"

"حضور میں نے تو صرف مصرعہ سنانے کی اجازت مانگی ہے۔ سنا دوں"

"نہیں"

"تو کیا یہ باور کر لیا جائے۔ کہ کوئی آپ کو پہلے یہ مصرعہ سنا چکا ہے جس سے طبیعت منغض ہو گئی؟"

"نہیں"

"پھر انکار کیوں ہے؟"

"میں حیص وبیص کی عادی نہیں۔ آپ کھُلا میدان پا کر بہت چل نکلے"

اس کی نڈر آنکھوں میں غصہ جھلک رہا تھا۔ میں نے کہا:

"دیکھیئے آپ مجھے ڈرا رہی ہیں"

"میں آپ کو ڈرا رہی ہوں؟"

"جی مجھے ضرور ڈرایا جا رہا ہے۔ آپ تخویفِ مجرمانہ کی مرتکب ہو رہی ہیں۔ کیونکہ میں حسینوں کی ترچھی نگاہوں سے ڈرتا ہوں۔ کسی کی کمزوری سے ناجائز فائدہ اٹھانا اچھا نہیں۔ آپ میری طرف لجونتی آنکھ سے دیکھیں لیکن آنکھ بھوں ٹیڑھی کر کے نہیں"

وہ برساتی پھینک کر علیحدہ کھڑی ہو گئی۔ اور جب میں نے اُس کے ایک اور تیز پچھنا لگایا کہ سرد ہوا آپ کے جسم میں کہیں نہ کہیں جا بیٹھے جا ضرور بیٹھ جاتے گی۔ تو اُس نے اپنی مٹھیاں بھینچ لیں۔ اور مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے وہ میرا منہ بندر کی طرح کھسوٹ کر لہولہان

کر دیتی۔

کوئی گھنٹہ بھر بعد ابر تتر بتر ہو گیا۔ بندر اور لنگور جنگلات میں خوخیاتے پھرنے لگے۔ بن چکوروں کی آوازیں آنے لگیں۔ چکیلے میدان میں ٹال بجنے لگا۔ اور چوٹیوں پر پہاڑ کی برف دھوپ میں چمکنے لگی اُس نے دُور سے اپنے ملازماں کو آتے ہوئے دیکھا، اور وہ امارت پرستانہ چال سے ان کی طرف جانے لگی تو میں نے یہ چبھتا ہوا شعر پڑھا:۔

"آپ کی چال سے پامال ہوئے جاتے ہیں : اپنے کشتوں کا بھی رکھیے دمِ رفتار لحاظ"

وہ اپنے صیقل چہرہ پر شمشیرِ بے نیام آنکھیں کھولتے ہوئے بولی:

"کیا فرمایا جا رہا ہے؟"

"کچھ نہیں۔ وانصرنا علیٰ قوم الکافرین" (خدا کافروں پر فتح دے)

"میں کافر ہوں؟"

"آپ کافر ہیں؟"

"میں آپ سے سوال کر رہی ہوں؟"

"میں آپ سے سوال کر رہا ہوں؟"

"آپ سوال نہیں کر رہے۔ نری چکلس بازی کر رہے ہیں۔"

"یہ میں نہیں کیا کرتا۔ البتہ آپ ضرور مرضِ غلو میں مبتلا ہوں گی۔"

"مجھے کیوں کوئی مرض ہوتا۔"

"یہ مرض تو ہیتی ہے مسلم کا نقیض کافر ہے۔ یہ آپ نہیں۔ مگر کافر کے دوسرے بھلے معنی محبوب۔ نگار۔ دلِ آرام۔ اڑ کہ آپ سے چھپاں ہوئے جا رہے ہیں۔ اور آپ کو اس کا احساس غلو کی حد تک ہے۔ آپ کو میری مدد درکار ہو گی۔"

"نہیں"

"نہیں ہے۔ آپ برساتی اوڑھ کر بیٹھ جائیں۔ اور لائیے میں آپ کے کپڑے نچوڑ کر دھوپ میں پھیلا دوں۔ سوکھ جائیں گے تو پہن لیجئے گا۔"

اُس نے بلبلا کر جواب دیا۔

"آپ بڑے ضرر رساں، فسادکار، بدمزاق اور یاوہ گو ہیں۔ خدا ایسی کثیف باتیں مجھے کبھی نہ سنوائے"۔

"خدا میرا بھی ایسی خشونت پسند، بے توفیق اور ستم ایجاد لڑکی سے پالا نہ ڈالے"۔

"آپ کو وہ آپ کا جاپانیا بنئیم مبارک" پھر وہ کپا سا ہو کر لمبی ڈگیں بھرتی ہوئی چل دی۔

رات کا کھانا میں نے ہوٹل کے ہال میں سب کے ساتھ مل کر نہیں کھایا۔ بلکہ کمرہ میں۔ کیونکہ تھکن ہو رہی تھی۔ لحاف میں لیٹے ہوئے میں نے کافی پی۔ اور پھر ہوٹل کی معزز میزبان پہاڑی ملازمہ کے اصرار پر کوکو جس نے خشکی کی اور میں دیر تک سو نہ سکا۔ یہ کوہسار زادی میری چپی کرنا چاہتی تھی۔ اس کا سن سولہ سال کا ہوگا۔ نقشہ کھڑا کھڑا اور نام سونا کھی دیکھیے سے وہ بھاری تھی۔ اوپر اوپر سے کشادہ سینہ پر لذت کے دو علیحدہ علیحدہ خزانے بخوبی عیاں تھے) وہ ہوٹل کی افسر مہمانداری تھی، جو بھی آتا۔ اسے دیکھ کر لٹو ہو جاتا مگر وہ بہتی گنگا نہیں تھی۔ اس نے بہت کم کو بامراد کیا ہوگا۔ مجھ پہ اول دن سے اس کی نظر خاص تھی۔

باہر جھم جھم مینہ برس رہا تھا۔ گھٹائیں جھکی ہوئی تھیں۔ میں بدستور لحاف میں لیٹا ہوا امرئیوں کی سہانی پرچھائیاں یاد کر رہا تھا جہاں رقیہ میرے ساتھ بے جھجکتی بھدوار میں بیر بوٹیاں پکڑتی پھرا کرتی تھی۔ گو چوماسہ کا سورج ہوتا تھا مگر ہمیں دھوپ چھاؤں کی پرواہ کہاں تھی۔ کیونکہ بے خبری کے دن تھے۔ پر اب رقیہ کا کوئی سوال ہی نہ تھا پچھلے سال تو اسے دکھن دیشا کی رہنے والی بیجاپوری ہجو شکست دے چکی تھی۔ اور اب شفقت کا بول بالا تھا۔

سونا میری ٹانگوں کی مٹھیاں بھر رہی تھی۔ درد وہیں تھا۔ میں نے اسے کمر دبانے کی فرمائش کی۔ اور پھر اس کے ہاتھ قوا ہائے مسرت کی طرف رخ اختیار کرتے معلوم پڑے۔ یہ میرا واہمہ تھا۔ اور بات کچھ بھی نہیں۔ میرے دل میں آئی۔ کہ اسے پوری طرح اپنی تحویل میں لے آؤں۔ اور کچھ دیر کو مجھے اس کے جادو بھرے جسم پر کھلی چھٹی مل جائے۔ اس لئے میری باہیں اس کی کمر میں حائل ہونے کو بڑھیں۔ اور ہونٹ مرگ تو چنوں کو بند کرنے کی خاطر۔ مگر وہ اپنی کنز الذات ابھری کچیں جوں کی توں لئے ہوئے جھاڑی کے سربن تیتر کی طرح اڑ گئی۔ اور میں اپنی بدنیتی پر پشیمان ہو گیا۔

پھر تنہائی میں اُسی ہمہ بخش غمگسار بیجاپوری بیجو کے خیال آنے لگے۔ جسے میں پچھلے سال اوٹوکمنڈ پر چھوڑ آیا تھا۔ اگر پہاڑن کی جگہ خوشبودار جسم۔ چھوٹے چھوٹے سانس لینے اور کبھی کبھی مسخرے پن سے آنکھ دبا کر دیکھنے والی بیجو ہوتی تو میرا غم غلط ہو گیا ہوتا۔ لمحات جوش وخروش میں وہ کتنی جلد کھماچ سے پنچم تک پہنچ جایا کرتی تھی۔ ورق ورق ہو جانے کے بعد جب وہ اپنی شیرازہ بندی کر کے مردنگ پر ٹامل تلگو اور کنڑی گیت گاتی تو اُسے پھر سے ورق ورق کر دیا جاتا۔ ایک مرتبہ میں نے اُسے نصیحت کی۔ "گہرے گہرے لمبے سانس لیا کر بیجی۔ صحت کے لئے مفید ہیں۔"

اُس نے اور بھی چھوٹے چھوٹے سانس لیتے ہوئے جواب دیا تھا:

"ہوں گے طاہری! جتنے زیادہ سے زیادہ سانس تمہارے پاس لے سکوں اُتنا ہی اچھا۔"

پر اس وقت تو مجھے شفقت کی وجہ سے بڑی بیکلی ہو رہی تھی۔ میں سوچ رہا تھا۔ اُس نے کہا ہے کہ رقیبہ میرے گیل گیل ایسے پھرتی ہے۔ جیسے گلامک کے ساتھ ٹیاں۔ یہ گیل گیل کیا ہے؟ گیل تو دیہاتی ساتھ کو کہتے ہیں۔ گیلڑ پہلے خاوند کی وہ اولاد ہوتی ہے جسے عورت ساتھ لے کر نئے شوہر کے گھر جائے۔ اے بارِ خدا وہ دن جلد آئے۔ جب میں بے تکلفی کے ساتھ اُسے سنانے کے قابل ہو سکوں:

کبک خوش رفتار و گفتارم بہ کوہسار آمدی

اس کے بعد میں منتخب غزلیات ولی تا فانی پڑھتا پڑھتا سو گیا۔

جب میں جاگا تو صبح کی چڑیاں چہچہا چہچہا کر کبھی کی دانہ دُنکا چگنے جا چکی تھیں حمام وغیرہ کے بعد میں نے ناشتہ کیا۔ اور آرام کرسی پر بیٹھے ہوئے۔ کھڑکی میں سے باہر دیکھ رہا تھا کہ سونا مکھی آ کر دریافت کرنے لگی۔

"کیا دیکھ رہے تھے جی؟"

ف طاہری۔ طاہر سے نام ہے۔

"تمہاری راہ"

نہیں۔ تم تو اُس سڑک کی طرف دیکھ رہے تھے۔ جو نیچے جاتی ہے اور جسے نرک مارگ[1] کہتے ہیں ابھی میدانوں میں نہ جانا۔ اگنی کنڈ بنے ہوتے ہیں"

"اب تو وہاں خوب پانی پڑنے لگا"

برکھا کی پچھلی گرمی بھی پڑ رہی ہوگی۔ سڑک گلیشیر ٹنرنگ پار ٹبہ گرکر رات سے بند ہو گئی۔ مگر اس پہاڑ پر اور بھی بہت سے سندر استھان ہیں۔ جبھی تو مغل اسے "وادی بہار" کہتے تھے۔ انگریز اسے سمر ڈیل (SUMMER DALE) پکار کر خوش ہوتے۔ اور مضافی دیہات میں آج تک ابتدائی نام "جھیلوں والی" ہی چل رہا ہے۔

"بھلا میں کیا ہوں؟"

"تم وہ ہو جو ہو"

"وہ کیا؟"

"جسے دیکھ کر من مچل جائے"

"میں ہوٹل کی افسر مہمانداری و خیر مقدم کے علاوہ جھیلوں والی کی سیر کا گائیڈ بھی ہوں۔ اگر میں کسی پارٹی کو سیر کرانے لے جاؤں تو الاؤنس ملتا ہے۔ جھیلوں والی کا وہ نقشہ تو آپ نے دیکھا ہوگا جو بنیڈ چوک پر لگا ہوا ہے"

"نہیں۔۔۔ میں اس پہاڑ پر اول بار آیا ہوں"

"میرا رنگین مصوّر نقشہ اُس سے اچھا ہے۔ ابھی لاکر دکھاتی ہوں"

وہ نقشہ لینے چلی گئی۔

یہ پہاڑ میرا بہت دفعہ کا دیکھا ہوا ہے۔ مگر انجان بن کر میں سونا مکھی سے ناواقفیت کے مزے لے رہا تھا۔

واپس آکر اُس نے اپنی مخروطی انگلی نقشہ پر رکھتے ہوئے کہا:

---

[1] نرک مارگ: دوزخ کا راستہ

"آپ یہاں ٹھہرے ہوئے ہیں ۔جولسار اور بادر ہوٹل میں ۔یہ مغرب میں دریائے لجر اس کے دونوں کنارے پڑا نا جنگل ہے جس کی چھوٹی چھوٹی جھیلوں میں ٹراوٹ مچھلی کا شکار کرتے ہیں ۔"

یہ شمال میں جھیل پوہ نیر ہے جس کے غربی کنارے کنارے "سڑک فلسفیان" چلی گئی ہے اس پر صرف پیدل چل سکتے ہیں ۔یہاں دیوداروں کا اتنا گھنا سایہ ہے کہ تمام راستے کہیں چپّے برابر بھی دھوپ نہیں پڑتی ۔رات کو اِدھر کوئی نہیں جاتا ۔"

"اور وہ سڑک حملہ ہائے ناجائز کدھر کو ہے ؟"

"جھیلوں والی میں ایسی کوئی سڑک نہیں ۔"

میں نے اُس کے چکنے چکتے ناخن پہ سے انگلی پکڑ کر سڑک فلسفیاں پر پھیرتے ہوئے کہا :

"سڑک حملہ ہائے ناجائز اسی کا دوسرا نام ہے ۔اب آپ بس کیجئے ۔مجھے آپ کے گائیڈ ہونے میں شبہ لاحق ہو گیا ۔آپ فرما رہی ہیں رات کو اِدھر کوئی نہیں جاتا ۔رات کو اِدھر بہت جاتے ہیں ۔مگر دو ۔دو ۔ایک مرد ایک عورت ۔دو مرد اور دو عورتیں نہیں ۔"

"(نامطبوع موضوع کو ٹالتے ہوئے) آپ تیراکی اور کشتی رانی جانتے ہیں ؟"

"نہیں جانتا ۔۔۔۔ تم مجھے تیراکی سکھا دو ۔"

"میں آپ کو تیراکی پر ایک کتابچہ لاکر دوں گی ۔"

"مجھے عملی سبق چاہیئں ۔"

"اس میں تو کم از کم ایک ماہ خرچ ہو گا ۔اور یہاں بارشوں کا تار بندھا ہوا ہے ۔"

"تو کشتی رانی ہی سکھا دیجئے ۔"

"پہلے تیرنا سیکھئے پھر کشتی رانی ۔"

"اور جل بہار ؟"

"یہ منظور ۔"

"کب ؟"

"آج ہی ۔"

"ضرور ؟"

دوست بچپن ہے۔"

پھر وہ آپ ہی آپ شوخی سے بولی: "کل شام کا واقعہ سنیئے۔

ایک صاحب آئے۔ بر جسم پر چمڑے کی جیکٹ پہنے۔ اور فل بوٹ پر گھڑ سواروں کی مہمیز لگائے۔ جو اُجلی ہوئی چاندی کی طرح چمک رہی تھی میں نے خیر مقدم کیا۔ تو کہنے لگے۔۔۔۔

"بھلا ہمیں آپ کے ہوٹل میں کیا کیا چیز ملے گی؟"

میں نے جواب دیا:

سجا سجایا آرام دِہ کمرہ۔۔۔۔۔ مزے مزے کے کھانے۔"

وہ فرمانے لگے:

"اور آپ؟"

میں نے کہا:

"میں؟ نہیں۔

وہ بولے:

"سجا سجایا کمرہ۔۔۔۔۔ مزے مزے کے کھانے۔۔۔۔۔ اور ساتھ ہی آپ بھی۔۔۔

بغیر آپ کے یہ سب چیزیں کس کام کی۔۔۔۔۔۔؟"

جب سونا مکھی اور میں کلب تیراکی اور کشتی رانی سے "رودکی" نامی پنسولی[1] میں بیٹھ کر جھیل پوہ نیر میں نکلے تو کالے کالے پہاڑوں پر پھیکے پھیکے تاروں میں چاند نکلا ہوا تھا۔ سونا مکھے رہی تھی اُس کے فندق کوٹ کے زرلفتی پھول اور ننگے سر پر بندھی ہوئی بینڈ و کے مہین مہین موتی چمک رہے تھے۔

چیت کی راتوں ایسی شہوت مند چھوا چل رہی تھی۔ "جزیرہ دلِ عاشقاں" جہاں ہم جا رہے تھے۔ چھ سو گز کے قریب ہوگا۔ اور وہ اپنی دیو داروں سے پٹی ہوئی ٹیکری کے ساتھ ایسا لگتا تھا۔ کہ جیسے بساطِ آب پر آبنوسی سرپوش رکھا ہو۔ یہاں لبِ ساحل پھولوں کی کھلی

---

[1] پنسولی۔ چھوٹی کشتی۔

کیاریوں میں بنجیں ٹپری ہوئی تھیں۔ وہاں پہنچتے ہی بے توقف میں اپنے جسم و جان سمیت سونا میں اس طرح سما جانا چاہتا تھا کہ میری ہستی معدوم ہو جائے۔ کیونکہ یہ عالم تلذذ شفقت جاودانی کی تڑپ کو اس بھمبیری کی طرح طوفان بُرد کر دیتا جس کو آندھیاں جمنا کنارے سے خبر نہیں کہاں اُڑا چھوڑیں۔

جب جزیرہ "دلِ عاشقاں" قریب آنے لگا۔ تو درختوں کے جھُنڈ سے ایک پرندکی پُرفغاں آواز آنے لگی۔

میں نے پوچھا:

"رین پنکھی کیا گا رہا ہے؟"

"فراق۔ فراق۔ جُدائی۔ جُدائی"

"نہیں۔ وصال وصال۔ بَن آئی بَن آئی۔ .... تم اس وقت میرے دل میں کھُبی جا رہی ہو۔ لاؤ تمہارے براق گلے کے یہ تینوں بھلینڈے[1] ایسے موتی توڑ کر جھیل میں ڈال دوں"۔

"اِس توڑ پھوڑ بگیل سے کیا مل جائے گا"۔

"میرا ادھیکار۔ ...... تمہارے بنیڈو کی یہ جگمگاہٹ سر آنکھوں پر۔ مگر میں ان موتیوں کو گلے میں نہیں سنگرنے دوں گا۔ وہاں میری باہیں ہوں گی یہ نہیں"۔

"اپنی جانت میں بڑے دودوان، بلونت اور دریودھن بنے پھرتے ہیں۔ یہ نہیں سوچتے کہ آپ کی جان کا طوطا میرے انگوٹھے تلے ہے۔ یہ ننّا سی ناؤ ہے جسے پانی میں کود کر بآسانی اُلٹا کیا جا سکتا ہے۔ میں تو تیر کر پار جا لگوں گی اور آپ جھیل کی تہ میں جا بیٹھیے گا۔

اس نفسیاتی نقطہ پر میں نے اپنی باہیں اُس کے گلے میں ڈال دیں۔ تینوں بھلینڈے ایسے موتی اُن کے نیچے آ گئے۔

"وہ ڈنڈوں کو کڑوں میں پھنساتے ہوتے بولی:

"الیشور بھلی کرے جاپان نے اچانک ہونولولو پر بمباری کر دی"۔

---

[1] بھلینڈا = ٹری جامن

"اس کا کارن تمہاری دھمکیاں ہیں۔ وشواش جاتا رہا تھا۔ اب ڈوبونگا۔ تو کسی کے ساتھ ڈوبونگا۔"

"آپ پر جن چڑھا ہوا ہے۔"

"اسی لئے یہ کھینچ تان نہ کیجئے۔"

"آپ میرے بَل کا پرکھیا نہ لیں میں پربت کی جائی ہوں۔"

"اور بڑی جیوٹ۔"

"جیوٹ ہوں یا نہ ہوں۔ مگر "نفرتی کام" نہ ہونے پائے گا۔"

سونا نے منہ سکوڑتے ہوئے میری جانگھ میں میٹھی چٹکی بھری اُس کا جذبات سے مملو چہرہ گرم و سُرخ تھا۔ اور منتشی آنکھیں نیم وا۔

اتر پچھم سے تین لڑکیوں کے گانے کی آواز آنے لگی۔ وہ بلامزامیر کے گا رہی تھیں۔ اُدھر شفقت کی آواز ایسی پہچانی جا رہی تھی۔ جیسے سونے کے زیور پر دُونا دوں قیمت کا جواہر جڑا ہوا ہو یا جیسے سادہ پانی میں شربت مشک گُھلا دیں۔

اس وقت میری نفسانیت سرنگوں ہو گئی۔ اور میں نے ہنسولی "دوردکی" کو جزیرے کی کھاڑی ہیں اس طرح لا کھڑا کیا کہ جیسے پہلی جنگ عالمگیر میں ترکوں نے درّہ دانیال میں توپیں چھپا رکھی ہوں۔ میں نے سونا سے سوال کیا۔

"یہ کون ہیں؟"

"ہوں گی رمجنیاں"

"رمجنیاں نہیں۔ ان میں سے ایک کو میں جانتا ہوں۔ شفقت جاودانی۔"

"یہ وہاں سامنے مڑھیوں والی پہاڑی پر رہتی ہے۔ دوسری نوشاہ ہے تیسری دلبری۔ کشتی رانی کے زنانہ ڈبل مقابلے میں مس جاودانی میری آڑی تھی۔"

"نوشاہ کیسی ہے اور دلبری کیسی؟"

"نُوشاہ۔ .... نہ کالی ہے۔ نہ گوری۔ ہونٹ بیچ میں سے ذرا ذرا کو موٹے اور دونوں دھوروں پر خوب باریک۔ مگر ملبائی کم کم۔ گردن جیسے جولیس سیزر کے دوست انطانی کی

تھی۔ موٹی مگر لانبی اور آنکھیں سفیدی میں الیچی کا گودہ۔ پتلیاں اُسی کی گٹھلی کے ہم رنگ۔ نتھری نتھری۔ دُھلی۔ دُھلی۔

"اور دوسری دلبری"

"آئے ہائے۔ اُس کی بابت پوچھنا ہو تو حسنی چابک سوار سے پوچھنا۔ جس کے ساتھ یہ ٹراوٹ (مچھلی) کا شکار رات کو کھیلنے گئی تھی"۔

"یہ میں نہیں مانتا۔ اگر دلبری ایسی ہے تو شفقت کا اُس سے یارانا نہیں ہو سکتا"

"شفقت کو کیا خبر۔ وہ تو صرف اتنا جانتی ہوگی۔ کہ جب یہ محرّم کی مجلس پڑھتی ہے۔ تو محفل کو رُلا رُلا کر رکھ دیتی ہے۔ گلے باز ہے نا"

"اس وقت تو شفقت اچھا گا رہی ہے"

"طرز دلبری کی ہے۔ اور شفقت صرف ساتھ لگو"۔

اب میں نے ہنسولی کو اس طرح اُن کے پیچھے لگا دیا کہ وہ ہمیں نہ دیکھ سکیں۔ سونا مکھی کا جی علّے حالہ جفا کفا اٹھانے کو بھڑک رہا تھا۔ مگر اس کی مقتفی نگاہیں مجھ میں ذرا سی رُدھ بھی پیدا نہ کر سکیں۔

جب ہم ہوٹل جانے کو سڑک فلسفیان کے تی دلہے پر پہنچے۔ تو میں اُسے دلو دار وں میں لے چلنے لگا۔ مگر وہ جل جلاہٹ کے ساتھ بولی۔

"رات گئی بات گئی"

"رات تو نہیں گئی"

"تو بات تو گئی"

"کیوں گئی؟"

"پیار ارمان اُس سے نکالے جس سے پیار پریم ہو"

واپسی پر ہوٹل میں جب ہم علیحدہ ہونے لگے۔ تو میں نے کہا:

"رخصتانہ دیتی جائیے"

"کیسا؟"

میں اُس کے ہونٹوں۔ رخساروں اور آنکھوں کے ڈگڈگا کر حُپ سے لیتے ہوئے بولا :

"الیسا"

چلتے چلتے وہ اپنا منہ رومال سے پونچھتے ہوئے کہتی گئی :

"بے تکلفی ختم۔ آئندہ قاعدے کے ساتھ ملنا ہوا کرے گا۔ وہ تو خیر نہیں۔ کیا بات تھی۔ کیا موقعہ۔ صبح آپ میری راہ نہیں دیکھ رہے تھے۔ مردوں کے اطوار بھی کتنے نمائش کارانہ ہوتے ہیں"

باب ا

الفاظ		معنی
نرگ مارگ	=	دوزخ کا راستہ
فندق	=	میوہ بے حد سُرخ
پنسوئی	=	چھوٹی کشتی
پھلیندا	=	بڑی جامن
کچونٹی آنکھ	=	شرمیلی آنکھ

باب ۲

مجھے جون کے آخیر اتوار کو واپس ہونا تھا۔ پر اب تو پوری جولائی اور اگست گزر رہے جا رہے تھے۔ بگر میں تھا اور جھیلوں والی کے یہ ٹھنڈے اور طراوت بخش پہاڑ۔ نہیں یہ کیوں نہ کہوں۔ کہ میں تھا اور شفقت۔ جب سے میں نے اُس کا دہ بوندوں بھیگا وجد آور چہرہ اور لال لال رسوں بھرے ہونٹ دیکھے تھے۔ میں سب کچھ تج کر اس پر جھوم رہا تھا۔

پہاڑوں کی آب و ہوا میں کچھ تاثیر ہی ایسی ہوتی ہے۔

پچھلے سال اونی ڈاولوٹ کمنڈ) گیا تو جنوبی ہند کی اُس فاسق و فاجر ساحرہ بیجاپوری نے جسے بیجو بیجو کہتے تھے۔ مجھے چھ ماہ تک وہیں ٹکائے رکھا۔ کمبخت ایسی دیوانی اور قیامت بن کر ملتی تھی کہ اُن لمحوں کے مقابل کولر کا تمام سونا اور قدیم گولکنڈہ کے کل جواہرات ہیچ تھے۔ شاعروں نے رنگ ملیح کی یوں ہی تعریف نہیں کی۔ اصل مزہ تو نمک میں ہی ہے۔ مگر اُس کے لئے مجھے جال نہیں بچھانے پڑے تھے۔ نہ کمپا اٹھائے پھرنا پڑا تھا۔ نہ ٹوکری لگانی پڑی تھی۔ نہ بانس ڈور لیکر نکلا تھا۔ ایک ٹٹخاری میں اس طرح پیچھے پیچھے پھرنے لگی تھی کہ جیسے خبر نہیں کب سے ہلی ہوئی ہے۔ اگر کسی کی بھولی بھولی صورت۔ روتی ہوئی سی درپی آنکھیں۔ اور ہنستے ہوئے سے ہونٹ ہوں۔ جو ہمیشہ جلدی جلدی چھوٹے سانس لے اور کبھی کبھی ایک آنکھ دبا کر نصف مسخرے اور نصف محبانہ انداز سے دیکھنے لگے۔ تو پیار آئے پر آئے۔ کہتی تھی کہ میرا دل عشق ہے۔ اُدھر تھا۔ پر میری بھی تو یہ پہلی سرشاری تھی۔

خیر یہ تو جملہ معترضہ تھا۔

نئے مینجر عبدالجبّار کے خطوط بدستور آرہے تھے کہ امریکہ سے ٹریکٹر پہنچ گئے۔ تین شہد کے چھتوں کی پالتو رانی مکھیاں اور پانچ ولائتی گائیں مرگئیں۔ پولٹری فارم کے دو ہزار ولائتی پرند باوجود ٹیکہ لگوانے کے رانی کھیت سے متاثر ہوگئے۔ اور دو ٹیوب ویلوں کا فوری بندوبست لازمی ہے۔ ورنہ ربیع خراب ہوجائے گی۔ مگر میں پہاڑ سے ہلنے کا نام نہیں لیتا تھا۔ اور بے چارے جبّار کا کیا قصور۔ اُس نے تو اپنے فرضِ منصبی کے علاوہ ہمدردی اور دوست نوازی میں کمی نہیں کی تھی۔ وہ میرا کام اپنا سمجھ کر کرتا تھا۔ مگر اُسے زراعت کے متعلق میرے مقابل کم معلومات تھیں۔ یہ اور ہے کہ کالج میں وہ ہمیشہ مجھ سے بڑھا رہا اور خاص کر بستان کاری میں۔ مگر بلوؤں میں غریب کے باپ کے مارے جانے اور جائیداد کی تباہی کے باعث وہ میری طرح سمندر پار جا کر تعلیم مکمل نہ کرسکا تھا۔ رقیہ کی اڑھتی بدل بہن ہونے کی حیثیت سے اور اس لئے کہ ہمارا آپس میں غائبانہ تعارف تھا۔ شفقت میری جان مجھ سے اتنی کُھل گئی کہ ہم نے باہم رقص کیا۔ اسکیٹنگ کی۔ مصوّری کی نمائش میں گئے۔ جہاں وہ خود نمائش کی زینت تھی اور سنیما دیکھا۔ مگر اس کی طرف سے مجھے ہمیشہ یہ احساس رہا کہ اب تک وہ بات پیدا نہیں ہوئی۔ جسے دل سے دل ملنا کہتے ہیں۔ اُس میں ایک خاص طرح کی مغائرت اور چھیدرا اپن پایا جاتا تھا۔ اُس میں کچھ اور ہوا بھری ہوئی تھی۔ میں اب تک اُس کی تھاہ نہ پاسکا۔

مصوّری کی نمائش میں ایک خیالی شبیہہ شہزادی جہاں آرا کی تھی۔ صرف اس کے دیکھنے کے لئے۔ اسّی۔ نوّے فیصد نوجوان طبقہ ٹکٹ خرید کر آتا تھا۔ نمائش کا خاص الخاص انعام یہی تصویر حاصل کرسکتی تھی۔ اس شبیہہ کے مصوّر مغل شاہ نے اپنی ہمشیرہ کے توسّط سے شفقت جاودانی کو کہلا کر بھیجا تھا کہ اگر یہ پورٹریٹ بنانے سے پہلے میں کہیں آپ کو دیکھ لیتا تو تصویر ہزار گونہ افضل ہوتی۔ کیونکہ آپ زندہ شہزادی جہاں آرا ہیں۔

اس دریافت کے بعد شفقت کا سر کچھ زیادہ ہی پھر گیا تھا۔ وہ ساتویں آسمان سے بھی اُوپر اُڑ رہی تھی۔ اُس نے مجھے دنیا سے بُری طرح کھو رکھا تھا۔ وہ ملیچا للچا کر میرا ناس مارے ڈال رہی تھی۔ میں تو اس کے جھٹکے مارنا چاہتا تھا مگر وہ اپنے آپ کو مجھے ذرا

زبان تک پر نہ رکھنے دیتی تھی۔ مجھے بھٹنگر تک کا موقعہ نہیں دیا گیا تھا اور خالی خولی ملاقاتوں سے کیا حاصل وصول ہوتا۔ اور کچھ تو در کنار وہ تو اپنا غنچۂ ناشگفتہ تک دُور ہی دُور سے دکھا رہی تھی۔ مگر میں یہ قطعی اور حتمی فیصلہ کر چکا تھا کہ میری "جیون مرن کی ساتھی" صرف شفقت بنے گی اور کوئی نہیں۔ رقیہ ہرگز نہیں۔

میں نے علم نسلیات میں پڑھا تھا۔ کہ اگر ایک ہی کنبے میں عرصہ تک باہمی بیاہ ہوتے رہیں۔ تو نسل کمزور ہو جاتی ہے۔ ہمارے یہاں یہی ہو رہا تھا۔ چنانچہ قد گھٹتے جا رہے تھے۔ رقیہ اُس کی ایک بیّن مثال تھی۔ اگر "نیا خون" نہ لایا گیا۔ تو ہمارے لئے زوال ہی زوال ہے۔ شاید قدرت نے شفقت جاودانی کو اسی لئے بھیجا ہو کہ اُس سے ہماری نسل سدھرے اور قوی بنے۔ آخیر اگست کی ایک روشن اور رنگین شام کو میں نے اپنا مقصد ظاہر کرنے کی کوشش کرتے ہوئے شفقت سے کہا:

"مجھے رقیہ اچھی نہیں لگتی"۔

"کیوں"؟

"وہ سفید کپڑے کی طرح ہے"۔

"یعنی نورانی اور قدسی صفت"

"نورانی اور قدسی صفت یا۔۔۔۔۔"

"یا کیا"؟

"یعنی کُند چھُری۔ نہ کہ تمہاری طرح شمشیر برآں۔ مصفّا سہی۔ مگر تم ایسی دلگداز نہیں باوجود مغربی تعلیم یافتہ ہونے کے اُس میں تمہارے جیسا آٹھواں گانٹھ کُمیت پنا کہاں"۔ تم میں مغلوں کا تناؤ ہے اور غالبؔ کی ظرافت"۔

"ہیں!۔۔۔" "وہ جو "صورت میں حور خُو میں ملک نازمیں پری"۔ ہے اس کی نماز تقویٰ۔ اور طہارت کا یہ صلہ!

وہ تو واقعی ملک سیما ہے۔ بلکہ سورۃ۔ رحمان۔ والضحیٰ۔ اور واللیل جیسی"

"تمہارے قد و زلف و دہن الف لام میم ہیں اور وہ تو رمزی ہے یا افطاری"

"زمزمی کا پانی تو خیر نمک گوں ہوتا ہے۔ مگر افطاری کے مزوں کے کیا کہنے۔ ہلکے نفیس اور دیدہ زیب مشروبات۔ ماکولات۔ گڑہل کے خوش رنگ شربت کے گلاس۔ سوندھی خوشبو والے کسوروں میں تخم مالنگا ملا ہوا فالودہ۔ سفید سفید یخ خربوزے ۔۔۔۔۔۔۔۔ انہیں دیکھ کر تو روزہ خوروں تک کی نیت بہک جاتی ہے۔

"وہ افطاری ہے۔ تو میں سحری ہوں۔ خواب آلودگی اور بے اشتہائی میں مجبوراً کھائی جانے والی۔"

"تم سحری نہیں تم تو سُرخ شراب کی بوتل ہو جسے پی کر ۔
سبزے کو ڈالیں روند - اور پھُولوں کو جائیں پھاند"

"تو میں کیا کروں؟"

"آپ سب کچھ کر سکتی ہیں۔"

"میں کچھ نہیں کر سکتی۔"

"میں زیادہ ترسنے کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ بتاؤں آپ کیا کر سکتی ہیں؟"

"نہ بتائیے"

"نہ بتاؤں۔ مجھے تو کچھ اور ہی شک گزر رہا ہے۔" ؎

"ترسی ہوئی نگاہ نے کچھ کہہ دیا نہ ہو"

"بلکہ مجھے بن کہے سب خبر ہے۔"

"تم میرے دل کا حال کیا جانو۔"

"جانتی ہوں"

"اچھا بتائیے۔ کیا میں آپ میں پیوند ہونا چاہتا ہوں"

"ضم ہونا! آپ نے بہت بُری بات کہی۔ ضم ہونا!! الفاظ واپس لیجئے۔"

"میں نے ضم نہیں کہا۔"

"مدغم کہا ہوگا؟"

"یہ بھی نہیں کہا"

"جو کچھ کہا ہے۔ الفاظ واپس لیجئے۔"

"الفاظ واپس لیتا ہوں"

"کچھ اور"

"مجھے تو ابھی بہت کچھ کہنا ہے"

"میری نصیحت مانیئے۔ کچھ نہ کہیئے ؎

مبادا بات بڑھ کر باعثِ تکلیف ہو جائے۔"

"سجدہ صرف خدا کو جائز ہے۔ مگر میں سات بار طواف کر کے آپ کو سجدہ کر لیتا ہوں اگر آپ میری بات مان جائیں۔"

"اپنی طبیعت کو روکیے۔" "روکنے سے بے صبری اور بڑھ جاتی ہے اور تمہیں دیکھ کر تو مجھے کچھ ہو سا جاتا ہے۔"

"آپ کیسے بلک رہے ہیں۔ مردوں کے لئے یہ اچھا نہیں۔ خوشامد اور تملق ہر جگہ راست نہیں آیا کرتی۔ تو بنی لے کر مانگنا ہو تو اور بھی دروازے ہیں۔"

وہ تضحیک آمیز لہجے میں بولی۔ میں اُس کی بیابانی آنکھوں کی طرف دیکھنے لگا کہ شاید وہاں کچھ لگاوٹ کی رمق پا سکوں۔ مگر وہاں تو مطلع صاف تھا۔ وہ تو "بالاتر از خیالم اور بُجُود صالم" بنی ہوئی قساوت کے ساتھ میرا خاکہ اُڑا رہی تھی۔ پھر کہنے لگی۔

"اوہو آپ تو بڑے خدا رسیدہ نکلے۔ آپ کا شمار عشاق عظّام میں ہونا چاہیئے تو کیا آپ مجھ پر جسم و جان سے فدا ہیں؟"

"جسم و جان اور ایمان سے۔"

"میں نے تو یہ اوّل دن ہی بھانپ لیا تھا۔ کہ آپ کو میری بڑی لوچ ہے طاہر میاں (یہ میرا نام ہے) ہمارے عاشقِ شیدا ہیں۔ اگر برف پڑتی ہوئی ہوتی۔ تو میں آپ کا امتحان لیتی۔"

"کیسے؟"

"آپ کو کرسی پر بٹھا کر اُوپر سے پنکھا طوفانی رفتار سے چھوڑ دیا جاتا اور ساتھ ہی

ایک بھنبیسٹر سی ناہنجار خادمہ موچن لئے ہوئے آپ کی بھووں کے بال اکھیڑتے ہوئے انہیں گنجی کرتی رہتی۔ اگر آپ بھاگ نکلتے تو سمجھا جاتا جنونِ خام ہے، یا گھونگر یالے بال پکڑ کر آپ کو گلیشیر میں جھکولے دیئے جاتے۔ اگر آپ کے ماتھے پر بل نہ پڑتا۔ تو پھر ہی آپ کرادے مانے جاتے۔"

"جو امتحان چاہیئے اب حاضر ہوں۔"

"حاضر! آپ امتحان میں پورے نہیں اتریں گے۔ اس لئے امتحان نہیں لیا جاتا"

"ضرور لیجئے۔ ضرور۔"

"دیکھیئے آپ کا دل ٹھکے۔ تو حامی بھر یئے گا۔ بلا جبر و اکراہ و باقائمی جملہ حواس خمسہ"

"عین خوشی و رغبت سے۔ اگر آج میرا امتحان نہ ہوا تو بادلِ دو نیم واپس جاؤں گا۔"

"بادلِ دو نیم واپس نہ جایئے صاحب، سرِ پُر جنوں سے دریائے بحر اس کے اس معاون کی شست باندھ کر کود پڑیئے۔ وہ یہاں سے صرف ایک ہزار فٹ کے عمق میں بہہ رہا ہے چٹانوں سے بے دریغ ٹکرا کر سینہ شرح شرح ہو جائے گا۔ تعجیل لازم ہے۔ ایک۔ دو۔ تین۔۔۔ جست لگایئے میں پکارتی رہوں گی۔ فضل۔ فضل۔ فضل۔ ہیں۔ آپ ابھی نہیں موجود ہیں۔ عشق ٹھپ ہو گیا۔ محبت دریا بُرد ہو چکی۔ یہ کوئی انوکھی قربانی نہیں۔ ایسی قربانیاں عاشق دے چکے ہیں۔ عہد جہانگیری میں ایک لوہار تھا، کسی پر مرتا تھا۔ اُس نے اشارہ کیا کہ کوٹھے سے کُود۔ بس کُود پڑا اور جان دے دی۔ منڈ چڑے معمولی سی خیرات کے لئے اپنا سر پھوڑنے کو تیار ہو جاتے ہیں۔

میں برملا کہہ رہی ہوں کہ کو دیئے۔ کو دیئے۔ کو دیئے۔ مگر آپ ہیں کہ ٹس سے مس نہیں ہوتے۔ آپ بڑے تھُڑ دلے اور بے حوصلہ نکلے۔ آپ سے تو وہ لوہار ہی بازی لے گیا کیا آپ کا عشق ٹائیں ٹائیں فش قسم کا ہے۔ جو آپ اُس کی کوئی سند پیش نہیں کر سکتے۔

"آپ کو مجھے کچھ تو پوچھنا چاہیئے تھا۔ یوں بیٹھے پر نہیں کھایا کرتے۔"

"آپ تو خود بُت بے پیر ہیں۔ یہ ازراہِ تظلم فرمایا جا رہا ہے۔ یا ازراہِ تمسخر۔ کیا آپ میرا بُرا چاہتی ہیں۔"

"از راہِ ترحّم۔ بارے اس طرح آپ کے دل بے قرار کو قرار آجائے گا۔"

"وہ کیسے؟"

"جب دل حرکت نہ کرے گا تو قرار آپ سے آپ آجائے گا۔"

"اوہ۔ ہم سا بدقمار بھی کون ہوگا"

"اچھا میں تیار ہوں"

"تیار اجست لگانے کو"

"جی"

"بڑی دیر میں اُبال آیا۔ صحرائے ہفت کشور سوختہ بنا کر جلا دیئے گئے۔ تو تب' آخر خلیل خان نے فاختہ مار ہی لی۔ میرا تو خیال تھا کہ آپ اللذی ہیں نہ الذی ہیں مگر آپ تو بڑے شیر جنگ اور اسفندیار نکلے۔"

"مگر میری بھی ایک شرط ہے۔"

"ارشاد"

"کہیں جلبلا نہ اُٹھیئے گا۔ خیر مُنہ پھوڑ کر کہہ دیتا ہوں۔ جو ہو سو ہو۔ چند ثانیے کو آپ کے گرد ترسا چہرہ کے مجلّا رخسار اور لبِ زیریں کا وسطی ارتفاع میسّر آجائے۔"

گر "اصل وضع پر آپ اب آئے ہیں۔ مگر یہ کہیئے نا کہ آپ کے ہونٹ اور گال چومنا چاہتا ہوں۔ کیوں صاحب یہی مطلب ہے نا آپ کی گول گول باتوں کا۔"

"میں صراحت نہیں چاہتا۔"

"ہیر پھیر کا موقعہ نہیں۔ دو تین ختم کیجیے۔ سفینہ کنارے سے لگائے دیتی ہوں۔ صاف صاف کہیئے۔ کہ آپ کے نچلے ہونٹ کا منجھلا حصّہ اور گال چومنا چاہتا ہوں۔"

"جی"

"یعنی آپ میرے ہونٹ اور گال چومنا چاہتے ہیں۔"

"یہ تمنّا تو میرے دل میں کب سے ہے۔"

"اس کے منصوبے کب سے بنا رہے تھے؟"

"اُس وقت سے کہ جب چوپہانکے پہاڑ کی چٹان تلے بیٹھے ہوئے اچانک بادل کڑکا تھا۔ اور آپ کے گھٹنے نام چار کو میرے گھٹنوں سے آبھڑے تھے۔ میرے دل میں اُس کی مسکوٹ سی ہو رہی تھی۔"

"بھسکڑا مار کر بیٹھ جاؤ اور دامن چوڑا و دیکھو میں کیا دیتی ہوں۔ میں تیار ہوں۔"

مگر شائی لاک ایک پونڈ گوشت بغیر خون کے نہ لے سکا۔ آپ میرے لب زیریں کا وسطی ارتفاع کنوٹھوں اور لب بالا سے ملاپ حاصل کئے بغیر کیسے چومیں گے۔ خیر میں آپ کو زچ کرنا نہیں چاہتی۔ مجھے آپ کی خاطر منظور ہے۔ اس لئے آپ میرے کل ہونٹ اور گال اتنے چومئے اتنے چومئے کہ رنگ فق ہو جائے۔ اور یہ ڈھیری سے اُترے ہوئے چھیچھڑے بن جائیں بخدا میں راضی ہوں۔"

"آپ راضی ہیں!"

"بخدا میں راضی ہوں! آئیے میرے پاس آجائیے۔ اور لیجئے میرے پیار خوب دل کھول کر"

"لپٹ کر اور بھینچ کر"

"یہ بھی منظور"

"ساتھ کے ساتھ آپ کو عالم بھی دکھانا ہو گا۔ یعنی مارے باندھے کی کارروائی نہ ہو"

"جی۔ ذوق و شوق جانبین کی طرف سے ہو۔"

"حتی المقدور جذبہ مشترک ہو گا۔ کیونکہ ؎

"وہ کام بھی ہے کوئی کام جس میں جی نہ لگے"

"یہ تو آپ نے بجا فرمایا

؎ تو اور پلائے نہ ہمیں ہاتھ سے ساقی
یہ بات ہے ساقی تو غلط بات ہے ساقی"

"منظور"

اچھا پھیلا لیجئے اپنی باہیں۔ تاکہ میں اِن میں آسکوں۔ . . . . پھیلا لیں آپ نے اپنی باہیں۔ . . . . آب میں ان میں آ رہی ہوں۔ میری باہیں طبلق کی طرح

آپ کی گردن میں ہوں گی۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔آپ خوب لپٹ کر بھینچ کر میرے پیار لیجئے۔ لاتعداد لیجئے۔۔۔۔۔۔ اس ضمن میں قلت روا نہیں۔۔۔۔۔۔ میں طرارے بھرنے لگوں گی۔ یہ کام چاہ کر ہو گا۔۔۔۔۔۔۔۔کوئی کور کسر باقی تو نہیں"

"نہیں مگر۔۔۔۔۔۔۔۔"

"مگر۔۔۔۔۔۔۔۔"

"ایک اور بات مان لیجئے۔"

"فرمائیے جو فرمانا ہو۔ اس وقت میں بخشنے کے موڈ میں ہوں۔ مانگئے جو مانگنا ہو۔ ضرور فرمائیے۔ ضرور فرمائیے۔"

"تو ے یہ نیک کام الٰہی علی الحساب رہے۔"

"آجائیے ذرا کی ذرا کو نہ ہو۔ یعنی جب تک میں چاہوں۔۔۔ حسبِ دل خواہ۔۔۔کوئی احتساب نہ ہو۔"

اگرچہ یہ باتیں گھڑی ساعت کے لئے ہوتی ہیں۔ مگر آپ کی خاطر منظور ہے۔ اس لئے شکریہ ادا کیجئے۔۔۔۔۔ یہ بھی قبول۔ اور آپ تو مانگتے ہی رہیں گے۔ دریا نوش اور زیادہ جُو جو ٹھہرے۔ اس لئے سب کچھ ایک ہی مرتبہ کیوں نہ دے ڈالوں۔

آج میں ہمہ بخشش بنی ہوئی ہوں۔ مانگیئے صاحب جو مانگنا ہو۔ جو دادلی نہ ہو وہ بھی دوں گی تو نہا لیجئے آپ بھی گنگا میں۔ آپ اپنا تلڑا اچھی طرح سے بھر لیجئے اور السحال۔ ابھی اسی وقت میں آپ کو انجل بھر نہ دوں گی بلکہ زطل گراں بھر بھر کے دوں گی۔ آپ پورے چلم چٹ ہیں۔ مشکبو خمیرا بھر کر دوں گی۔ آپ اُسے جب تک چاہیں پئیں اور چھوڑیں۔ آپ پہاڑ سے بے مراد اور تاسف کناں کیوں واپس جائیں۔ میں ٹڑھ تپھر نہیں۔ جو اتنی آشکارہ اور روزِ روشن سینا بینی سے بھی کچھ نہ سمجھوں۔ آپ باؤ ڈنڈی یعنی بے کار نہیں پھر رہے۔ بلکہ بینی بینی اور رُبّان سنگین چڑھائے مجھ میں غنچ سے گہری بھونک دینے کو داؤں لگاتے پھرتے ہیں۔ لائیے آپ کو تیر اکر دکھاؤں۔ خالی چُوما، چاٹی تو چکنا منہ پیٹ خالی کی بات ہے۔ ساتھ کچھ اور بھی ہونا چاہیئے۔ لائیے غنچ وچ کے ساتھ ساتھ آپ کا ہاتھ بھی رواں کر دوں۔ یا دہی لکا جس

نے پایہ کا دل رکھا۔ جو سوغات آپ کے شایانِ شان ہے وہ مجھے پیش کرنی چاہیئے۔ میں آپ کو مالا مال نہال نہال کئے دیتی ہوں۔ اس لئے سُنیئے۔ آپ کو شفقت جاودانی کے بال بال پہ وہی اختیارات حاصل ہیں۔ جو بعد کتخدائی رقیہ مولاداد پر حاصل ہوں گے۔"

"کیا واقعی ایہ ظرافت ہے۔ یا اصلیت!!"

"میں اپنے باپ کی نہیں اگر کہہ کر پھروں۔ کچھ دیر کو میں آپ کی اور آپ میرے جزو لاینفک بن جائیں۔"

"جزو لاینفک"

"جی۔ یعنی لوہا لاٹ ہو جائیں۔ پر اس کے لئے کوئی پردہ دار جگہ درکار ہوگی۔ منہ میں پانی بھر آیا ہوگا طاہر صاحب ۔۔۔۔۔۔ آہا

آیئے دریائے بحر اس کا یہ معاون عبور کر چلیں۔ وہ ڈیپو ہے۔ جو آج تو " رہیئے اب ایسی جگہ چل کہ جہاں کوئی نہ ہو"۔ قسم کا ڈھنڈار ہے۔ مگر جب موٹر نہیں آئے تھے اور گھوڑوں کی ڈاک چلتی تھی۔ خوب آباد تھا۔

توشک تکیئے تو وہاں نہیں ہوں گے۔ البتہ دیودار کی پھیوں سے زمین گدیلے دار ضرور ہوگی۔

حفظ ماتقدم کے طور پر ادھر اُدھر دیکھ کر آپ پہنچتے ہی نٹ کھٹیاں شروع کر دیا۔ میری عاقبت تو ضرور بگڑے گی۔ مگر آپ کو مزا آجائے گا۔ میں لاکھ کڑوے گھونٹ پیوں۔ نانکر یا۔ اور گائے کی طرح کانپوں۔ ذرا رحم نہ فرمانا۔ مگر مجھے ایک بات کا بڑا افسوس رہے گا۔"

"کس بات کا؟"

"میں آپ کے لئے ایک اہم اور ضروری سہولت بہم نہیں پہنچا سکوں گی۔ وہ ضرور موجود ہونی چاہیئے تھی۔"

"آپ کی نوازش اور خیال کا شکریہ۔"

"شکریہ تو آپ نے ادا کر دیا۔ مگر جب آپ کو اُس سہولت کا علم ہی نہیں۔ آتما ٹھنڈی کرنے کے بعد آپ کو وہاں ڈیپو میں بڑی تھکاوٹ ہو جائے گی۔ ارواح بھرنے کے

بعد ایسا ہو ہی جاتا ہے۔ کیا انتظام ہونا چاہیئے؟ کوئی برخواستگی کے بعد گرم حمام میں چلا جاتا ہے۔ کسی کو مفرح غذا کھلا دی جاتی ہے۔ مگر آپ کے لئے مخصوص چیز ہونی چاہیئے۔ بھلا پوچھیئے تو کیا؟"

"آپ ہی فرما دیجیے۔"

"وہ پہاڑ پر نہیں ملتی۔"

"نہیں سمجھا۔"

"یہاں سیل ہے"

"نہیں سمجھا"

"اور اتا پتا دیتی ہوں۔ اُس سے کپڑے خراب ہو جاتے ہیں۔ اب بوجھئے؟"

"نہیں بوجھ سکا۔"

"تو ہار گئے۔ جھک مار گئے۔ مزید اتا پتا دیتی ہوں۔ اگر کوئی خچر۔ ٹٹو۔ گدھا۔ مسافرت طے کر کے آئے۔ تو کیا کرتا ہے۔ اب تو بوجھیئے"

"اب بھی نہیں بوجھ سکتا"

"وہ دُھول میں لِٹ کر غسلِ خاکی کرتا ہے۔ بارہا دیکھا ہوگا۔ اس سے تھکن دُھل جاتی ہے۔ آپ کے واسطے یہ کہاں سے لاؤں"

"وہ جو میں نے پہلی ملاقات میں خاتو دے وغیرہ کے سامنے لیٹنے کا ذکر کیا تھا۔ آپ اُس کا سوگنا بدلہ لے چکیں۔"

"جی جناب ---- کیا آپ بُرا مان گئے؟"

"نہیں"

"نیز آپ کو ایک تکلیف بھی ضرور ہوگی"

"کیا؟"

"جب رات کو "جولسا رادر بار در ہوٹل" میں استراحت کے لئے لیٹئے گا تو آج کی کارکردگی اور تفاخر کے سبب بہت دیر تک سو نہ سکئیے گا اور دل ہی دل میں کہتے رہیئے گا کہ بڑے

موذی کو مارا اور وہ کتنی جلد بول گئی تھی۔ تھوڑی سی ٹنگارنے کے بعد میں نے بھی اس کا دہڑا مانا کہ یاد ہی تو کرے گی۔"

"ایسا نہ کہیئے۔"

"آپ نے تو ایک مرتبہ یہ بھی فرمایا تھا کہ میں ؎

نہ برق میں وہ کرشمہ۔ نہ شعلہ میں وہ ادا

قسم کی چیز ہوں۔

پھر تو دیکھیئے کہ میں آپ سے کیسے عہدہ بر آ ہو سکوں گی۔ آپ مجھے بڑے گراں سیر معلوم ہوتے ہیں۔ بےچاری جادو دانی کو جھاڑ کر ہی تو رکھ دیجئے گا۔ بیل سرکاری اور یاروں کی ٹٹکاری۔ طور بے طور ہو جائیں گے۔ طوائف الملوکی کا دور دورہ ہوگا۔ اوہ داور دادار ڈبیوں میں بھی کیا قیامت مچیگی۔ آپ وہاں کتنے مطلق العنان ہوں گے۔"

مجھے پوری طرح معلوم ہے کہ آپ کے دل میں کاہے کی کھلبلی مچی ہوئی ہے۔ خیالات لوث و کثافت سے بھرے ہوئے ہیں۔ اور حظِ نفسانی کی خواہش ہے کھل کر میدان میں آئیے۔"

"نہیں۔ نہیں۔ میں تو صرف یہی بات چاہتا ہوں۔"

"نہیں۔ نہیں۔ نہیں۔ جب آپ مجھ پر یوں تصدق ہو رہے ہیں۔ تو یہ نگوڑا جسم آپ کے کچھ کام آ گیا تو کیا مضائقہ۔ سکندر پنجاب سے فتح مگدھ کی ہوس دل میں لے کر گیا۔ مگر میں آپ سے کہتی ہوں کہ ؎

دل کی سب حسرتیں نکال لو تم"

"نہیں"

"مگر مقتضائے طبیعت تو آپ کا یہی تھا۔ خالی بوس و کنار سے صبر نہیں آیا کرتا میں آپ کی ارداح بھٹکانا نہیں چاہتی۔

سمجھ لیجئے کہ میں ایک کتاب عطر آلودہ اور زر اوراق ہوں۔ آپ میرے تمام متن کو چبا چبا کر پڑھ ڈالئے۔ آپ کو اُس ناکردنی شئے تک کی بھی اجازت ہوگی جس کا آپ کو لپکا ہے۔"

"نہیں۔ نہیں۔ میں معقولیت کی حد نہیں پھلانگ سکتا"

"یہ آپ کی رجعت پسندی آپ کو مبارک۔ میں بری الذمہ ہوں۔ اس لئے نہیں نہیں تو نہیں سہی۔ پر دیکھتے ہیں وہ بات گھٹے دل سے نہیں کہہ رہی تھی"۔

"نہیں"

"تو باوجود اس کے آپ پہلی طلب پر ہی اکتفا کرتے ہیں۔ وہی ایک چیز صادر ہی"

"جی ہاں۔ مگر مجھے ایک ڈر ہے"

"ٹیکے کا؟"

"کہیں مجھے آپ کا دا تو نہیں دے رہیں؟"

"جی ہاں۔ آپ ہیکل لئے کھڑے ہیں نا جو میں کا دا دے کر گائیں مائیں کر لوں گی۔ لاتخف۔ باہیں پھر سے پھیلا لیجئے"۔ پھیلا لی آپ نے باہیں،

مجھے غٹکنے سے پہلے تھوڑا سا وقفہ۔۔۔۔۔۔

ذرا اساطیرِ اولین سے صرف ایک نظیر السبی پیش کر دیجئے۔ کہ جس میں کسی دل فگار نے اپنے محبوب کی شرط پوری کرنے سے پہلے ایسا مطالبہ کیا ہو۔

یا آپ کو یہ ثابت کرنا ہو گا کہ آپ نئے قانون بنانے کے مجاز ہیں۔ اور اُن کے نفاذ کا آپ کو آئینی حق پہنچتا ہے۔ دو ٹوک جواب دیجئے ہاں۔ یا۔ نا۔

تلے کے دانت تلے اوپر کے اوپر رہ گئے۔ کمرے میں کوُب نکل آیا۔ اور باہیں آپ سے آپ گر پڑیں۔ جواب۔ نا۔ میں ہے۔ میٹھے بادام کھاتے کھاتے یک لخت کڑوا دانہ دانتوں تلے آگیا۔ آپ فسخ عزیمت کر چکے۔ طبیعت ناخوش ہو گئی ہے نا ے

دونوں دین سے گئے پانڈے حلوہ ملا نہ مانڈے

آپ ابھی جست لگایئے۔ بسم اللہ۔۔۔۔۔ کیا خبر خدا آپ کو یہ نیک ارادے پورے کرنے کے لئے زندہ رکھے:

بے شک خدا ہر شے پر قادر ہے

آپ جلبِ منفعت حاصل کرنا چاہتے ہوں گے۔ ٹانچنے پانچھنے اور میٹنے کا ارادہ ہو گا

آپ مجھے ڈھب پر چڑھا رہے ہوں گے ۔ ایسی جھانولیاں کسی اور کو دینا ۔ میں بڑی چلتی رقم ہوں ۔ بانس کا بنسلوچن لے کر اڑنے والی رجھمکڑا دیکھتے ہی غش آ گیا ۔ مور کی دھجا اور جھنکار ہر ایک کو اچھی لگتی ہے مگر اُسے پکڑنے کے لئے مضبوط ٹنگڑیاں چاہئیں ۔ میری بے تکلفانہ طرزِ گفتار سے اپنے یہ محمول کر لیا تھا کہ میں سُبک مشرب ہوں گی اور مجھے خالی جیب بھی سے ہی مرنڈا کر ڈالئے گا ۔ مگر جناب والا میں دا اسطی پورا نہیں اور نہ کھوکھلی نرکل بلکہ سینڈ بانس ہوں ۔ میں ایک اینٹ کی قناتی دیوار بھی نہیں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہوں ۔ دیکھا میں نے آپ کے منہ پر کس آسانی سے جاپ چڑھایا ۔ آپ کیسے چار شلنے چت آتے اور میں نے آپ کو کیسا گھر تک پہنچا کر چھوڑا اسپات ایسا ہوتا ہے ۔ میں ناک کے دار سوئی نہیں بھالا ہوں ۔“ نیزے کی ایسی اَنّی ہو جس میں سے پھلجھڑی کی طرح شرارے نکلیں ؛ ”قطع کلامی نہ کر دجی مجھ سے کھیلنا سانپ سے کھیلنا ہے ۔ زہریلا حملہ بولتے بھی نہ پائے تھے کہ آپ کھیت رہے ۔ میں نے آپ کو سوکھے گھاٹ اتار دیا ۔ سامنے لق و دق شورستان ہے ۔ خوب ڈرنگے سنگتے پھرتے ۔ میرے مُٹھیانے کے لئے شیرِ خدا رضہ کا پنجہ چاہیئے ۔ جب تک پرمی بلیدان نہ دے چھُپن و مُٹن نہیں پچتی ۔

کہتے اب عشق زندہ ہے ۔ یا مر گیا ۔ اچھا ہوا مر گیا ۔ بڑا کاذب تھا ۔ بڑ ہر بابی ایسے کا ہوت ۔ نہ ہوت برابر ۔ یہ عاشقی نہیں تھی ۔ بیوپار تھا ۔ رومانیت ڈھل وُھلا گئی ۔ رومانیت کیا تھی ۔ گھوڑ تھا یاری گٹ ہو گئی ۔

طاہر صاحب ۔ میں اتنی جلدی چت پٹ ہونے والی نہیں ۔ ایسے راؤ چاؤ ادمان گمان لال نیفے والیوں کے لئے مختص کر ڈالیئے ۔ اُنہیں دیکھئے ۔ آپ ایسی دھونس تڑیاں ایسی بے ڈھنی باتیں نہیں کیا کرتے ۔ کوئی لُوٹ بھی تو نہیں پڑ رہی تھی ۔ اور پھر یہ آدابِ عاشقی کے بھی تو منافی تھا ۔

میں تو تمہیں سادہ اور بے طمع سمجھتی تھی ۔ پر نکلے بڑے ننگ اور نہنگ ۔ بڑے گزندرساں اور شکارچی ۔ اُدہو ۔

مجھے اصلاً و مطلقاً آپ سے کوئی بگاڑ نہیں ۔ میں آپ کی بانگی دیکھ چکی ۔ آپ جھاڑ دل میں جھاڑیں کھا رہے ہیں ۔ پھر بھی میرا خیال نہیں چھوڑتے ۔“

"چھوڑوں کیسے؟"

"اچھا پھر وہی۔ میرا تو خیال تھا۔ کہ آپ توبہ مان چکے":

"O LOVE- O TIME- O LIFE"

"اُوہ عشق۔ اُوہ وقت۔ اوہ عمر":

"آپ تو اس طرح بیٹھے ہیں۔ جیسے آنکھوں میں ہوئیں اُڑ رہی تھیں۔ اب ٹھہر گئیں۔ تو چین سا آ گیا۔ میری جان یہ شیوہ عاشقی نہیں۔ مرد پیچھے نہیں ہٹا کرتے۔ میں نے تمہیں انسان جانا تھا۔ مگر نکلے اہرمن۔

کہو جی کیا سوچ رہے ہو؟

آپ بڑے حضرت ہیں۔ اللہ توکلی کوئی کام نہیں کر سکتے۔ چاہ کرنی آسان نہیں۔ جو چاند ماریوں اور اختر شماریوں کا ذکر کرتے تھے وہ کہاں گئے۔ قیس مر گیا۔ فرہاد مر گیا۔ مگر یہ درازی عمر کے خواہاں ہیں۔ ایسا گلیا کلنج مگر ہمہ خواہ اور پکھاں پٹیا۔ عاشق میری نگہ سے نہیں گزرا۔ گھاتیا جی آپ وہی ہیں۔ جو چاہتے ہیں کہ جان تو جوکھوں نہ ہو۔ پر ثابت آم معہ گٹھلی اور چھلکے کے کھا جائیں۔

چبوتروں پر بیٹھ کر حقہ گڑگڑانے سے چاہ کے ارمان پورے نہیں ہوا کرتے۔ ہم تو ایسی محبت کے قائل ہیں۔ کہ ؎

کاگا نین نکالدوں پیا پاس لے جا : پہلے درس دکھائیے کے پاچھے لیجو کھا

وقت بے وقت جہنم کو بھر دینے والے شاعروں کے فرسودہ اشعار سُنا سُنا کر آپ مجھے بھلاوے میں نہیں ڈال سکتے۔ چھنے۔

لیلیٰ کو قیس ملا۔ شیریں کو فرہاد۔ ہیر کو رانجھا۔ سسّی کو پنّوں۔ مجھے یہ ہچکچاؤ۔ اور میری ناسمجھی دیکھیے کہ میں اِن کو شہیدانِ محبّت کا امام تصوّر کرنے چلی تھی۔

یہ آپ کو کس نے تھپکی دی تھی کہ پکا پکایا مل جائے گا۔ انسان کے لئے وہی ہے جو اُس نے کوشش کی۔

آپ کوئی ایسا کام فرمائیے جس کی آپ میں سہار ہو۔ فرمائیے۔ فرمائیے":

"کیا فرماؤں"

"تو سمجھ لیا گیا۔ کہ آپ بالکل بے مقدور ہیں۔ آپ کے بس کی ایک بات ہوگی۔ میرے لئے وہی کر ڈالئے۔ نہایت آسان ہے۔ آپ کو خراش تک نہ آئے گی۔ ایسی۔ کہ جیسے ہرے بوٹ میں سے چنا نکال کر ٹھونگ لیا۔ آپ آمادہ ہوں۔ تو پیش کی جائے"

"جی"

"تو میرے کہنے سے ترک محبت کر ڈالئے گا"

"ذرا آدم گری سے بات کیجئے۔ آپ مجھ سے تکرار کر رہی ہیں"

"تکرار تو نہیں کر رہی۔ آپ کی محبت کا دفیعہ کر رہی ہوں۔ کھنڈ آدھی راتوں میں ہائے ہائے کی ضربیں لگانے سے یہ بہتر ہے"

"خوب چارہ گر ہیں آپ۔ میرا تو آپ نے شیشۂ دل توڑا ہے۔ اس کی شیشہ گری کرنی چاہیئے تھی۔ آپ اُلٹی ایسی گفتگو کر رہی ہیں کہ رکھی جائے۔ نہ اٹھائی جائے"

بجائے عشق کی شرطیں پوری کرنے کے آپ مجھے چپرانا اور چھپنا چاہتے ہوں گے۔ ایسا نہیں ہو سکے گا"

یہ لمبے طعنے سُن کر ایک دفعہ تو میرے جی میں آیا کہ اللہ کا نام لے کر کود پڑوں۔ مگر پھر سوچا کہ جان ہے تو جہان ہے پیارے اور مجھے بیجو یاد آ گئی۔ اگر میں اُس سے جان مانگتا تو وہ ضرور دے دیتی۔

ذرا رُک کر وہ پھر برسی۔

"میں نے تو جانا تھا۔ کہ آپ رونے لگے۔ مگر دیکھوں۔ منہ سوکھا ہوا ہے اور آنکھیں خشک خشک۔ گریا کی طرح بیٹھے ہو عشق کا طوطا ٹیں ہو گیا۔ وہ پڑی ہے۔ آپ کی محبت وحبت۔ دلِ آتش زدہ پہ برف کا ردان تو وہ د ، گر پڑا۔

جو جی جان سے فدا ہوتے ہیں۔ اُن کی صورتیں ایسی نہیں ہوتیں۔

میری کیا تواتی آئی تھی۔ جو میں رقیہ کے پُن کر کے چھوڑے ہوئے بجا رکے گلے میں جوڑا ڈالتی۔ اسے وہی نا تھے تو نا تھے۔ جو کسی کے دل میں طفولیت سے سمایا ہوا ہو۔ اُسے دل

سے نکلنا ناممکن۔ وہ پاری۔ پاری چھوٹی سی میری جان رقیہ مجھے تو کیا کہتی۔ مگر وہ ٹپس میاتی کہ آسمان کے تارے ٹوٹ، گر کر اس کرۂ ارض کو معمور کر دیتے کہ جیسے پہاڑی دریا کے فرش میں پتھر پڑے ہوئے ہوں۔

مجھ پر بڑا غصہ آ رہا ہوگا۔ یوں دل ہلکا کر لیجئے کہ ؎

دے وہ جس قدر ذلت ہم ہنسی میں ٹالیں گے

پر آپ کی خوب کھینچل ہو چکی۔ جو عشق کی ریل گاڑی میں بلا پاس یا ٹکٹ سفر کرتے ہیں۔ ان کی ایسی ہی درگت بنا کرتی ہے۔ خالی خرلیطی پوری فضیحتی۔ گانٹھ میں پیسہ نہیں اور بانکے پور کی سیر۔

تا دل کیجئے تاول۔ جھنڈی ہو چکی۔ گارڈ سیٹی مار رہا ہے۔ گاڑی نکل جائے گی آپ یہیں کھڑے رہ جائیے گا۔ بھاگئے بگ ٹٹ بھاگئے۔ نوک دُم بھاگیے۔ یہ مفت خوروں کے لئے پاس بٹ رہے ہیں۔ آپ بھی بنوا لائیے گا۔

اچھا آئیے اب ہلکی پھلکی باتیں کریں۔

"آپ غالبؔ کو زیادہ نہ پڑھا کریں"

"اور کسے پڑھا کروں"

"مجروحؔ کو"

"کیوں جرأت۔ رندؔ۔ اور رنگینؔ کو نہ پڑھوں"

"دردؔ۔ یاسؔ حسرتؔ اور حزیںؔ کو پڑھا کریں"

"تم مجھے کب سے دعوتِ سمرقندی دے رہی تھیں۔ یہ ٹھیک نہیں۔ خالی پھیکی ظاہری صلاح سے تسلی نہیں ہوا کرتی۔ بلکہ اشتہا اور بڑھ جاتی ہے۔

"دوڑیو۔ دوڑیو۔ پرمی جی کا جی چلا"

تمہیں خدا سمجھے اتنی مداہنت۔ پھر مزخرافات سے سر دُھننا شروع کر دیا۔

میرا تو خیال تھا کہ پڑھ رہے ہوں گے: ؎

بارے اب اے ہوا ہوسِ بال و پر گئی

ایسے ماؤف الدماغ اور بدمست بھی کم دیکھے ہیں۔ مزید مغز خوری نہیں کرانا چاہتی اتنی قیل وقال اور طنز و تعریض کے بعد بھی کچھ سمجھ میں نہیں آیا۔ محمود سے مذموم کی طرف دوڑ کر جاتے ہیں۔

کیا میں آپ سے اجابت پر دال ڈنکا کے پیٹ پالتی رہی ہوں۔ جو آج کھال اُکھیڑنی شروع کر دی۔"

میں جواباً یہ مصرعہ پڑھ کر خاموش ہو گیا ؎

میری تعمیر میں مضمر ہے اک صورت خرابی کی

اُس نے لئیم النفسی کی ایک ادا کے ساتھ ماہِ رخسار میرے مقابل لاتے ہوئے کہا:

"کیا لذات شہوانی سے لبالب ہونے کی خواہش اب بھی موجود ہے؟

اگر ہے تو سُن رکھیے کہ فصیلِ قلعہ پر چلاّتا ہوا ڈھیٹ کوّا، اگر اشاروں اور ڈانٹ سے نہ اُڑا، تو خندق میں مار گرایا جائے گا۔ کالنسی میں تیرتے ہوئے مگر پر شکاری چھپا دیئے جائیں گے اور جو ڈھکی مار کر بیٹھے گا اس کی کھوپڑی کلہ مینار میں ہو گی۔ آپ مجھے صعوبت میں ڈالنا چاہتے ہوں گے۔ ایسا نہیں ہو سکے گا۔ میں ناکے میں سے نکلنے والی نہیں۔"

پھر وہ پوچھنے لگی:

"آپ کو گنواری بولی پسند ہے؟"

"اگر آپ بولیں،،

"پار سال لکھ پیڑ میں ساون کے سوانگ ہو رہے تھے۔ دُور دُور سے گنوردل آیا ہوا تھا۔ آلھا اودھل پڑھی جا رہی تھی۔"

"اِس سے تو نحوست پھیلتی ہے۔"

تو آپ یہ کتاب سُن چکے ہیں۔ اس کا ایک بول میں بھی سنا دوں:

؎ "بھگ جا بھگ جا میرے آگے سے ورنہ دونگا سیس اڑائے۔"

میں نے از حد آزردہ لہجہ میں پڑھا ؎

؎ از آب ہم مضائقہ کردند کوفیاں
کردند خوب حرمتِ مہمانِ کربلا

وہ کلس کر بولی:

"اب مرثیہ کی سوجھی"

"اور کیا کروں؟"

"جس طرح شیعہ ذوالجناح کے جلوس میں یا حسنؓ۔ یا حسینؓ۔ کے ماتمی نعرے لگاتے ہوئے جایا کرتے ہیں۔ اسی طرح آپ میرے سامنے سے شفقتی، شفقتی کہہ کر سینہ کوبی کرتے ہوئے گزر جائیں۔

اگر جوشِ جنون بہت ہی بڑھا ہوا ہو۔ تو تیز دو دھارے پھل لٹکتی ہوئی زنجیریں بھی منگا دی جائیں گی۔ جنہیں آپ اپنے دائیں۔ بائیں۔ آگے پیچھے مارتے رہنا۔ مگر آپ سے یہ بھی نہ ہو سکے گا۔ ابھی یہیں آسن پاٹی لے کر پڑ رہیئے۔

آپ کو یہ پڑھنا چاہیئے۔

"مجو وصال بہ یک خندہ دادِ الفت دہ
کہ آب اہلِ سخا را شراب می گویند"

"تو ہنس شفقتی۔ تجھے تیری چاند سی صورت کی قسم ہنس"

وہ مسکرا دی۔ نہرِ عسل دلین جوشِ طوفان سے ذرا کو چھلک کر بھر کناروں میں ہو رہی سڑک پر یوپی کے مشرقی اضلاع کا کوئی خچربان گاتا جا رہا تھا۔

میں نے اسرار کیا:

"ایک مرتبہ اور"

اُس نے پوچھا:

"کیا؟"

میں نے جواب دیا:

"ذرا ایک مرتبہ پھر خوب کھُل کر مُسکرا دو"

اُس نے اس طرح کہ جیسے مجھے چڑا رہی ہو۔ گنگنایا ؎

"یہ طور کا جلوہ ہے ہر بار نہیں ہوتا"

"کیا کہا آپ نے؟"

؎ "ہوس کو ہے نشاطِ کار کیا کیا"

"یہ تو آپ نے نہیں کہا۔ آپ تو کچھ اور فرما رہی تھیں"

"جو کچھ میں نے کہا۔ وہ آپ کو معلوم ہے۔ تو اُسے پھر اگلوانے سے مطلب۔

"اچھا میں نے تو یہ کہا تھا کہ بہت مٹھار اگر نہ مانی"۔

"نہ ہنسو تو ایک مرتبہ چند ے گرم لگا ہی کے ساتھ نظریں ہی ٹپٹپا دو۔ دل کش ترغیبات میں محو ہو کر کونت وقت بھول جاؤں گا"۔

"نئیں۔ نئیں۔ نئیں۔ ہمن ایسا بھی نئیں کر سکتے۔ تمن سین ہمن کی بھٹن گئی ہے"۔

"ایک التجا ہے۔ کچھ اُردوئے قدیم کے اشعار"

یہ میں نے اس لئے کہا کہ وہ پُرانی اُردو کی دلدادہ معلوم ہوتی تھی۔ اور میرا خیال صحیح نکلا۔ وہ تان اور تال کے ساتھ ہولے ہولے گانے لگی۔ وہ ناچ نہیں رہی تھی مگر ایسا لگتا تھا کہ ناچ رہی ہے اور گویا دریائے بجر اس میں لہریں ناچ رہی ہیں۔ اور کوہساروں کے سرد قد دیودار ناچ رہے ہیں۔ اور سات سمندروں میں آبی پریاں ناچ رہی ہیں اور پیر فلک بھی ناچ رہا ہے ؎

تجھ مکھ کی جھلک دیکھ گئی جوت چندر سوں : تجھ مکھ پہ عرق دیکھ گئی آب گہر سوں

انکھیاں ہوں ہوا پیو جدا جب ستی میرا : جانے میں میرے اشک گیا پیو جدھر سوں

اک پل نہیں آرام میرے دل کو ترے باج

اے نورِ نظر دور نہ ہو میری نظر سوں

ہم سڑک سے بیٹھ پھیرے ہوئے کھڈ کے کنارے دالان میں بیٹھے ہوئے تھے نیچے دریائے بجر اس کا معاون جھاگ اٹھا رہا تھا۔ پاس ہی کاٹھ گودام (لکڑی کا ذخیرہ) تھا۔ جہاں سے سلیپر منڈیوں کے لئے بہائے جا رہے تھے۔ سامنے پہاڑی پر جہازی بادل

بکھرے ہوئے تھے۔ دریا پار پنڈاروں کا منڈپ تھا جس کے تمام حصے عمر کی وجہ سے چوٹیاں جھکائے ہوئے دیوداروں میں چھپے ہوئے تھے۔ مگر گنبد اس طرح اُبھرا ہوا تھا کہ جیسے ٹبے پر سفید پھول کھلا ہو۔ ودسنگے ٹبہ پر رصدگاہ کی لال عمارتوں میں چٹکیلی دھوپ پھیلی ہوئی تھی۔ دمنوں میں گوری گینٹیاں چر رہی تھیں۔ نواحی گاؤں میں بیاہ ہو رہا تھا خنجریاں بج رہی تھیں۔ ناچ ہو رہا تھا اور نوجوان پہاڑنیں ٹھرّا پی۔ پی کر منگلا چار کے گیت گا رہی تھیں۔ محفوظ سرکاری جنگل میں کالے تیتر بول رہے تھے۔

کچھ دیر خاموش رہ کر شفقت نے بے موقع اور بے تعلق سوال کیا:

"آپ کو تسخیر ہو رہی ہے یا تشنج"

میں نے غصّہ اور جھوجھل میں زور سے جواب دیا:

"تشنج"

یہ سخت آواز سنتے ہی اُوپر بیٹھی ہوئی لمڈور پہاڑی دھینیر ین پھڑپھڑا کر اُڑ گئیں۔ وہ سمجھیں کہ میں انہیں ڈانٹ رہا تھا۔ اور شفقت سکسپیر کے یہ مہمل الفاظ:

A HEY- A HO- A HEY NO NI NO

HEY DING- A DING - DING

اھے ۔ اھو ۔ اھے نو نی نو

ہے ڈِنگ ۔ اے ڈِنگ ۔ ڈِنگ

بولتی ہوئی۔ اور ہاتھ پھینکتی ہوئی۔ بلا علیک سلیک ہریا لچھیری کی طرح اُٹھ کر چل دی۔

اُس حسن برہم کے چلنے کے بعد میری آنکھوں کے سامنے تِرمِرے دوڑنے لگے۔ میں ایسا منہدم بیٹھا رہ گیا۔ کہ جیسے بمباد توشہر کی تہس نہس مچا کر چلا گیا۔ اور ہوا ماد توپ تھوتھنا اللے منہ لپاڑے دھری رہی۔

پھر میں خود ہی دل بُرا کرنے لگا۔

دیودار ہوا میں لمبی لمبی اُداس اُداس سانسیں بھر رہے تھے۔

سڑک پر جا کر وہ ڈانڈی میں نہیں بیٹھی، جسے ساتھ لائی تھی۔ بلکہ رکشا کر لیا۔ اور رکشا اُسے یوں اُڑائے لئے جا رہا تھا۔ کہ جیسے کوئی روسی شہزادی برف زاروں میں سلیج پر سفر کر رہی ہو۔ اُدھر بھوکے بھیڑیئے اُس کا تعاقب کر رہے تھے۔

باب ۲

الفاظ — معنی

کنوٹھا ۔ کونہ ۔ گوشہ

جلبلانا ۔ غصّہ میں

آخر خلیل خاں نے فاختہ ماری ہی لی = ادنیٰ کام

لاتعد ۔ اَن گنت

دادنی ۔ دینے کے قابل

چٹھاڑنا ۔ ٹکڑے ٹکڑے کرنا

انھلانا پچھلانا ۔ الٹا سیدھا کرنا

واجب الطلب = جس کا مانگنا ضروری ہو

دھرتی باہنا ۔ (گنوار) ہل چلانا

نُومنا ۔ روئی کو تومتے ہیں (دُھننا)

کاوا دینا دھوکہ ۔ فریب

ٹنگارہ = کچھ کچھ کھانا چنے ٹنگارے جاتے ہیں

دوتین ۔ مکاری

کنمنانا ۔ عذر کرنا

ہیکل ۔ روپیوں کا ہار

پیلے ۔ (قدیم دکھنی اُردو) پہلے

مُرنڈا کر ڈالنا ۔ یعنی توڑ مروڑ کر

اسپات ۔ سخت لوہا

گھاتیا = خود غرض

کلُنجہ = وہ کمزور گھوڑا جس کے پاؤں چلتے ہوتے ایک دوسرے سے لگ کر زخمی ہوتے ہوں

الفاظ — معنی

پکھال پٹیا = بڑپٹیو

گریار = وہ بیل جو کام کرتا کرتا بیٹھ جائے

پٹیس = ماتم ۔ کہرام

ناتھنا = ناک میں نکیل ڈالنا

تاول = (گنوار) جلدی

ڈھکی مارنا = شکار مارنے کو چھُپ کر بیٹھنا

کلّہ مینار = ڈاکوؤں وغیرہ کی کھوپڑیوں کا مینار

کانسی میں تیرنا = دھوکے میں آنا

تمن = (اُردوئے قدیم) تم

سیں = (") سے

نئیں = (") نہیں

ہمیں = (") ہم

مٹھارنا = پھُسلانا

نظریں ٹٹپانا = چھُپ کر ملنا

لوہلاٹ ہوجانا = پیوست ہوجانا

سوکھے گھاٹ اتارنا = محروم رکھنا

گران سیر = دیر میں چھکنے والا

جاپ = مویشی کے منہ کا چھینکا

نامکڑ = (عوام) انکار

ٹلّر بھرنا = (گنوار) پیٹ بھرنا

مگر = مگرمچھ

الفاظ	معنی
نئیں۔ (اردوئے قدیم)	نہیں

لگ بمعنی تک

کریل = کریر کا جھاڑی دار پیڑ جس میں ڈیلے لگتے ہیں اور اس کا اچار ڈالا جاتا ہے۔ اس کا پھل پک کر گلگوں اور از حد خوش رنگ ہوتا ہے۔

فصدیں کھلوانا = جنون کا علاج کرنا

چکچکی = چپٹی لکڑی کی جوڑی جسے جوگی الگ الگ ہاتھ میں لے کر بجاتے ہیں۔

ڈورو = فقیری باجا

گال۔ = (گنوار) گالی

ہمن = (پرانی اردو) ہم

اُگاہنا = پٹانا

بنیٹی = وہ لکڑی جس کے دونوں سروں پہ آگ باندھ کر گھماتے ہیں

گوڈ کر رکھ دینا (قدیم دکھنی اردو) ہل چلانا۔ خراب کرنا

کوڈ = کھو

چوکھا = بمعنی۔ اچھا۔ خوب۔ بلے کا ترجمہ

ٹھکرانہ = جھٹلانا

خالہ کی خلیچی = خالہ جائی (تحقیر)

کرکسا ناری = لڑاکا عورت

کھواری = خواری

الفاظ	معنی

پدھان = گنوارو زبان میں سردار چودھری یا مقدم کو کہتے ہیں۔

کد = کتنی بار میں یعنی کب کتنی دیر میں

سوں = بمعنی قسم

انہن = اُن کی

ڈھوے گانا = بیکار بیٹھنا

کانڈا = بمعنی بارش

داؤ دینا = دھوکہ دینا

لہریا = دھاری دار

تاول = دیہاتی زبان میں عجلت کو کہتے ہیں۔

ہوئے گا (اردو قدیم) ہوگا

ہور (") اور

گھانی میں پلانا (") کولھو میں پلوانا

تروار (") تلوار

سیتی (") کے ساتھ

اندھاری (") اندھیری

الارسی مزاج = بے توجہ

کاڑھا = جوشاندہ

گڈ = گاڑی کا مخفف

نال = بانس کی کھوکھلی نلی جو ایک طرف سے بند ہوتی ہے۔ اُسے مویشیوں کو پلاتے ہیں۔

الفاظ معنی

کھیتلی جوتی : بھدی جوتی

بورانی : بینگن اور دہی کا کھانا

پاتی : بمعنی خط

لک کر (دکھنی اردو قدیم) لکھ کر

کتیں (" ") کہیں

جیرے بمعنی جی

تھارا (گنوار) تمہارا

چمکارنا : دور سے پیار کرنا

کچ دلی : بزدلی

الفاظ معنی

چھچھل بازی : ظرافت

جگنا (گنوار) جاگنا

تپوبن : ہردوار کے قریب ایک جنگل ہے جہاں سادھو لوگ تپسیا کرتے رہتے ہیں۔

ارس : بے مزا

محبت بے آلائش (PLOTONIC LOW) پاک محبت

باگا : (ہندو) خلعت شادی

باب ۳

شفقت کے اہانت آمیز کلموں کی تلخی مجھے رات بھر کھٹکتی رہی۔ اُس نے مجھے کیا کچھ نہ کہا تھا۔ ماؤف الدماغ، مغز خور، کھال اکھیڑ، بُن کر کے چھوڑا ہوا بجار۔

اگلے دن صبح ہی جبار پہنچ گئے اور کہنے لگے:

"میں نے یہی مناسب جانا کہ آپ سے بالمشافہ باتیں ہو جائیں۔ وہاں بہت نقصان ہو رہا ہے۔ اب توقف نہ چاہیئے۔ میں آپ سے سفر خرچ نہیں لوں گا۔"

"کیوں"؟

"اس لئے کہ مجھے اوائل گرمی سے جاودانی صاحب بلا رہے تھے کہ دو چار یوم کے لئے یہاں ہو جاؤ۔"

"جاودانی صاحب"!

"جی میرے خالو۔ اور مستقبل قریب میں اُن سے دوہرا رشتہ قائم ہو جائے گا۔"

"دوہرا رشتہ"!

"جی شفقت کو میری خالہ مرتے مرتے میرے لئے تفویض کر گئی تھیں۔"

میں نے جبار کے پتے جلد کاٹ دیئے۔ اُسے اگلے دن ہی چلتا کر دیا گیا۔ اب اُس کی امانت میں خیانت ہونے والی تھی۔ اُس کے مالک کا دل پورا بے ایمان ہو گیا تھا۔ میں نے شفقت کا تیا پانچا کرنے کی ٹھان لی تھی۔ اور اُس کے غنچۂ ناشگفتہ کے ساتھ کُھل کھیلنا چاہتا تھا۔

آشا کا دیپک خشکی کے مارے بجھنے کو ٹمٹما رہا تھا کہ اس میں تیل ڈال کر پھر ابھار دی گئی۔ بیٹہ اور جھڑ فالیز کو اجاڑ رہا تھا کہ کڑی دھوپ پڑنے لگی اور خربوزے۔ تربوز۔ آوادان ہوگئے۔ اُس نے مجھے گزندرساں کہا تھا۔ تو میں نے اُس کے گزندرسانی کی ٹھان لی تھی۔ میرے حوصلے اس معلومات نے بڑھا دیئے تھے کہ وہ میرے ملازم کی منسوبہ ہے اور سہل الحصول نرم نوالہ۔ میں اُسے حلوۂ بے دود ھ سمجھنے لگا۔ اور یہ خیال کرنے کی کہ اُس کا انٹی پر چڑھانا کیا مشکل۔ اب میں ضرور رخنہ اندازیاں کروں گا۔ اور دیکھوں گا کہ وہ کتنے روز چہرہ بند رہ سکتی ہے۔ اُس کی عصمت میری اُنگلی کے اشارے سے شق ہو جائے گی۔ ذرا تخلیہ ہوتے ہی میں جھٹ گستاخی کی حدوں سے تجاوز کرکے اُسے چھیڑ چھیڑ کر ڈالوں گا۔ بس ملا اور بہرہ یاب ہوا۔ گو وہ پاس نہیں تھی۔ مگر دل پھر بھی بھر بھرا رہا تھا۔ پاس رہ کر دور دور رہنے والی اب دُور دُور نہ رہ سکے گی۔

مجھے یوں لگ رہا تھا کہ جیسے ایک ستارہ جو میری چشم تمنا کو عمقِ آسمان میں چمک کر ترسا رہا ہو۔ جُھک کر سوا نیزے پر آگیا۔ اور میں اُسے اچھل کر دبوچ لوں گا۔

کل وہ اتنا پاٹ دار دریا تھی کہ دوسرا کنارہ نظر نہیں آتا تھا اور آج ایسی آبپاشی کی نہر کہ جسے ایک سانس میں دو ہاتھ مار کر عبور کیا جا سکے۔ وہ میری کسی بات میں دم نہ مار سکے گی۔ وہ دُودکن ہے سے کیری چھُپے گی کب تلک پتوں کی اوٹ میں۔

میں اُسے بے آبرو کرکے بانس پر چڑھانا چاہتا تھا۔ کہ پتوں سے پوچھتی پھرے کہ میری پت کہاں گئی۔ پہلے موقعوں پر میں مروّت برت گیا۔ اب دُور رعایت کے دروازے بند ہو چکے۔ جب اس کا کھلیان ہو چکے گا۔ تو کہے گی۔ چڑیاں چگ گئیں کھیت۔ جبّارہ کو صرف میرا اُلش ملے گا۔ داب کی سفید سفید روے دار کھانڈ میرے لئے اور اُس کے لئے سیاہ شیرہ۔ مکھن میرا۔ سپرٹا اس کا۔ لوٹوں کے دودھیا چنے میرے چھلکا اس کا۔ گندم میری بھوسا اُس کا۔ میں اگیتا وہ پچھیتا۔ چند یوم کی بادشاہت میری اور ہمیشہ کا راج اس کا بوہنی میری بعد کا سب مال اُس کا۔

براُدہ میری دل وجان شفقتی!

تو ایسی بھی ہے کہ جان جائے پر آن نہ جائے۔ خیر پانی پت کے میدان میں آنے دو۔ دیکھا جائے گا۔ شیطان کی دوہائی بھی پکارے گی تو نہ بخشوں گا۔ پانی دور ہوگا۔ ڈول رسی غائب اور تیز لُو میں چھپر جل جائیں گے۔

اور جبّار میاں بھی مجھ سے کیوں خفا ہوں۔ اگر جوتی موکل کر دی گئی۔ تو پیر کو آرام ہی تو ملے گا۔ زیادہ ڈھیلی ہو گئی۔ تو تسمے کسے جا سکتے ہیں۔ اور پھر آج کل کے انگریزی ساخت کے جوتے بھی ایسے ہیں کہ چاہو جتنا برتو پالش کے دو چار گھسے لگائے تو پھر نئے نئے بلکہ اس دن سے بھی بہتر۔

تختی پر لکھا گیا۔ تو ملتانی سے پوت کر پھر لکھنے قابل ہو جائے گی۔ سلیٹ اسفنج سے صاف ہو جاتی ہے۔

اور جبّار تو ویسے بھی سیدھے سادھے ہیں۔ اُنہیں کہاں اتنی چھان بین کی پڑی ہے۔ انہیں تو کرکری روٹی ہی مل جائے (جب کہ کرکراپن نامعلوم سا ہو) تو مزا آجائے گا۔

مجھے پلنگ کسوا کر بستر تکیے لگوا لینے چاہئیں۔ کیونکہ پری آیا چاہتی ہے اور اس کا نام شفقت ہے۔ ظالم شفقت۔ پر اب ظالم نہیں۔

شفقت جان لوٹنے کی چلنے ہے۔ کہ کل تم کیا تھیں اور آج کیا ہو جلتا سورج چاند بنے گا۔ انگارے برف کی ڈلیاں اور ہمکولیاں، بے دلنے۔

چلو یہ بھی اچھا ہوا۔ جو میں زندہ ہوں۔ کل کھڈ میں گر پڑتا۔ تو رقیہ تو خبگول چڑھ جاتی اور بیجو کو پتہ چل جاتا تو ہرگز نہ بچتی۔

بیجا پوری بیجو! جو مجھے اتنا چاہتی تھی جتنا میں شفقت کو چاہتا ہوں۔ نہیں۔ اس سے بہت زیادہ جودھا بائی کو جہانگیر سے اتنی محبت نہ ہوگی۔

میرا ارادہ اب شفقت سے کتخدائی کا ہرگز نہیں تھا بلکہ صرف لطف اندوزی کی تمنا۔ اتنی دفعہ کہ بخوبی دیکھے بھالے ہوئے لب و رخسار تو کم یاد آ رہے تھے لیکن اَن دیکھی پنڈلیاں، سجل کولھے، نرم پیڑو، ملائم شکم، آئینہ سینہ، سخت سخت مخروطی نوکیلی کچیں عُقدۂ ناف اور بھری بھری رانیں بہت زیادہ۔

ہوٹل سے پچھم کی طرف پُرانا جنگل ہے۔ جہاں سڑک سے ہٹ کر آرا مشینیں لگی ہوئی ہیں اور عمارتی لٹھے وغیرہ چیرے جاتے ہیں۔ یہیں دریائے لجراس کا نی اونچے بہتا ہوا چٹانوں سے ٹکرم ٹکرا ہو رہا ہے۔ اس جگہ اتنا شور ہو گا کہ اگر ایک ہزار آدمی بھی بیک وقت مل کر چلّائیں۔ تو کوئی نہ سُنے۔ ہر طرف بیلدار جنگلی گلاب اور دوسری پھولدار بیلیں درختوں پر چڑھی ہوئی ہیں۔ یہ بڑا ٹھنڈا اور سُہانا مقام ہے۔

میں شفقت کو یہاں لے جا کر اپنے شوق پورے کرنا چاہتا تھا۔ کہ اگر گھمسان کا تصادم بھی ہو۔ اور وہ بھاگنا چاہے۔ تو نہ بھاگ سکے۔ روئے پیٹے فضول۔ لاقتال و لاجدال پکارے تو بے سود۔

میں اُس کے ہاتھی دانت جیسے چٹے چکنے جسم کو بھنبھوڑنا اور کھنڈلنا چاہتا تھا۔ اس وقت مجھے وہ جنوبی ہند کا نقشِ تمدّنی سلطنت وجیانگر کی حسین یادگار خوشبودار جسم والی بیجاپوری بیجو یاد آنے لگی۔ اُس کی یاد کے ساتھ ساتھ کچھ اور بھی یاد آیا کرتا ہے۔ ترچنا پلی کے چمپئی بُو والے کیلے۔ بھٹی پر بھنتی ہوئی کوکو کی خوشبو۔ دکھن کے تالاب۔ مغربی گھاٹ کے جنگلات سے پٹے پہاڑوں پر بے پناہ مون سون کی موسلا دھار بارشیں۔ تیز ہوائیں۔ لچکتے ہوئے ناریل سپاری کے پیڑ۔ مدورا اور وجیانگر کے مندر۔ شیواجی مرہٹہ۔ لونگ۔ چھوٹی بڑی الائچی۔ اور کالی مرچ کے کھیت۔ بنگلور۔ ٹرونڈم اور سرنگا پٹم۔

مگر آج بیجو کی مستی و مدہوشی زیادہ یاد آ رہی تھی۔ شفقت کا تو بیجو کی طرح بننا ناممکن تھا۔ مگر میں ضرور بیجو کی طرح بن جاتا۔

باب ۴

بیجو کا قصہ جسے میں اپنی زندگی کا فرحت ناک ترین باب خیال کرتا ہوں، شروع تا آخیر یوں ہے کہ اُس حُسنِ سرگیں کو میں نے پہلی بار ادٹی کلب کے مسقّف تالاب سے نکلتا ہوا دیکھا۔ وہ حیدرآبادی نواب زادیوں کے ساتھ تیر کر آرہی تھی۔ اُس کی ناک میں چھوٹا سا طلائی پھلّہ تھا جس میں دو زمرّد چمک رہے تھے اور کانوں میں گجیاں جن میں دونوں طرف دو دو چھوٹے چھوٹے تیز لال اور بیچ میں ایک ایک گہرا آسمانی موتی پڑا ہوا تھا۔ ہاتھ مہندی میں رچے ہوئے تھے۔ اور ایک کلائی میں سروئی سُمرنی۔ اُس کے دلکش ہندوانی چہرے پر مومن معصوم ہونٹ۔ لاجواب سفیدی میں بڑی بڑی سیاہ پتلیوں والی چمکتی مٹکتی نور لابصار آفتابی آنکھیں اور از حد خوبصورت دانت نمایاں تھے۔ اس کی کافرانہ اداؤں کو دیکھ کر ہر مسلمان وحدہٗ لاشریک پڑھنے لگتا۔ وہ منہ میں کچھ چبا رہی تھی۔ اُس کے گودے دار رخسار ہلکے ہلکے پھڑک رہے تھے۔ در و دیوار، سڑکوں اور راہ گیروں پر سکتہ کا عالم طاری تھا۔ یہ سب ٹھنڈی سانسیں بھرتے ہوئے گویا کہہ رہے تھے۔

"یہ بیجا پوری نہیں۔ جادو ہے جادو۔ اس سے دل بچاؤ۔ یہ راجکماری شہنشاہانِ وجیا نگر کی نسل سے ہے۔ اگر بنگالی اُسے دیکھتے۔ تو کہتے۔ کہ یہ تو رس گلّا ہے۔"

بیجا پوری کے ساتھ میرے بے محابا کھُل جانے کا سبب اس کی تاریخ خوانی ہوئی میں نے اُس سے پوچھا:

"آپ ایسی ٹھنڈک میں کیوں تیرتی ہیں؟"

اس لئے کہ وجیانگر کے وہ بہت سے زینہ دار اور پختہ فرش تالاب میسّر نہیں۔ جو ہمیشہ ستھرے پانی سے بھرے رہتے تھے۔ ان تالابوں میں روزانہ شہر کے مُتموّل گھرانوں کی بہو بیٹیاں۔ پاتر۔ اور دیوداسیاں آکر برہنہ تیرتیں اور چھینٹوں کھیلتیں تو سلطنت کا رائے بھی وہاں سیر کے لئے پہنچ جاتا۔ اور جو ہاتھ پیر کی اچھی اور چلبلی دکھائی دیتی۔ اسے پسند کر کے شب باشی کے لئے رن واس میں بُلا لیا جاتا"۔

"(تجاہل عارفانہ کے ساتھ) رن واس میں کس لئے"؟

"دلوہی پُوجن کے لئے..... ہندو ہمہ اوست کے قائل ہیں۔ اور پرجا تپی آج اِسے کل اُسے بلا کر اس نظریہ کا عملی مظاہرہ کرتے"۔

اِس کے تیسرے یوم یہ گلگو تھا سی لڑکی اور میں پہاڑ کے ایک ایسے خطرناک اور تنگ کٹاؤ پر کھڑے ہوئے تھے۔ کہ جس میں دو کے سوا تیسرا بمشکل آسکتا۔ نیچے اتنا عمودی گہراؤ تھا کہ قطب کی لاٹ لا کر رکھدی جائے تو اُس کا سرا ہمارے پاؤں تلے کہیں بہت دور ہوتا۔ پاس ہی کہیں تیہو بول رہے تھے۔

بیجاپوری (بیجو) یہاں کھڑی ہوئی۔ بڑے تہوّر کے ساتھ جنگ تالیکوٹہ کے اقتباسات سنا رہی تھی۔ جس میں وجیانگر کی ہندو سلطنت کو بھمنی سلطانوں نے ہمیشہ کے لئے نیست و نابُود کر دیا تھا۔ اس کا کہنا تھا۔ کہ مہاراج رام راج اُس وقت نربدا سے راس کماری تک سب سے زیادہ قوی حاکم تھا۔ اور جب وہ اپنا شاہی نشان جس پر جنگلی سُور کی مُورت تھی اڑاتا ہوا تالیکوٹہ کی طرف بڑھا۔ تو اُس کے جھنڈے تلے لاکھوں سوار اور پیادے تھے۔ وجیانگر کی ہار کا باعث دو غدّار مسلم جنرل ہوئے۔ جو عین معرکۂ کارزار میں اپنے ہم مذہبوں سے جا ملے۔ اُن میں سے ایک کا نام عین الملک بتایا گیا ہے۔ جسے رام راج کا بھائی پکارا کرتے تھے۔ پھر مہاراج رام راج "گرو ڈا۔ گرو ڈا" کے جنگی نعرے لگاتا ہوا۔ طلائی رتھ سے کود کر گھوڑے پر سوار ہو گیا۔

شکست کے بعد اتحادی سلطان پانچ ماہ تک شہر وجیانگر میں ٹھہرے اور بیس بیس کوس تک کا علاقہ ویران کر ڈالا۔ جنگ تالیکوٹہ کی تاریخ، منگل وار۔ ۲۳۔ جنوری

۱۵٦۵ء ہے۔

افسوس آج وجیا نگر کے کھنڈرات میں جاتے ہوئے روح کانپتی ہے۔ ہاتھیوں کے اصطبل۔ رن واس۔ کونسل خانہ اور شاہی محل ایسے لگتے ہیں کہ جیسے شجر و گیاہ جل کر کالے چٹیل پہاڑ کھڑے رہ گئے۔ بعد کو راج کٹم نے رائچور میں رہائش اختیار کر لی تھی کیونکہ اس کا جائے وقوع دکھن میں بعید ترین ہے اور میں اُنہی میں سے ہوں۔

تم نے تاریخِ انگلستان پڑھی ہوگی۔ تو یاد ہوگا۔ کہ خونی میری کے عہد میں انگریزوں کے ہاتھ سے شہر "کیلے" نکل گیا۔ تو اس ملکہ نے وصیت کی کہ اس کے مزار پر لفظ "کیلے" لکھ دیں۔ مجھے وجیا نگر کی تباہی کا بے حد صدمہ ہے"۔

پھر اُس نے خوشی میں آکر ذرا زور سے نعرے لگائے:

"رائچور۔ رائچور۔ رائچور"

"یہ تمہیں کیا ہو گیا؟" میں نے دریافت کیا۔

وہ فخر و امتیاز سے بولی:

"رائچور۔ رائچور۔ رائچور۔ جنگ رائچور۔ فتحِ عظیم رائچور۔

یہاں ہمارے کرشن دیو رائے اعظم نے سلطان اسمٰعیل عادل شاہ کو ایسی شکست فاش دی تھی کہ سلطان اپنی جان اور محض سات عدد سپاہی لے کر دریائے کرشنا پار جا سکا تھا۔ یہ واقعہ ۱٦ مئی ۱۵۲۰ء کا ہے۔

پھر کرشن دیو رائے اعظم نے کہلوایا۔ کہ عادل شاہ بطریق راج بھینٹ اور معافی وجیا نگر حاضر آکر رائے کے پاؤں چومے۔ سلطان منکر ہوا۔ تو دیکھو اس طرح ایک ہی چٹکی مارنے میں اُس کی راجدھانی بیجاپور کے محلات اور گلی کوچے ہماری فوجوں کے تسلّط میں تھے۔

"رائچور۔ رائچور۔ رائچور۔ فتحِ عظیم رائچور"

بیجو کا لہجہ متعصبانہ تھا۔ اُسے مسلمانوں سے نفرت معلوم ہوتی تھی۔ فتح وجیا نگر کو وہ اس طرح لیتی کہ جیسے صلیبی محاربین کے ہاتھ سے فلسطین نکل گیا ہو۔ اور میں بھلا "جنگلی سور" کے شاہی

نشان کی فتح کیسے گوارہ کر سکتا تھا؟

وہ ان واقعات کا ذکر مجھ سے ملتے ہی کرنے لگی تھی۔ مگر آج اُس کی تاریخ دانی اور تہورانہ بچپن نے میرے آمرانہ عزائم کے لیے مہمیزِ آتشین کا کام کیا۔ میں نے بات میں سے بات نکالی:۔

"اگر میں تمہارے خلاف یہاں اعلانِ جنگ کر دوں، تو کیا کرو؟"

"مقابلہ"

"کہنے اور کرنے میں بڑا فرق ہے۔ کہو تو پہاڑ سے توڑ کر تنکا پیش کر دوں۔ دکھنی رواج کے مطابق دو ہونٹوں میں دبا کر جان بخشی کی طلب گار بننا پڑے گا"

"دیکھئے مجھے نہ مچلائیے، غصّہ نہ چڑھائیے، تھامے نہ تھموں گی"

"جوانی تو چڑھی ہوئی ہے، غصّہ بھی چڑھ جائے گا تو خبر نہیں کیا سے کیا بن جاؤ گی"

کہنے اور کرنے میں بڑا فرق ہے۔ چشم زدن میں، میں نے اس پر ہلّہ بول دیا۔ اور جب وہ موئے آتش دیدہ بنی تو میں نے اُس کا سر آرام سے پہاڑ پر ٹکا دیا۔ اور اُس کے دونوں ہونٹ۔ ذقن رخسار، پیشانی۔ ہلالِ ابرو۔ ردنی سی آنکھیں۔ مشکِ خام گیسوہائے بُریدہ، مصیقل رخسار، اور گلا۔ غرض کہ تمام متعلقاتِ حسن نیز اس فصلِ بہار میں سینے پر اُبھرنے والے مزدوں کے سرچشمے میرے کُلی اختیار میں تھے۔ میں نے اُس پر اس طرح قبضہ جما لیا تھا۔ جس طرح غدر کے بعد انگریزوں نے دہلی پر۔ پھر میں نے دیکھا۔ کہ اُسے پتھر سے تکلیف ہو رہی ہے۔ اس لئے میں نے اپنی قراقلی کی ٹوپی اُس کے سر تلے رکھ دی۔

اُس کا منہ اَب بھی ہلکے ہلکے چل رہا تھا۔

میں نے پوچھا:

"یہ ہر وقت منہ میں کیا ڈالے رکھتی ہو؟"

"چھوٹی الائچی۔ میری پیدائش سواحلِ کنارا کی ہے۔ جہاں مصالحے پیدا ہوتے ہیں اور خاص کر لونگ، چھوٹی بڑی الائچی اور سیاہ مرچیں"

"مالا بار کے جنگل بھی دیکھے ہوں گے"

"ہاں"

"میں وہاں اپنے والد کے ساتھ خیموں میں ٹھہری ہوں۔ وہ اُدھر شکار کے لئے جایا کرتے تھے۔ یہ تم نے کیوں پوچھا؟"

"مالابار کے جنگلات ٹیپو سلطانؒ نے اپنے مجوزہ جہازی کارخانوں کے لئے محفوظ کئے تھے۔"

باتوں کے بعد بوسوں کی بھرمار شروع ہو گئی۔ اُس کے بدن کا کساؤ دیکھ کر میری جان نکلی جارہی تھی، وہ کہے جارہی تھی:۔

"آپے سے باہر کیوں ہوئے جارہے ہو مسٹر طاہر؟"

پر مسٹر طاہر تو زلزلہ برپا کرنا چاہ رہے تھے۔ صرف تنگی جا مزاحم تھی۔ بھوگ بلاس مندر کا چمکتا دھمکتا دھار دار کلس مخملی غلاف مانگ رہا تھا۔

پھر وہ بولی:

"خدا بچائے آپ تو بڑے بے صبرے ہیں۔"

جب وہ ہیچر میچر سی کرنے لگی تو میں نے کہا:

"ید کتے نہیں۔۔۔ ورنہ دونوں کو جان سے ہاتھ دھونا پڑیں گے۔"

"میرا تو ویسے ہی نیچے دیکھنے سے سر چکرایا جارہا تھا۔ اب یہ دوسری آفت آن پڑی۔"

اُس نے بلکتے ہوئے کہا:

گو اُس نے ہونٹ اور رخسار تو اِدھر اُدھر نہیں کئے۔ اور مجھے اُن پر پورے اختیار ملے ہوئے تھے۔ مگر وہ بوت سا اُتار رہی تھی۔ اور میں نے اُس سے بہت سے عہد وپیمان بھی لے لئے تھے۔ بقول ایک لوک گیت کے بات یہ تھی ؂

وہ تو چھاتی پر رکھدی کٹار
وہ تو ڈرتی نے کر لئے قرار

ایک دفعہ جب اس پر میرا بوجھ زیادہ ہی پڑ گیا۔ تو وہ مجھے اپنے دونوں ہاتھوں

سے پیچھے کو دھکا دینے کو ہوئی۔ میں ضرور کھڈ میں گر کر مر جاتا اور وہ وہیں کھڑی رہ جاتی۔ پر اُس نے ور گزر کیا۔

اِسی وقت بیجو کے سر کے نزدیک باتبی پر میں نے کانچلی ٹپی دیکھی۔ اور جیسے کچھ دُور سانپ سرل سے جاتا ہوا نشانی دیا بجائے ہر اس زندگی کے مجھ پر اب بھی شیطانی سوار تھی۔ پھر وہ سانپ سُرخ پھنا اٹھا کر کھڑا ہو گیا۔ کہ جیسے یہ لڑکی اس کی پرورش ودلائیت میں تھی۔ میں اُس کا پیچھا کر رہا ہوں اور وہ مجھے کاٹنے کے لئے آیا ہی چاہتا ہے۔ میں نے بیجو کو چھوڑ دیا۔

خطرناک کٹاؤ سے باہر آتے ہی اُس نے دستی بیگ کھول کر ہونٹوں پر سُرخی لگائی۔ کیونکہ جو سُرخی وہ گھر سے لے کر آئی تھی سیلابِ جنوں نے اُس کا تمو دمٹا دیا تھا۔

پھر وہ بولی :

"ناریل کے درخت پر دیسے تو چڑھا نہ گیا۔ سیڑھی لگا کر پھل توڑ لئے۔"

میں نے جواب دیا :

"خیر کچھ ہی ہو۔ تم آؤٹ ہو چکیں۔"

اب اُس نے دلگیر ہو کر کہا !

"بے ہوشی کا گیس سنگھا کر لوٹنے میں کیا فن۔ اور کوئی نٹ کی طرح لکڑی کی لمبی ٹانگوں پر چل رہا ہو۔ تو اُسے ڈگوڈا۔ ڈگوڈا۔ ہر ہر مہادیو کے نعرے لگا کر گرانے میں کیا بہادری؟

تم اتری بھارت والے کچھ ہوتے ہی ایسے ہو۔ اشوک نے کالنگا پر چڑھائی کی تھی۔ علاؤالدین نے یہاں ملک کافور بھیجا تھا۔ اور مغلِ اعظم تو (اکبر تا اورنگ زیب) ہر سال ہی حملے کرتا رہا۔"

پھر مجھے یقین ہو گیا کہ وہ آنکھیں پھیر لے گی۔ اور اُس کے مواعید ایسے ثابت ہوں گے جیسے حیدر علی کے لئے صلح نامہ مدراس کہ انگریز اُس پر قائم نہ رہ سکے۔ جو چیز جبر و قہر سے حاصل کی جائے دیرپا نہیں ہوتی۔

جب وہ یہ کہہ کر کہ "وہ آخری ملاقات کا آخری سلام۔ نہ تم میرے نہ میں تمہاری" میرے آگے آگے پگڈنڈی پر دوڑنے لگی۔ تو مجھے بھی اس کا پیچھا کرنا پڑا۔

گول کے پاس ایک مکان تھا۔ وہ اس میں داخل ہو گئی۔ اُس نے سمجھا تھا۔ کہ یہاں آبادی ہو گی۔ مگر یہ اُن جھٹیوں میں سے تھا۔ جسے کاشت کار تخم ریزی یا فصل کٹنے اور اٹھنے کے وقت استعمال کرتے ہیں۔ کیونکہ کام کی زیادتی ہوتی ہے اور وہ خطرناک پہاڑی راستوں سے اندھیرے میں گھر نہیں جا سکتے۔

اِن دِنوں یہاں کوئی چڑیمار ٹھہرا ہوا تھا۔ کیونکہ ٹھپکیاں اور پنجرے رکھے تھے۔ کسی میں مینائیں تھیں۔ کسی میں طوطے۔ کسی میں کالے بھورے تیتر۔ کوّے وغیرہ۔ بیجو پنجروں کی کھڑکیاں کھول کر پرندا ڑاتی پھرنے لگی۔ بے چارے چڑی مار نے تو نہیں خبر نہیں کس کس جنگل سے پکڑ کر جمع کیا ہو گا۔ اور اُس کی محنت یوں رائیگاں جا رہی تھی۔ طائر چھپکارا پا کر اپنی اپنی بولیاں بولتے ہوئے اُڑے جا رہے تھے۔ غرض اُس نے ایک قیدی بھی پنجرے میں نہ چھوڑا۔

جب وہ یہ کارِ خیر انجام دے چکی۔ تو دوڑ کر کوٹھے میں دم لیا۔ یہ پناہ گزینی مجھ سے ہو رہی تھی۔ وہ دروازہ بھیڑنے والی ہی تھی کہ میں نے اُسے اِس گریز گاہ میں جا لیا۔ اور اندر سے کنڈی لگا دی۔ چاہتا تھا میں بینڈ ابھی لگا نا مگر گھبراہٹ میں لگا نہ سکا۔ کونے میں ڈیوٹ اور دیا سلائی رکھی تھی۔ پلنگ پر کمبل ٹنگ رہا تھا۔ اُس نے کپّی جلا دی جس کی تیز لَو نے در و دیوار روشن کر دیئے اور اُس کے چہرے کی رعنیت افزائی بڑھا دی۔ میں نے کمبل بچھا دیا۔ اور ہم بیٹھ گئے۔

دیوار پر انگریزی فلموں کے انتہائی شہوت انگیز اشتہار لگے ہوئے تھے۔ میں نے اُن کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بیجو سے کہا:

"یوں یا دوں"

"یوں نہ دوں"

اُس نے بھاگ کر دروازہ کھولنا چاہا۔ میں نے اُس کا زرد چھوٹا کوٹ کھینچ کر

پلّے پھاڑ دیتے۔ اُس نے چراغ بجھا دیا۔ اب میری اور ایک توانا جوانی کی کشمکش ہو رہی تھی۔ بیجو کا سب سے زیادہ ساتھ اُس کی کاسنی ساڑھی نے دیا۔ اُسے جتنا اتارا جاتا۔ پاربتی کی ساڑھی کی طرح اُتنی ہی زیادہ وہ لپٹتی ہوئی معلوم ہوتی۔ مگر تاکے مصیبت میں کون کسی کا ہوتا ہے۔ جانگیا تک بیجو سے کنارہ کر گیا۔ وصلی پر قلم لکھنے کو تھا کہ کوئی باہر سے کواڑوں پر کھودیں مارنے لگا۔ بیجو اُلٹے سیدھے کپڑے لپیٹنے سپیٹنے لگی۔ اور میں نے کواڑوں کی چھید میں سے باہر دیکھا تو گلاّ تھی جس نے سب مزا کرکرا کر دیا تھا۔

مویشی کو وہ رکا رکے ہیں دوبارہ بیجو کے پاس آ گیا۔ وہ جانگیہ پہن رہی تھی مگر ناگری ٹوٹ جانے کی وجہ سے یہ گھٹنوں سے نیچے ڈھلک گیا تھا۔ اب کی دفعہ میں نے اُس پر جلد فرمانروائی حاصل کر لی۔ مگر باوجود سر توڑ کوشش کے صحیح طور پر ابھی تک اس کا بال بنیکا نہیں ہوا تھا۔ وہ میرے زیرِ سایہ تو تھی۔ پر میں منزلِ مقصود تک پہنچنے میں ناکام تھا۔

وہ کہنے لگی:

"اب جانے دیجئے مسٹر"

"موقعہ ہاتھ سے نکل جائے گا"

"موقعہ ہاتھ سے نکل جانے دیجئے"

"مچھلی ٹاپ میں آئی ہوتی ہے۔ اور آپ فرما رہی ہیں اُسے بحرِ زخار میں چھوڑ دوں۔ میں اتنا دیانت نہیں۔ تم جیسی شوخ شوخ گرم گرم اور تازہ بہار لڑکی سے دست بردار ہونا کون سی عقل کی بات ہے۔ پرندے تو تم نے اُڑا دیئے۔ مگر تم ہم سے اُڑ کر کہاں جا سکتی تھیں"

مجھے بڑی عجلت ہو رہی تھی۔ گویا بلوائی میرے قتل کو آ رہے تھے اور میں جان بچانے کو اندر جانا چاہتا تھا۔ مگر باوجود کانی ٹاپا ڈوٹی کے جو تالے میں چابی نہیں بیٹھ رہی تھی۔ کیونکہ منہ نہیں مل رہا تھا۔ اُس کی شکل دکھی ہوتی تو ملتا۔ اور محض اٹکل سے چابی اندر کیسے پھرتی۔ تنگی۔ غصہ اور خوف کیا کچھ نہیں کرا دیتا۔ اس لئے میری ہتھی تالا کو ضرباتِ شدید سے توڑ دینے کی تھی۔

پھر حدِ مِتار کہ عبور ہوگیا۔ اور وہ جیتی جانے والی ہی تھی کہ فیصلہ سے ذرا قبل باہر گائے نے رانبھنا شروع کر دیا۔ اور کوٹھے میں کہیں بندھے ہوئے لواڑو نے ماں کی آواز پہ رسّے تڑا لئے۔ پھر اندر کی ساری زمین اس لاڈلے کی جولان گاہ بن گئی۔ یہ ماں کالال دُم اٹھائے اِدھر سے اُدھر اور اُدھر سے اِدھر کدکڑے لگاتا اور پیاری بولیاں بولتا پھرنے لگا۔

میں نے کہا:

"ارے بچھڑے ذرا ٹھہر جا۔ کھیر کا دلیا بنا جا رہا ہے"

اس چلا چلی میں میری حیوانیت کی نوک پلک بھی درست نہ رہ سکی۔ اور جو کام منٹوں سیکنڈوں میں ہو جانا چاہیئے اُس نے طول کھینچا۔ مزید برآں تاریکی میں یہ بھی ڈر تھا کہ کہیں بچھڑا ہم پر نہ آچڑھے۔ اس لئے بیجو نے دیا جلا دیا۔ مگر وہ تو مجھے اور اپنے آپ کو دیکھ کر سخت شرمائی۔ مجھے دیکھ کر خاص طور پر۔ کیونکہ اُس نے مرد کو اس حالت میں کبھی نہ دیکھا تھا۔ وہ میری بے ٹھکانہ جگہوں پر اُدلتی بدلتی نگاہیں ڈال رہی تھی۔ مگر جب اُس نے پیٹرو کے نیچے اور چھتنیوں پر ساڑی لینے کا ارادہ کیا۔ تو دروازہ پر انسانی ہتھیلیوں کی ضربیں پڑنے لگیں۔ پھر ایک چوڑیوں بھرا ہاتھ چھید میں سے اندر آکر کنڈی کھول رہا تھا۔ میں جس حالت میں تھا اُسی حالت میں اُٹھ کر بھاگا اور ہاتھ کو پیچھے ہٹا دیا۔

اب یہ لڑکی جس کا ہاتھ تھا، چیخنے لگی اور ساتھ کے ساتھ دس بارہ لڑکیاں پائل وغیرہ قسم کے باجے دار زیور پہنے ہوئے دھڑدھڑ کرتی ہوئیں مدد کو پہنچ گئیں۔ جب ہم میں اچھی خاصی آویزش ہونے والی تھی۔ اور ارادہ تھا کہ بعد انفراغ راہ فرار اختیار کریں۔ تو نوجوان کنواری پہاڑنیں چولوں پر سے کیواڑ اتار کر اندر گھس آئیں۔ مگر ہمارا نقشہ دیکھا تو پچھلے پیروں لوٹ گئیں۔

اصل میں ان مزدور لڑکیوں کو جڑی مار لایا تھا۔ تا کہ پنجرے سڑک تک پہنچ سکیں جہاں مال کو اور آگے منڈی تک پہنچانے کے لئے ریڑھیاں منتظر کھڑی تھیں۔

اب بیجو اور میں کھڑکی میں سے لوبیئے کے پھُولے ہوئے کھیت میں پھاند گئے۔ یہاں

شہد کی مکھیاں بہت بڑی تعداد میں بھنبھناتی ہوئیں رس چوس رہی تھیں۔ آلو بخارے پر بیٹھا چنڈول گا رہا تھا۔ جو ہمیں یوں آپا دھاپی میں آتا دیکھ کر اُڑ گیا۔ آگے پھولوں سے سفید بنی ہوئی کانٹوں کی باڑ تھی۔ جسے ہم نے اُونچی پھلانگ مار کر عبور کر لیا۔

اتنے میں ریڑھی والے، مزدور اور چڑی مار بھی گھر میں پہنچ گئے۔ چڑی مار نے خالی پنجرے دیکھ کر سر پیٹ لیا۔ اُدھر لڑکیاں ہمارے ڈھنگ بے ڈھنگ اور نیزہ بازی کی داستانیں سُنا رہی تھیں۔

پھر "ہیرو۔ ہیرو۔ پکڑ لو۔ پکڑ لو۔ جانے نہ پاویں" کی آوازیں کوہ و دمن میں گونجنے لگیں اور بلوائیوں کا مجمع ہمارا تعاقب کر رہا تھا۔

پگڈنڈی پر اوڈوں کے جھبرے۔ گلہڑ کتّے نے گنگنے پن سے بھونکتے ہوئے۔ ہمارا راستہ روکنا چاہا۔ مگر ہم اس طرح صاف نکل گئے کہ جیسے گیلی پولی سے کوئی تیز کرُوتہ۔

ہم بھاگم بھاگ سڑک پر پہنچ گئے۔

مرد عورت کو بدوضعت میں دوڑتا دیکھ کر پولیس چوکی والوں نے سڑک کا پھاٹک بند کر دیا اور جھبی کے جھبی جس طرح غازی مصطفےٰ کمال اتاترک یونانیوں کا پیچھا کرتا ہوا۔ دم کے دم میں سمرنا پہنچ گیا تھا۔ چڑی مار بمعہ مزدوروں۔ لڑکیوں۔ ریڑھی والوں اور تماشائیوں کی فوج کے موقعہ پر آوارد ہوا۔

جب ہمارا مقدمہ تھانیدار کے سامنے پیش ہوا۔ تو تو آزاد پرند درختوں پر اُڑتے ہوئے خوشی کے راگ الاپ رہے تھے۔ اور چڑی مار ہماری طرف دیکھ دیکھ کر پھنکارے مار رہا تھا۔

مگر جہاں بے داد حاکم ہو۔ وہاں فریاد کیا کیجئے۔ میں کچھ کچھ پنجابی زبان جانتا ہوں کیونکہ ہمارے چوکیدار پنجابی تھے۔ میں نے تھانیدار کو اپنے اسسٹنٹ سے یہ کہتے ہوئے سُن لیا کہ:

"مام دینا۔ کڑی بال اے پر ڈاڈھی سوہنی۔ ساں نواہناں دے پاسے ہونا چاہی دا اے"

(امام دین لڑکی بچہ ہے پر بہت حسین۔ ہمیں ان کی طرف ہونا چاہیئے)
اور اسسٹنٹ جواب دے رہا تھا:
"راجہ جی۔ کُڑی تو میّوں ڈیتھدی نئیں لڈو ڈیتھڈا اے"
(راجہ جی لڑکی تو مجھے دکھائی نہیں دیتی البتہ لڈو دیکھتا رہا ہے)
پھر تھانیدار نے تائید کی:
"گورا رنگ کسی دا نہ ہوئے سارا پنڈ ویری پے گیا۔ اے گل غلط اے۔ گورا رنگ نہ وی ہوئے تو وی سارا پنڈ ویری پے سکدا اے"
(گورا رنگ کسی کا نہ ہو۔ سارا گاؤں بیری ہو گیا۔ یہ بات غلط ہے۔ گورا رنگ نہ بھی ہو تب بھی سارا گاؤں بیری ہو سکتا ہے)
یہ دونوں افسر ضلع جہلم کی تحصیل چکوال کے گھبرو تھے۔
پھر جب چڑی مار مزخرافات بکنے لگا کہ کوٹھے کے اندر یہ ہو رہا تھا۔ تو اسسٹنٹ نے اُسے الگ لیجا کر باتیں کیں اور ہنستا ہوا آ کر تھانیدار سے کہنے لگا:
"راجہ جی کہندا اے بوا بند سی۔ کپڑے دوواں دے دور سُٹے ہوئے سی۔ آپ سی نال نال۔ کُڑی دا سُٹے تے سُٹا لگدا پیا سی"
(راجہ جی کہتا ہے کہ دروازہ بند تھا۔ کپڑے دونوں کے دور پڑے ہوئے تھے آپ پاس پاس تھے۔ اور لڑکی کا کش پر کش لگ رہا تھا)
افسوس اس افراتفری میں بیجو اپنا زیر جامہ اور سینہ بند چھوڑ آئی تھی۔ چڑی مار اسے جھنڈی کی طرح نمایاں کر کے دکھانا چاہتا تھا۔ کہ اُس پر تھانے دار کی ڈانٹ پڑی:
"ابے کیا ٹائیں ٹائیں کر رہا ہے۔ گل مُکا۔ یہ ہم اپنے پاس سے پانچ روپے کرائے کے دیتے ہیں۔ مدراس جا کر آئی جی صاحب سے فریاد کر۔ تیرا خیال کدھر اے۔ ایسا کام یہ شریف آدمی نہیں کر سکتے۔ اور بھلا یہ کیوں کھڑکیاں کھولتے۔ کوئی دشمن ہوگا جس نے تیری پتیر مٹا دی"

پولیس چوکی کے پیچھے سوت کے پاس محکمہ آثارِ قدیمہ نے ابھی کچھ عرصہ ہوا۔ بدھوں کے وقت کا غار دریافت کیا تھا۔

سڑک پر بورڈ پڑھ کر بیجو کو شوق پیدا ہوا۔ کیونکہ وہ تاریخی مقامات اوبدا کر دیکھتی تھی مگر اُسے یہ علم نہ تھا کہ داخلہ صرف خاص الخاص لوگوں کے لئے مخصوص ہے۔ وہ سمجھتی تھی کہ مشہور سیرگاہوں کی طرح یہاں بھی عام لوگ پھر پھرا رہے ہوں گے۔ میں نے بیجو کے عدمِ علم میں تھانیدار سے اجازت حاصل کر لی۔ میرا ارادہ وہاں پہنچ کر اس تحفۂ دکن کے گرد ہونے کا تھا۔ نیز ہم اِس تشہیر گاہ سے بھی بھاگنا چاہتے تھے۔

غار میں تھوڑی ہی دور چل کر ہمیں پتہ چل گیا کہ اسے عام پبلک کے لئے کیوں نہیں کھولتے۔ چٹانوں پر مجامعت کے ایسے امساک انگیز اور بےشرم آور مناظر تھے کہ آج کل کوئی مصوّر ان کے عشرِ عشیر بھی کھینچنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ بھرے بھرے کولھے۔ تیز تیز نوکیلی کچیں۔ جو مختصر سی انگیا کو اس طرح پھاڑے ڈال رہی تھیں کہ جیسے اندر اُن کا دم گھٹا جا رہا ہے اور بے حد سفیدی میں شبِ دیجور کو شرمانے والی مستانی پتلیاں جنہیں بند کرنے کی سعی بے حاصل میں پلکیں مصروفِ مدام تھیں۔ مگر کیونکہ انہیں کھُلی رہنا تھا۔ اس لئے کھلی کی کھُلی رہیں۔

میں نے بیجو کو لپٹا کر بھینچتے ہوئے کہا:

"یہ جگہ ہے۔ تمہیں نوشِ جاں کرنے کی بیجو دلبر"

"ہُنہ" اُس نے تصویروں کی طرف سے پیٹھ پھیرتے ہوئے جواب دیا:

"اگر تم نے یہاں بھی دکھشا اور پرشاد نہ لیا۔ تو تم پر اِن تصویروں کی مار پڑے گی۔"

"میری توبہ پھر پھر کر وہی بات"

پھر اُس کا منہ تُو میں بیٹھے ہوئے طوطے کی طرح کھُلنے لگا۔ لذّت بخش ہونٹ قریب سے قریب تر آنے لگے۔ چہرہ آرزوئے وصال سے لبریز سا ہو گیا۔ وہ جلدی جلدی سانس لے رہی تھی۔ میں نے اُس کا گھونٹ سا پی لینے کی ٹھان لی۔ اُس کے جذبات کو خوب نچوڑ ڈالا گیا تھا اور نیچے بیٹھ کر میں نے اُسے گود میں لٹا لیا۔ اُس نے اپنی باہیں میرے گلے میں ڈال کر منہ نیچے جھکا لیا اور بوسوں سے جگمگائے ہونٹ آنکھوں پر رکھتے ہوئے کہا:

"باز نہیں آئیں گے آپ؟"

"نہیں"

"کیوں"

"اس لئے۔ کہ خالی پھیکی باتیں بہت ہو چکیں۔"

"حزم و احتیاط لازم ہے۔"

"مگر حریص کے لئے نہیں۔ اور کئی وار خالی جا چکے ہیں۔"

"کیا آپ کے ابھی تک ٹھنڈک نہیں پڑی؟"

"ٹھنڈک کیسے پڑتی ہیں تو اور بے صبرا ہوا جا رہا ہوں۔"

"زور آوری سے کام نہیں چلے گا۔ میں تا لیکوٹہ نہیں، رائچور ہوں۔"

"جنگ و پیکار زیادہ دیر باقی نہیں رہے گی۔ آن کی آن میں پتہ چل جائے گا

کہ تم کیا ہو۔"

اب لائن کلیر ہو چکی تھی۔ انجن اسٹیشن کی طرف بڑھ چلا تھا۔ ٹھکلنے والے جگہوں کے بعد بے ٹھکانہ جگہوں پہ ہاتھ صاف ہونے والا تھا۔ وہ رانگ ہو کر پائے معکوس (سلے) بن گئی تھی اور اُسے گذیدگی کا تکلیف دہ احساس ہونے کو تھا۔

جب میں نے اُس سے کہا "تنک جی کڑا کرو میری جان" تو اس کی پیشانی پر ایک ہلکی سی گرہ نمودار ہو گئی تھی۔ میں اُس پر قادر ہونے والا تھا اور وہ خود بھی پٹتی پڑتی تھی۔

اَب چھن بھر میں گرہ کشائی ہو گئی ہوتی۔ ہم دونوں پر استغراق کا عالم طاری ہو چکا تھا۔ شرم و حیا ہماری طرف سے پیٹھ پھیر کر کھڑی ہو گئی تھی۔ چٹانوں میں زلزلہ آیا ہوا تھا۔ کیونکہ وہاں کھلی مجامعت کے مرقعوں میں جان پڑ کر قیامت کی ہلچل مچی ہوئی تھی۔ تند و مواج سمندر ساحلوں کے ٹکڑے ٹکڑے کرنے پہ تلا ہوا تھا۔ مگر وا حسرتا۔

وا حسرتا۔ چٹان کی دوسری جانب سے قہقہے بلند ہونے لگے۔ نظام کالج کی طالبات غار کے دوسرے سنجیدہ حصص کو دیکھ کر اِدھر ٹپک رہی تھیں۔ اور پھر جب

میں بصد مسروری اس پر متصرف تھا۔ تو یک بارگی ہمارا اور اُن لڑکیوں کا سامنا اس طرح ہو گیا کہ جیسے رات کو شکار پر طوفانی روشنی پڑ جائے۔

جب سب سڑک پر آئے تو لڑکیاں بیجو کی طرف دیکھ رہی تھیں اور بیجو میری طرف نہیں۔ کسی کی طرف بھی نہیں۔ بلکہ زمین کی طرف۔

آخر میں نے کہا:

"غلطی سرزد ہو جاتی مگر ہوئی نہیں۔ شیطان ٹکے تان تان کر رہ گیا۔ مگر مار نہ سکا پھانس چبھ جاتی۔ مگر نہیں چبھی۔

پھر بھی معافی چاہتا ہوں۔ جو کچھ بھی ہوا۔ بے دھیانی میں ہوا۔ آپ بُرا نہ مانیں"

"معافی مانگیئے اپنے پیدا کرنے والوں سے۔ میں تم سے گئی۔ تم مجھ سے گئے۔ ذرا سا موقعہ پایا اور بس لگا پو شروع کر دی۔ ایک دن کی ملاقات میں یہ حال ہے۔ تو آئندہ تو معلوم نہیں کیا ہوتا۔ میں بہت بے حرمت ہو چکی"

"تم تو مجھے خشک کا خشک بھیج رہی ہو"

"تری کی تلاش سمندر میں کیجئے"

"پھر کب ملو گی"؟

"قیامت کو۔ ۔ ۔ ہمارے آپ کے تعلقات ہمیشہ کو فسخ"

میں نے ہاتھ ملانے کے لئے بڑھایا۔ وہ جھٹک کر چلی گئی۔ اور میں سوچتا رہ گیا کہ اگر اُس سے دل کی بھڑاس نکال لیتا۔ تو یہ اس سے زیادہ اور کیا کر سکتی تھی۔

میں متعجب تھا کہ کب رائچور میں دن پڑا جس میں اسماعیل عادل شاہ کو دیورائے اعظم نے شکست دی۔ اور کب وجیانگر نظر آتش و انہدام ہوا۔ مگر بیجاپوری کے لئے یہ کل کی بات ہے۔ یہ حادثات سولہویں صدی عیسوی میں رونما ہوئے تھے۔

پر غرناطہ سے بھی تو مسلمانوں کو ۱۴۹۲ء میں نکالا گیا تھا۔ اور اسپین کے دوسرے شہر قرطبہ۔ اشبیلیہ طلیطلہ وغیرہ اس سے قبل جا چکے تھے۔ مگر رقیہ کے والد اُندلس کا کتنا ذکر

رکھتے ہیں۔ کسی نے اُن کے سامنے پڑھ دیا:

؎ کلکتہ کا جو ذکر کیا تو نے ہم نشیں

ایک تیر میرے سینے میں مارا کہ ہائے ہائے

تو فرمانے لگے کہ بجائے کلکتہ کے یہاں اُندلس ہونا چاہیئے۔ شادی بیاہ کے باجے بجیں تو کہتے ہیں۔ یہ نہ بجیں اِن سے مجھے اُندلس یاد آتا ہے۔ جب تک وہاں دوبارہ تہذیب حجازی کے مرکز نہ قائم ہوں۔ شادیانے موقوف رہنے چاہئیں۔ جن دنوں امیر عبدالکریم نے ریف میں ہسپانیوں کو زیر کیا تھا۔ اُنہوں نے امیر موصوف کی شان میں کچھ انگریزی اور فارسی قصیدے لکھے تھے۔ ایک فارسی قصیدہ کے دو شعر ہیں:

ریفیان را مثلِ اسکندر تو اے عبدالکریم ؛ عالم اسلام را دیوارِ چین یزدئے تو

موجہا از ساحلِ اندلس برفت داین بگفت ؛ قرطبہ غرناطہ می خواہند دیدن روئے تو

ان فتوحات کی خوشی میں رقیہ کے والد صاحب محفلہائے میلاد بھی منعقد کیا کرتے تھے۔ رقیہ اس وقت چند سال کی تھی مگر اس کی خوش الحانی کو دیکھ کر انہوں نے فارسی کے مندرجہ بالا اشعار اُسے یاد کرا دیئے تھے۔

انہوں نے بیرونی برآمدہ کے اُس فرنیچر کے پاس۔ کہ جس میں آئینہ لگا ہوا ہے اور ہیٹ وغیرہ کے لئے کھونٹیاں۔ ایک نقشہ ٹانگا ہوا ہے۔ جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان کہاں کہاں پہنچے۔ میں اسی نقشہ کے سبب جانتا ہوں کہ تبت۔ لاسہ سوئٹزرلینڈ اور جرمنی کے حصے مسلم فتوحات کی وسعتوں میں رہ چکے ہیں۔

باب ۴

معنی	الفاظ
مسروے کے گودے کی مانند گہرا سبز رنگ	سروئی
زنانہ محل	رن داس
حسد دلانا	مچلانا
جنگل میں مویشیوں کا مکان	ایورا
رحم دل	دیاونت
معاملہ ختم کر	گل مکا
کدھر	کدھرے

باب ۵

جو واقعہ پہلے بیان ہوا۔ تیسرے پہر کا تھا۔ اور اگلے دن وقت عشا میں نے اُسے پھر حیدر آبادی نواب زادیوں کے جلو میں دیکھا۔ اور ڈر اکہ افسوس اب اُس سے ملنے کی طرح نہ ہو سکے گی۔

میری جائے قیام کے سامنے دہلی کی ناچ منڈلی ٹھہری ہوئی تھی۔ جس کے منڈوے میں لاؤڈ سپیکر پر اشتہاری ریکارڈ بج رہا تھا۔

مرنے کے بعد ساقی آئے گا کون پینے
دیکھو چھلک نہ جائے پیمانہ زندگی کا
آئے بھی وہ تو خوشتر جائے بھی وہ تو خوشتر
جب موت ہی سے ٹھہرا یارانہ زندگی کا

میں بے ثباتی حیات کا خیال لئے ہوئے بیجو کی طرف دیکھنے لگا۔ جی نکلا جا رہا تھا۔ اُس نے ایک چور مگر غضب کی خطا پوش گناہ بخش امید افزا نگاہ میری طرف ڈالی اور میں سمجھ گیا کہ وہ مجھے معاف کر چکی ہے۔ اُس کے ہونٹوں پر خاموشی اظہار آمادگی تھا۔ اور وہ خواہش خود سپردگی کی شکار نظر آتی تھی۔

میں دوڑا دوڑا اپنے کمرہ میں آیا۔ تاکہ دیسی انگریزی مٹھائیاں اور پھل پھلواری منگا سکوں۔ مگر وہ خود مہکی مہکی بہکی بہکی میرے پیچھے پیچھے آ گئی۔

آج اُس نے کانوں کی لو میں بجلی کے بالے پہنے ہوئے تھے۔

اُس کی نگاہِ شہوت خیز دیکھتے ہی میرے دل میں کھلبلی سی مچ گئی۔ جذبات بپھر گئے۔ طبیعت بُری طرح چاہنے لگی۔ نفس پھنپھنانے لگا اور میری جنسیات مہر نیم روز کی طرح بیدار ہو کر ننگی تلوار بن گئیں۔ اگر لبلبی کو ذرا دبا دیا جاتا تو گولی چھوٹ جاتی۔ ایسا لگ رہا تھا۔ جیسے اُس نے بے حد شراب پی رکھی ہو۔ کیونکہ اُسے کپڑوں تک کا ہوش نہ تھا۔ جو وقتِ ضرورت چائے دانی کا غلاف ثابت ہوئے۔ آج اُسے کچھ پس و پیش نہیں تھا۔ وہ بے درنگ۔ میری گود میں آگئی اور ہونٹ، چُسانے شروع کر دیئے۔

گو وہ کنواری تھی۔ مگر اُس کا جسم کنوارپن سے سہما اور لجایا ہوا نہ تھا۔ باوجود مرد نادیدہ ہونے کے اس میں محجوبیت نہ تھی۔

پھر میں زیاں کاری پر اُتر آیا۔ اور جب وہ طرب افزا ساعت آئی۔ تو اُس کے منہ سے صرف یہ بول نکلے تھے کہ "میں تو صرف خیر سگالی کی ملاقات کے لیے آئی تھی۔ مگر آپ تو میری خوب خبر لینے لگے" کہ چودہ طبق روشن ہو گئے۔ اُس کے منہ پر آہ آہ تھی اور دل میں واہ واہ۔ پہلی ہی پیش دستی میں وہ یہ کہتی نظر آئی ؎

؎ ذرّہ بھی ہم تڑپنے نہ پائے کہ بس تمام

اُس پر جتنا بھی گشت کیا جا رہا تھا۔ جی جی اُٹھ رہی تھی۔

بھوگ بلاس مندر کے چمکتے دمکتے دھار دار کلس پر خربوزہ بار بار ٹنگایا جاتا رہا! وہ آگ کی طرح تپ رہی تھی۔

جب بحرانی دَور ختم ہو گیا اور وہ بے باق ہو کر ٹھنڈی ہو چکی۔ تو میں نے اُس کے لئے پھل پھلواری اور مٹھائیاں منگوائیں۔ اِس سے پہلے انہیں مہیا کرنے کا موقعہ نہ مل سکا تھا۔

وہ اپنے پاؤں کا تلوا جو کافی گہرا تھا۔ میرے پشتِ پا پر بے تکلفی اور پیار سے پھیرتے ہوتے بولی:

"آج پھر تالیکوٹہ میں رَن پڑا۔ بہمنی سلطانوں نے پھر وجیا نگر کی اُجاڑ لگا دی

شمالی ہند پھر دکھن پر حاوی رہا۔ میں آپ سے کچھ دیر پہلے سپورن بھی۔ میں نے اپنے آپ کو کس کس سے بچائے رکھا۔ پر یہ سنتی آئی تھی۔ کہ یہ لپکا چُپ کی مٹھائی سے بھی زیادہ مزیدار ہے۔ تو ہے تو۔ مگر تم بڑے زیاں کار ہو۔

"کیوں"

"کیا کیا کچھ توڑ پھوڑ کر رکھ دیا؟"

"مثلاً؟"

"مثلاً۔ مثلاً کچھ نہیں۔ تم نے مجھے دُھنک کر رکھ دیا۔ تم میرا جوہر نکال کر رہے ہے۔ برگ میں اگر مشک نہ رہا۔ تو وہ کس کام کا۔ بہت بچی۔ بہت بچی۔ مگر تم مجھے ڈھب پر لے ہی آئے۔"

پھر اُس نے مٹھائیوں اور پھلوں پر سے ریشمی کپڑا لفرت کے ساتھ ناک بھوں چڑھا کر ہٹاتے ہوئے انگریزی میں کہا:

"سُور کے کباب اور شراب (SWINE AND WINE) میں نے سُن رکھا ہے کہ ان میں بھی بڑا مزا ہے۔"

میں اُس کا منہ دیکھتا رہا مگر وہ ہر چیز حسبِ منشا منگا کر رہی۔ سُور کے کباب ——— شراب ——— انتہائی بے حیائی ——— اور بسوائی۔

وہ دوبارہ مجھ سے منہ ملانے لگی۔ تو میں نے اپنا مُنہ پیچھے ہٹا لیا۔ وہ کہنے لگی:

"کیوں؟"

"تم نے سُور کا گوشت کھایا ہے"

"مگر میں تو برش اور منجن سے خوب اچھی طرح مُنہ اور دانت صاف کر کے آئی ہوں۔ اسی لئے غسل خانہ میں اتنی دیر لگی"

"قبیحا۔ مگر تمہارے منہ سے شراب کی بُو آ رہی ہے"

"تم نے میرا جسم نہیں سونگھا۔ بتانا اس میں سے کیسی بُو آرہی؟"

"الائچی کی۔ ۔ ۔ ۔ یہ کیوں ۔ ۔ ۔ ۔ کیا اس لئے کہ تم الائچی چباتی رہتی ہو؟"

"یہ وجہ نہیں۔ تم ہزار الائچیاں چباتے رہو بدن سے خوشبو نہ آئے گی۔ میں نے تمہیں بتایا تھا کہ میری پیدائش کناراکی ہے۔ جو مصالحوں اور خاص کر لونگ الائچی کا گھر ہے۔ میری ماں نے جنتے ہی مجھے ہری ہری تازہ الائچیوں میں دبا دیا تھا۔ اور میں مہینوں الائچیوں میں رہی۔

بھوگ بلاس مندر کے چمکتے دمکتے دھار دار کلس پر رات بھر پے در پے خربوزے چڑھتے اُترتے رہے۔ گھی کا چراغ خبر نہیں کتنی بار جلا بھڑکا اور بُجھا۔

خراب صحبتوں اور بُرے لٹریچر کے مطالعہ کی وجہ سے وہ لذّت ہائے جنسی کی بے حد شائق بنی ہوئی تھی۔ شراب اور سوّر اور جنس خبر نہیں کب سے اس کے دماغ میں بسے ہوئے ہوں گے۔

جب وہ علی الصبح نہا دھو کر چلنے کو ہوئی، تو میں نے پوچھا:

"بڑی عجلت میں ہو بیجو جانی"

"عصمت بچاؤ سنگھ" کے سالانہ انتخاب ہو رہے ہیں۔ میں اعزازی صدر ہوں نماز پڑھ کر دعا مانگنا کہ کامیابی نصیب ہو۔ اور یہ بات تو اس لئے ہو گئی کہ تم عشق میں مرے جارہے تھے"۔ اُس نے جواب دیا۔ اور میرے ہونٹوں پر اپنے ہونٹ روندھ دیئے۔ اب اِدھر بھی کیا اعتراض ہوسکتا تھا۔

اُسے جھٹ ساتوں آسمانوں کی سیر کرا ڈالی گئی۔ جب وہ بیت چکی۔ تو یہ کہتے ہوئے کہ تم نے تو مجھے بُری طرح کھپا ڈالا۔ بلا غسل کئے ہی بھاگ گئی۔ کیونکہ وقت بہت ہو چکا تھا۔

"عصمت بچاؤ سنگھ" کی اعزازی صدارت کی امیدوار ——— فرانسیسی شراب ——— سوّر کا گوشت ——— اور میری بیجاپوری بیجو ——— مگر ے

تعالی اللہ چہ دولت داشتم شب — کہ بود آن بخت بیدارم در آغوشش

باب ۵

معانی	الفاظ
سانپ پھنپھناتا ہے	پھنپھنانا
حظِ نفسانی	بھوگ بلاس

باب ۶

اگلی شب وہ مرونگ لوائے ہوئے کل سے بھی پہلے پہنچ گئی۔ اور ربڑ کی گڑیا کی طرح منہ سے سیٹی سی بجاتے ہوئے اترا کر کہا:

"مبارک ہو۔۔۔ تمہاری بیجا پوری بیجو عصمت بچاؤ سنگھ کی پردھان منتخب ہو گئی"

"ووٹروں کو اُن کے حُسنِ انتخاب پر داد ملنی چاہیئے"

میں نے اُس کے ہونٹوں سے تھوڑی سی سُرخی اپنے ہونٹوں پر حاصل کر لی پھر میں نے پردھان کا بچکنّا سا منہ جو غور سے دیکھا۔ تو دونوں رخساروں کے صدر مقاموں پر رات کی بوسہ زدگی کے نیل تھے۔ میں نے اُن کی چُسکیاں لے کر پوچھا:

"اور اِن پر کسی کی نگاہ نہیں پڑی"

"سب کی آنکھوں میں خاک جھونک آئی"

"جب کوئی کام بننا ہوتا ہے۔ تو یونہی بن جاتا ہے"

"ہم دکھنی اس طرح کہتے ہیں۔ ہونہار ہوتا ہے۔ تو ہو جاتا ہے"

وہ کھلکھلائی تو دونوں رخساروں کے نیل حاصلِ حُسن بنے ہوئے تھے۔ میں نے اُن کے کئی طوفان بھرے بوسے لے ڈالے۔

ذرا دیر بعد جب میں اُن نشانوں کو سہلانے لگا۔ تو وہ بولی:

"چوٹیں یہیں نہیں ہیں۔ اُدھر بھی کہیں ہیں۔ جو خبر نہیں کب تک چسکیں گی"

پھر میں اُس کے چپاتی سے پیٹ پر ہاتھ پھیرنے لگا۔ اُس کے تو گدگدیاں اُٹھنے لگیں اور میرا دل کھرا کھوٹا ہونے لگا۔ وہ میرا ہاتھ گودی میں روک کر تڑپتے ہوتے بولی:

"یہاں نہیں۔ یہاں نہیں"

"موزے کے گھاؤ میاں جانے یا پاؤں۔ کیوں یہی بات ہے ناجی؟"

اب میں نے سوال کیا:

"ہمیں بھی اُس سنگھ میں کوئی عہدہ دلوا دیا ہوتا"

وہ کہنے لگی:

"ہرنوں میں مینڈوے کی گزر کہاں"

آج میں نے مٹھائیاں، پھل پھلواری، شراب اور کباب پہلے سے میز پر چُن رکھے تھے۔ مگر طبیعت چاہ رہی تھی۔ کہ "پہلے نیش اور بعد کو نوش" میرے سر پر جن چڑھ گیا۔ وہ آرام کرسی پر بیٹھی تھی۔ میں نے اُسے بستر میں کھینچا تو وہ بُری طرح بلبلا گئی۔ اُسے ہزار دو بوتل شراب کا نشہ تھا۔ اور ہمارے کپڑے بے معنی ثابت ہو رہے تھے۔ اُس کا بدن کل سے بھی زیادہ تپ رہا تھا جسے وہ دیر میں ٹھنڈا کر سکی۔ اور پھر مردنگ پر مہندی رچے ہاتھوں کی تھاپ کے ساتھ گانا شروع کر دیا۔

اس کے بعد ہمیشہ بخش بیجو نے میری جھولی بھرپور بھری رکھی۔ اور اُس کا مشک وعنبر بدن میرا اوڑھنا بچھونا بنا رہا۔ اُسے میرا اتنا خیال تھا۔ کہ سُور کا گوشت کھانے کے بعد کبھی دانت صاف کئے بغیر میرے پاس نہ آتی۔ میں نے آج تک کسی کو بیجو سے اچھی جمائی لیتے ہوئے نہیں دیکھا۔ مردنگ پر ٹامل تلینگو اور تلینگی گیت گاتے وقت وہ آہستہ آہستہ چھوٹی الائچی چباتی ہوئی بہت ہی بھلی لگتی۔ اور جب اُس کا دل میرے ساتھ بکھیر ا بازی کو چاہتا تو بلّی کی طرح انگڑائی لیتے ہوئے ٹھنک کر کہتی:

"لانا ذرا اپنے ہونٹ ——————"

میں اس کی چُور سلونی جوانی کو دن رات برت رہا تھا۔ اُس نے میری کوئی بات رد نہیں کی۔ اور سوائے اُن چند گھنٹوں کے جب ہم غار سے لوٹے مجھے اُس کے لئے

زحمت کش فرقتِ انتظار نہیں ہونا پڑا۔

ایک دن میں نے اُس کی پُر تکلف دعوت کی۔ مُرغ کا شوربہ۔ پرول کی ترکاری۔ توئے کا سوپ۔ کابلی پلاؤ۔ میٹھے شیرمال۔ مزعفر۔ باقرخانی۔ اور متنجن پکوایا۔ آج نیش و عیش کی بعد میں ہیری تھی۔ ابھی کھانا ہی کھا رہے تھے۔ کہ بادل گھر کر آگیا اور بارش ہونے لگی۔ میں نے چاندی کے ہتہ والی سماوار میں چین کی ہری چائے منگوائی۔ ہم دونوں بار بار فنجانیں پی رہے تھے۔

پھر تین دن رات تک ہم ایک دوسرے سے الگ نہیں ہوئے۔ بارش ایک سیکنڈ کو بھی نہ تھمی۔ برسات کا سماں بندھا ہوا تھا۔ چوتھی رات جب مینہ کے ساتھ ساتھ اولے پڑ رہے تھے۔ میں نے چائے پیش کی تو اُس کے منہ سے کچھ موسیقی آمیز الفاظ ادا ہونے لگے۔

میڈنگری ــــــ بیلیگری ــــــ اناملی

ٹیلیچری ــــــ نیلگری ــــــ پلائی

میں نے پوچھا:

"کیا کچھ گا رہی ہو؟"

"نہیں تو"

"اور یہ بول"

میڈیگری ــــــ بیلیگری ــــــ اناملی

ٹیلیچری ــــــ نیلگری ــــــ پلائی

تمہیں ٹامل سیکھنی چاہیئے۔ تمہیں ٹامل نہیں آئے گی۔ دیکھو مجھے اُردو اچھی خاصی آتی ہے۔ حیدرآبادی نواب زادیوں کی صحبت سے لہجہ بھی کچھ درست ہو گیا۔

کیا تم نے جغرافیہ پڑھا؟ یہ اُن مقامات کے نام ہیں جہاں کوکو پیدا ہوتی ہے۔

کوکومنگا ڈطاہری۔ کوکو۔

اُسے کوکو کی بھی ایسی ہی لگ گئی جیسے شورا اور شراب کی۔ اُس نے گھنٹی سے ملازم کو بلا کر حکم دیا۔

"اسی وقت تازہ بھُنی ہوئی اور دَلی ہوئی کوکو بنا کر لاؤ۔"

تھوڑی دیر میں کوکو آگئی۔ پہلے اُس نے مجھے دو گھونٹ بھروائے۔ مشروبات میں میں نے آج تک اس سے اچھی کوئی چیز نہیں پی۔ تازہ بھُنی ہوئی اور دَلی ہوئی ہونے کی وجہ سے اِس میں عجیب خوشبو اور ذائقہ تھا۔

میں نے ابھی پون پیالی بھی نہیں پی تھی۔ کہ اُس پر بُری طرح مستی سوار ہو گئی۔ خربوزہ چھُری پر گرنے کا اصرار کرنے لگا ——————— اور جب تک ہمیں پوری آسودگی نہ ہوگئی۔ اُس نے پیالی کو ہاتھ نہ لگایا نہ لگانے دیا۔ اتنے میں کوکو رکھی رکھی برف ہوگئی۔

ملازم کو پھر بلایا گیا۔ اور جب کوکو گرم ہو کر آئی اور ہم پینے لگے۔ تو جواباً چھُری خربوزے میں ٹانکی کرنے لگی۔ اُس نے میرے ہاتھ میں ہاتھ دے کر کہا:

"اب جان بخشی کیجیے۔ آیئے کچھ اور باتیں کریں۔"

اور اُس نے مجھے باتوں باتوں میں تاریخ جغرافیہ کے سبق سنا کر آمادہ کرلیا کہ ہم کل ہی تاریخی یادگاریں اور دھوپ سے نہائے ہوئے مغربی گھاٹ کے ڈھلوانوں کی سیر کو چلیں۔ جہاں بارش کی افراط ہے اور زمین ایسی زرخیز کہ چند ہی سال میں گھنے جنگلات پھیل جاتے ہیں۔ یہ مقامات اوٹی سے زیادہ دور نہیں تھے اور ابھی مینہ کی ٹپاٹپ ہو رہی تھی کہ ہم اوٹی سے نکل کھڑے ہوئے۔

باب ۷

ہم خچر گاڑی پر بیٹھے ہوئے کورگ، ٹراونگور اور کوچین کی اُن پہاڑیوں میں
میں پھرتے رہے جہاں کوکو پیدا ہوتی ہے۔ یہ گویا ہمارا ماہِ عسل تھا۔ میوہ ایسی خوشبو
والی کوکو سے ہوائیں اور فضائیں مست۔ ہم دونوں مست۔ بچہ بہت زیادہ مست۔
میں کچھ کم مست۔

کوکو کے علاقہ کی سیر کے بعد چھالیہ اور ناریل کے درختوں میں پھرتے پھراتے
ہم دھاروار کی طرف سے جنوبی مرہٹہ ریلوے کے ہسپیٹ اسٹیشن پر اُتر کر وجیا نگر
کے کھنڈرات میں پہنچے۔ ہر چہار طرف ملبہ ہی ملبہ نظر آتا تھا۔ شاہی محلّات اور
ٹکسال وغیرہ کی جگہ ملبہ کے پتھروں کے اونچے اونچے ڈھیر تھے۔ درمیان میں جو
صاف میدان پڑا تا وہاں پُرشکوہ درخت، دھان اور نیشکر کی فصلیں کھڑی تھیں۔

اس بے پناہ اور شدید رنج بخش بربادی میں سے گزرتے ہوئے مجھے ایسا لگ
رہا تھا کہ جیسے میں چنگیز، ہلاکو، یا اقوام وینڈل اور گوتھ کا سرگروہ ہوں۔ مجھ پر حسن و
تمدن کو نیست ونابود کرنے کی فردِ جرم لگ چکی ہے۔ دنیا بھر کے صناع، مصوّر، شاعر
مجسمہ ساز، مغنّی، رقاص۔

ہاتھی دانت کا کام کرنے والے سنگ تراش۔ باغبان، پچی کار، دستکار
کندہ کار اور نقاد مستغیث بنے ہوتے ہیں۔ عدالت معائنہ موقعہ کر رہی ہے۔ میں
پا بجولان ساتھ ہوں۔ آگ دہک رہی ہے جس میں گنبد و مینار، طاق و ستون تڑخ رہے

ہیں۔ انسانی گوشت کے جلنے کی بُو آ رہی ہے۔ سنگ مرمر، کلسی اور محرابوں کے سوختہ سیاہ ٹکڑے اڑ اڑ کر فضا میں بکھر رہے ہیں۔ ایک جانکاہ آواز آ رہی ہے کہ اس نے مجھے آگ میں قید کیا ہوا ہے۔ مجھے نکال کر اسے نیست و نابود کیا جائے۔

پھر یہی آواز بیجاپوری کی آواز میں بدل گئی جو کہہ رہی تھی۔

"جس راجدھانی کو میرے نامور بزرگوں نے دو صدیوں میں دلہن کی طرح بنا سجا کر تیار کیا تھا جسے دیکھنے کے لئے سلطان مجاہد بہمنی کی نگاہیں ترستی تھیں جس کی بابت مشہور ایرانی ایلچی عبدالرزاق نے لکھا ہے کہ چشم فلک نے ایسا شہر نہیں دیکھا۔ چار سلطانوں حسین نظام شاہ والی احمد نگر، علی عادل شاہ والی بیجاپور، ابراہیم قطب شاہ والیٔ گولکنڈہ، علی برید والی احمد آباد نے اس کی یہ درگت بنائی کہ جسم کا کوئی حصہ زخموں سے خالی نہیں چھوڑا جس نے اُسے اصل حالت میں دیکھا ہوگا وہ اسے پہچان نہیں سکتا۔ یہاں چھ مہینے کلہاڑے چلتے رہے اور آگ لگائی جاتی رہی۔ یہ چاروں قزاق تالیکوٹہ میں بارہ اماموں کے جھنڈے لے کر نکلے تھے۔

"کماری بیجاپوری۔ ان کے گناہ بخشے جانے چاہئیں!"

"حسین نظام شاہ کے گناہ! جس نے مہاراجہ رام راج کا سر اپنے ہاتھ سے یہ کہہ کر کاٹا تھا کہ اب مجھے تجھ سے بدلہ مل گیا۔۔۔۔۔ اور سر لمبے نیزے پر ٹانگ کر تشہیر کی تھی!

علی عادل شاہ کے گناہ! جس نے مال غنیمت میں بیقۂ مُرغ جتنا ہیرا پایا تھا۔ تالیکوٹہ میں لڑنے والے کسی مسلمان کے گناہ نہیں بخشے جا سکتے۔ اس دن دریائے تنگا بھدرا فرزندانِ وجیانگر کے خون سے سرخ بہہ رہا تھا"

ہسپت ریلوے اسٹیشن سے اتر کر سب سے پہلے ہم ناگلاپورم پہنچے تھے۔ یہ شہر کرشن دیو رائے اعظم نے اپنی چہیتی رانی ناگلا دیوی کے نام پر بسایا تھا۔ ادھر ہی وہ جھیل بھی خشک پڑی تھی جس کی بھینٹ میں ساٹھ انسانوں کو قربان کیا گیا تھا۔

ناگلاپورم سے بیجاپوری اور میں زنانہ غسل گاہ کے پاس سے ہوتے ہوئے ہم وجے بھون پہنچے جس کے آب نوسی پلیٹ فارم پر سنہرا اور جڑاؤ تخت رکھا جاتا تھا اس پر

بیٹھ کر وجیانگر کا راجہ تہواروں کی رسوم۔ ناچ۔ گانے۔ کشتیاں اور طلائی رتھوں کے جلوس دیکھا کرتا تھا۔

عمارت تو یہاں کوئی نہ تھی البتہ محکمہ آثارِ قدیمہ نے ٹین کا بورڈ نصب کر کے جگہ کا تعین کیا ہوا تھا سامنے جگہ بجگہ اونچی زمین پر ملبہ کے ڈھیر پڑے ہوئے تھے۔ بیجو یہاں پہلے کئی دفعہ آچکی ہوگی اس لئے اُسے یہاں کا ذرّہ ذرّہ معلوم اور مانوس تھا۔ وہ کہنے لگی:

"دیکھتے ہو۔ یہ ہمارے دائیں ہاتھ ٹکسال تھی۔ سامنے راج محل اور اُس سے آگے کونسل خانہ۔ دیوان خانہ۔ دفتر خانہ اور فیل خانہ۔ مگر اب یہاں کیا دھرا ہے۔ صرف فیل خانہ کھڑا ہے۔ ظالموں نے کھنڈر تک اچھی حالت میں نہ رہنے دیئے۔ ٹوٹے ہوئے پتھر ہی پتھر پڑے ہیں۔ ظاہری تمہاری قوم بڑی ہی سفّاک۔ ناہنجار اور کٹر ہے۔ تم ان میں سے نہ ہوتے تو اچھا تھا"

اس وقت بیجاپوری کی حالت یہ تھی کہ مجھ سے اس کی طرف دیکھا نہیں جا رہا تھا۔ اُس کی آنکھیں آگ برسا رہی تھیں۔ دونوں ہاتھوں کی مٹھیاں اور ہونٹ سختی کے ساتھ بند تھے۔ ٹھنڈا ٹھنڈا چاند ہمیشہ کے لئے جلتے سورج میں مبدّل ہو گیا تھا۔

میں نے ڈرتے ڈرتے جواب دیا:

"کماری بیجاپوری اگر جنگ تالیکوٹہ میں میں اتحادیوں کا جنرل ہوتا تو ترکِ اسلام کر کے مہاراج رام راج سے آملتا"

"تم ایسا کبھی نہ کرتے۔ میں مسلمانوں کو جانتی ہوں۔ کروڑوں ہندو اس جھوٹ کھانے پینے والی قوم کے مذہب میں شامل ہو گئے۔ جن میں سے ایک میں بھی ہوں مگر کتنے اہلِ اسلام نے ہندو دھرم قبول کیا؟"

یہاں سے اُٹھ کر ٹکسال۔ راج محل۔ کونسل خانہ۔ دیوان خانہ۔ دفتر خانہ اور فیل خانہ کے پاس سے گزرتے ہوئے ہم سپاری بازار پہنچے۔ اس جگہ بھی دکانوں کا نام و نشان موجود نہیں تھا اور صرف محکمہ آثارِ قدیمہ کے بورڈ سے معلوم ہوتا تھا کہ یہاں پان سپاری کی بڑی منڈی تھی۔

بیجاپوری کی طرف مجھ سے ابھی تک دیکھا نہیں جا رہا تھا۔ اور وہ کہتی جا رہی تھی۔۔۔

وجیانگر کے بازار ہاتھیوں اور پبلک سے اتنے بھرے رہتے تھے کہ گھڑ سوار اور رتھیں نہیں گزر سکتی تھیں۔ بہت سی سڑکوں پر اتنا اژدہام ہوتا تھا کہ راہ گیر گزرنے کے لئے دیر تک منتظر کھڑے رہتے یا انہیں دوسرے راستوں سے جانا پڑتا۔۔۔ گودام چاول۔ جو مکئی۔ چنا۔ مونگ۔ اُڑد۔ السی وغیرہ سے بھرے رہتے۔ گندم زیادہ تر مسلمانوں کا کھاجا تھا منڈی میں مرغیاں۔ تیتر۔ مرغابیاں۔ چیسے۔ خرگوش۔ کونجیں۔ نیل سر۔ کبوتر وغیرہ عام ملتے تھے۔ سبزیاں ہر قسم کی تھیں۔ اور میووں میں انار۔ انگور۔ آم۔ پپیتہ۔ خربوزے۔ تربوز اور سنترے تھے۔ سؤر اور بھیڑ کا گوشت بھی ملتا تھا۔ بہت سے بکرے اور مینڈھے اتنے بڑے ہوتے تھے کہ اُن پر زین کس کر لڑکوں کو بٹھایا جاتا تھا۔

اس شہر کا فاصلہ جنوب میں ہسپت سے لگا کر شمال میں آنیگڈی تک بارہ میل تھا۔ اس کی وسعت معلوم کرنے کے لئے پرتگالی سیاح پیز پہاڑی پر چڑھا مگر تمام آبادی اُس کے سامنے نہ آسکی کیونکہ درمیان میں پہاڑیاں تھیں۔ مگر جو اُسے نظر آیا صرف وہ روما جتنا تھا اور آنکھوں کے لئے بے حد حسین۔ یہ شہر ساٹھ میل کے رقبہ میں پھیلا ہوا تھا۔

گھروں اور دکانوں پر انواع و اقسام کی تصویریں بنی ہوتی تھیں۔ بازار بازار میں ذات ذات کے مندر تھے جن کے راج مندروں کو گنجان آبادی سے دور بنایا گیا تھا۔ اُن میں سے چند کے نام یہ ہیں۔ کرشن سوامی۔ ہزارا۔ اماسوامی۔ ویروپکش اور وتھیل سوامی۔

راج محل کے کچھ حصے صرف ہاتھی دانت کے بنے ہوئے تھے۔ چھت سے لگا کر فرش تک ہاتھی دانت ہی ہوتا تھا۔ ستونوں پر گلاب۔ کمل اور عشق پیچاں ایسی کشیدہ کاری ہوتی تھی اور دیواروں پر مختلف حالات زندگی کڑھے ہوئے ہوتے تھے جن میں فقیروں اندھوں۔ پرتگالی ایلچیوں اور بادشاہوں تک کو دکھایا گیا تھا۔ رانیاں ان سے بیرونِ حرم کے حالات معلوم کر لیتی تھیں۔

وجیانگر کے حمام۔ پیرنے کے تالاب۔ قصر۔ بڑے بڑے شوالے اور دوسری

عمارتیں دلکش باغات میں واقع ہوتی تھیں۔

اس شہر کے فن تعمیر کی اہم خصوصیت مجسموں کا وافر استعمال تھا۔ یہ مجسمے عورتوں، شیروں، ہاتھیوں، بندروں، موروں اور گھوڑوں وغیرہ کے ہوتے تھے۔ ناچ گھر کے تمام ستون برہنہ رقصاں عورتوں کے بت تھے۔ اسی محل کی دیوار میں بارہ سالہ برہنہ رقاصہ کا طلائی مجسمہ اپنی باہیں اس طرح کئے کھڑا تھا کہ جیسے وہ ناچ ختم کر رہی ہو۔

شہر پناہ کے پھاٹکوں پر جو گنبد ہوتا اس پر عورتوں، مردوں اور جنگ و شکار کے مرقعے بنے ہوتے تھے۔ جتنا گنبد اونچا ہوتا جاتا اتنے ہی یہ مرقعے سائز میں گھٹتے جاتے۔ میرے بزرگوں کے محلات کے مقابل بیدر، بیجاپور، احمد نگر اور گولکنڈہ میں کوئی چیز نہ تھی۔ ایک بات مجھے تسلیم ہے کہ وجیا نگر کی سول یعنی غیر مذہبی عمارتوں میں نوکدار مودوی محرابوں کی بہتات تھی، جو کام بھی لینا ہوتا محراب سے لیا جاتا لیکن مندر محرابوں سے خالی تھے

وجے بھون فتح اڑلیسہ کے بعد تیار کیا گیا تھا۔ یہ عمارت فیل نما ستونوں پر کھڑی تھی اور اس کے دوسرے پلیٹ فارم پر بیٹھ کر راے شاہی رسوم دیکھا کرتا تھا۔ وجے بھون کی دیواریں فیل نما ستون اور چھت سنہری زری سے کڑھے ہوئے قیمتی فرش و فروش سے مزین کی جاتی تھی۔ نچلے پلیٹ فارم پر راج کمار بیٹھتے تھے۔ خواجہ سراؤں کی قطاریں ان کے نزدیک ہوتی تھیں۔ سامنے کھلی جگہ پر لڑکیوں کا ناچ گانا اور راہی کی کشتیاں ہوتی تھیں۔

دوپہر کو راے طلائی زنجیروں سے لٹکتے ہوئے چھپر کھٹ میں سوتا تھا۔ اس چھپر کھٹ کے طلائی پایوں میں جواہرات جڑے ہوتے تھے اور چھت پر تیر و کمان والی سپہ گر عورتوں کی تصاویر ہوتی تھیں۔

وجیانگر کا کوئی بیان اُس کے تہواروں بغیر مکمل نہیں ہو سکتا۔ ایک تہوار دہ تھا جیسی دوڑ تھیں نکالی جاتی تھیں۔ اس جلوس میں ملک بھر کی ناچنے گانے والیاں حصہ لیتیں۔ شہر رقص و موسیقی سے اُبلنے لگتا۔ کچھ معتقدین رتھ کے پہیوں تلے آ کر مر جاتے اور کچھ اپنے جسم چھید کر رسّے پروتے اور رتھ میں لٹک کر جان دے دیتے۔

دوسرا تہوار دریائے تنگا بھدرا کا نہان تھا۔ وجیانگر والے تین دن تک عمدہ عمدہ

کپڑے پہن کر ناچتے گاتے اور مندروں میں شب و روز دیپک جلاتے۔"

پان سپاری بازار سے ہم مغرب کی طرف چلتے ہوئے ہزارا راما سوامی اور کرشنا سوامی مندر گئے۔ بیجاپوری اب تک انیٹھی انیٹھی تھی۔

جب شولنگ مندر پہنچے تو وہاں ہماری نگاہ دیوتا شِو اور دیوی درگا پر پڑی۔ یہ دونوں تعلقاتِ زناشوی میں منہمک تھے۔ شِو نشہ میں مست و بے ہوش تھا۔ برہما، وشنو اور دھنیش جیسے جلیل القدر دیوتا انہیں کھڑے دیکھ رہے تھے مگر شِو کو ذرا بھی شرم نہیں آرہی تھی۔

یہ مورتیاں بھی مسلمانوں نے توڑ دی تھیں مگر معتقدین نے انہیں پلاسٹر سے جوڑ کر پھر شولنگ مندر میں قائم کر دیا تھا۔

یہ کھلی بے حیائی دیکھ کر بیجاپوری نے مُنہ دوسری طرف پھیر لیا۔ میں نے پوچھا:

"یہ کیوں؟"

"یوں ہی"

"یوں ہی نہیں بلکہ اس لئے کہ دیوتا اور دیوی کے شغل میں کھنڈت نہ پڑے۔"

میں نے اُس کا سر پکڑ کر منہ مورتیوں کی طرف کر دیا۔ اُس نے آنکھیں بند کر لیں مگر اُس کے عدل گسترانہ چہرہ پر شگفتہ خندہ نمودار ہو گیا تھا۔ لُو نسیم سحر بن چکی تھی۔ اور جلتا سورج ٹھنڈا ٹھنڈا چاند۔

اب جو میں نے غور کیا تو پتہ چلا کہ دیوی درگا تو بڑی ابلہ، نازک اور مُوے میاں تھی مگر دیوتا شِو بہت توانا اور قوی ہیکل۔ ایک سیر تھا تو دوسری چھٹانک۔ دیوی کے بُشرے سے آثارِ کرب نمایاں تھے اور دیوتا ہمہ مست و مسکرہ تھا۔ شِو دیوتا کے ہونٹ دیوی درگا کے ہونٹوں سے مسرّت کشید کر رہے تھے۔ دیوی درگا نے دیوتا کو اس طرح سے لپٹا رکھا تھا کہ ظلم ہائے زمانہ اِس حالت سے سبق حاصل کریں۔

میں نے دوبارہ بیجاپوری کو چھیڑا :

" اگر بہمنی سلطانوں نے ایسے ایسے آثار مٹا دیئے تو کچھ بُرا نہ کیا۔"

"مٹانا چاہتے تھے مگر مٹا نہ سکے۔"

" اگر مٹا سکتے تو اچھا ہوتا یا بُرا؟"

" نہ اچھا نہ بُرا"

" تم ہندو دھرم کی ہر قباحت کے لئے کوئی نہ کوئی جواز پیش کر دیتے ہو۔ کچھ اس کے لئے بھی تمہارے پاس ہے۔"

" ہے۔ اور بہت کچھ۔

لنگ خود شیو ہے۔ لنگ پرتھوی سے پہلے پیدا ہوا۔ ہر شے اس سے پیدا ہوئی اور یہ کسی سے نہیں۔ جو لنگ کی مورتی پتھر کی بنائے گا اُسے سات گنا ثواب ملے گا۔ جو چاندی کی بنائے گا اُسے چودہ گنا اور جو سونے کی بنائے گا اُسے اکیس ۲۱ گنا۔

اگر کوئی بانجھ استری ماتھے اور پیڑو پر قشقہ سے لنگ بنا کر بھوگ کرائے تو لڑکا پیدا ہو۔

لنگایتم۔ بیلاری اور رامیشورم کی عورتیں لنگ کی اتنی پوجا کرتی ہیں کہ وہ بینگن۔ انڈے۔ آلو۔ کیلا تک نہیں کھاتیں کیونکہ یہ لنگ کے مشابہ ہیں۔ یہ دیوی درگا کی "یونی" یعنی استری لنگ کی بھی پوجا کرتی ہیں اور پیاز اس لئے نہیں کھا سکتیں کہ اس کے مرکز کا چھوٹا سا حصّہ "یونی" ایسا ہے۔"

" اب کچھ وجیا نگر کی دیوداسیوں کا ذکر بھی ہو جائے۔"

" جس وقت دیوتا پر بھوجن چڑھایا جاتا تو مندر کی دیوداسیاں سامنے کھڑے ہو کر ناچتی گاتیں۔ ان لڑکیوں کی بود و باش کے لئے شہر کے معزز ترین حصّے وقف تھے۔ ا نہوں کے سامنے کسی کو پان کھانے کی اجازت نہیں تھی مگر یہ محل میں جا کر ان کے پان کھاتیں۔ پان تو ہر وقت ہی اُن کے منہ میں رہتا تھا اور بہت سی سُور کا گوشت اور شراب بھی استعمال کرتی تھیں۔"

"ان کا چال چلن کیسا ہوتا تھا"

"بہت بُرا۔ اِن کے جو لڑکا پیدا ہوتا اُسے گلا گھونٹ کر مار ڈالتیں اور لڑکیوں کو مندروں کے نام منسوب کر دیا جاتا۔"

"کچھ رانیوں کی بابت بھی سننا چاہتا ہوں۔"

رائے کی رانیاں بہت سی ہوتی تھیں مگر چہیتی ایک یا دو سے زیادہ نہیں۔ کرشن دیو رائے اعظم زمانۂ شہزادگی میں ناگلا دیوی سے مبتلا ہو گیا تھا جو طوائف تھی۔ بعد کو اس نے ناگلا دیوی کے نام پر یہ شہر ناگلا پورم آباد کیا۔

محل میں رائے تنہا رہتا تھا۔ جب اُسے کسی رانی کی چاہنا ہوتی تو خواجہ سرا کو اُسی رانی کے پاس بھیجتا۔ خواجہ سرا کو رانی کی ملازمہ ملتی تھی اور پھر تو رانی وہاں پہنچ جاتی جہاں مہاراجے ہوتا یا مہاراجے وہاں آجاتا جہاں رانی ہوتی۔ یہ طریقہ اس لئے اختیار کیا گیا تھا کہ دوسری رانیوں کو ملاقات کا پتہ نہ چل سکے۔

ہمیں شولنگ مندر میں کافی دیر ہو گئی تھی۔ اِدھر اُدھر دیہاتی بھی پھر رہے تھے کیونکہ مندر گاؤں میں ہی تھا۔ اس لئے ہم یہاں سے نرسمہا کا دیوہیکل بُت دیکھنے چل دیئے۔ یہ بہت ہی بدصورت تھا۔ مسلمان اس کے صرف ہاتھ توڑ سکے تھے بقیہ تقریباً سالم تھا۔ پھر ہمپے اور پمپاپتی سوامی کے مندروں کی زیارت کرتے ہوئے وجیانگر کے حسین ترین رُپاسالہ (عبادت گاہ) وٹھل سوامی مندر میں جا نکلے۔

وٹھل سوامی مندر کے صحن میں کھڑے ہو کر اُس نے کئی گیت گائے اور قد آدم کرسی والے دورویہ برآمدوں میں پھرتے ہوئے اُس نے وہ بے حیائیاں دکھائیں کہ جیسے وہ تانیس کا پٹہ تڑا کر تذکیر کے قلمرو میں آچکی ہے۔ یہاں ایسا ہُو کا عالم تھا کہ ہم اپنے تیز تیز سانسوں کی صدائے بازگشت سُن سکتے تھے۔

بیجو ہمیشہ کی طرح چھوٹے چھوٹے سانس لے رہی تھی۔ اُس نے اپنے تمام کپڑے اتار رہے ہوئے تھے اور مجھ سے کہہ رہی تھی:

وجیانگر کے سپاہی رن بھومی میں ننگے لڑتے تھے تاکہ دشمن کی پکڑ میں نہ آسکیں۔ اس کا

تجربہ ہونا چاہیئے۔ میں وجیانگر کا سپاہی ہوں۔ تم دشمن۔ مجھے پکڑو۔"

میں نے اُسے کئی مرتبہ پکڑا مگر وہ بسبب برہنگی آسانی سے چھوٹ گئی کیونکہ ہاتھ اُس کے چکنے چکنے بنڈے سے پھسل پھسل پڑتے تھے۔ دُلہن کو تو ہفتوں مایوں بٹھا کر ٹبنا ملتے ہیں کہ اُس کے جسم میں باس پیدا ہو سکے مگر بیجو ویسے ہی خوشبو دار تھی۔

بعد کو اُس نے مجھے قمیض یا پتلون سے بار بار پکڑا۔ پر میں اُس سے چھٹکارا نہ پا سکا وہ مجھے اس وقت مجامعت کے اُن مرقعوں میں کی ایک عورت معلوم ہو رہی تھی جو بُدھوں کے غار میں دیکھے تھے۔ اُس کے کُولھے بھرے بھرے تھے۔ کمر پتلی مگر بے حد پیدی میں شب دیجور کو شرمانے والی مستانی پتلیوں نے پلکوں کو دور ہٹا رکھا تھا اور تیز تیز نوکیلی کچوں پر عرصۂ حیات تنگ کرنے کے لئے انگیا موجود نہ تھی۔

وِٹھل سوامی مندر میں مجھے بھوک کافی لگ آئی تھی۔ ہم نے مہاراجگانِ وجیانگر کی بنائی ہوئی پختہ گول کے کنارے چٹان پہ دستر خوان بچھایا۔ جن الجھی ہوئی بیلوں کے پردے میں ہم تھے اُن پہ چھوٹے چھوٹے سفید دھتورے نما پھولوں کا میلا لگا ہوا تھا اور ان پھولوں کے منہ پہ آکھ ٹِڈّے کی مونچھوں ایسے سُرخ سُرخ سوت ابھرے ہوئے تھے۔

بیجو نے اِس چٹان پر سری کرشن اور رادھا کے بے باک معانقہ کی ایک تصویر دریافت کر لی۔ اور جب اس پہ پانی چھڑکا گیا۔ اِس کے رنگ سونے کے اُجلے ہوئے زیور کی مانند چمک پڑے۔

ہم نے سیب اور لال اِملی کا مُربّہ۔ لگرونڈوں کا اچار۔ نورتن کی چٹنی۔ نیم کے پھولوں کا مائل بہ تلخی شہد، سیاہ توت کی جیلی۔ کیلے کا حلوہ۔ آم۔ بھنی ہوئی بٹیریں اور جنگلی کبوتر کا شوربہ کھایا اُس پانی کے کچھ گھونٹ پی کر جس میں سونٹھ۔ زیرے اور ادرک کی لونی تھی۔ گول کے صاف و خنک پانی سے پیاس بجھائی اور پھر ذرا کو آنکھیں بند کر کے لیٹ رہے۔

مجھے سخت نیند آ رہی تھی مگر بیجاپوری نے میرے دونوں ہاتھ پکڑ کر زبردستی اٹھا لیا اور ہم دریائے تنگا بھدرا کی سمت پہاڑیوں میں روانہ ہو گئے۔

قریب عصر ہم پہاڑ پر ایک بلند و دشوار جگہ کھڑے ہوتے تھے۔ یہاں پہ ندا اور بندر

ہی پہنچ سکتے ہوں گے۔ ہم میں گفتگو ہو رہی تھی:

"طاہری۔ دیکھ رہے ہو، صرف ملبہ ہی ملبہ ہے۔ کھنڈرات تک تقریباً مفقود ہیں۔۔ دہلی کئی دفعہ اجڑی اور کئی دفعہ بسی۔ مگر حیف یہ شہر ایک دفعہ میں ہی ایسا اُجڑا کہ پھر نہ بس سکا۔ یہ شمال میں تیز رو دریا کے پار قصبہ آنیگنڈی کے آثار پھیلے ہوئے ہیں۔ جب آپ کی بہادر قوم نے وارنگل کی ہندو ریاست ختم کی، تو وہاں سے آئے ہوئے دو بھائیوں نے ان پہاڑیوں میں اسلام کے خلاف یہ گڑھ قائم کیا تھا۔ رائیوں کی سلطنت آنیگنڈی میں ہی مستحکم ہونی شروع ہوئی تھی۔ وجیانگر بعد کو آباد کیا گیا۔

آنیگنڈی اور وجیانگر میں کافی آنا جانا تھا۔ دریا عبور کرنے کے لئے ہزارہا گول گول ٹوکرے نما کشتیاں موجود ہوتیں۔ ان کے باہر ڈھول کی طرح چمڑا مڑھا ہوا ہوتا اور اندر مالا باری بینت کی رنگین اور خوبصورت بناوٹ۔ ان کشتیوں میں بیک وقت پندرہ بیس افراد بیٹھ سکتے تھے اور ملکہ بیل اور گھوڑے بھی مگر یہ مویشی عموماً تیر کر پار پہنچ جائے۔ وجیانگر کے مچھی ہٹے کے لئے مال اسی دریا سے پکڑا جاتا تھا۔

طاہری تمہیں یہ سفید اور سپاٹ پتھروں کی سی لگی ہوئی پہاڑیاں تمہیں اچھی نہیں لگتیں؟ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے یہ سلسلے زمین سے غیر متعلق ہوا میں معلق ہوں۔ شہر انہی پہاڑیوں کے درمیان آباد تھا۔ اور یہیں وہ بہت سی جھیلیں تھیں جن سے آب پاشی کا کام لیا جاتا۔

"طاہری تم ناگلا دیوی کو جانتے ہو؟"

"نہیں"

"وہ ہند جنوبی کی ممتاز محل ہے۔ ایک کے لئے شاہ جہان تاج محل بنا کر رہ گیا۔ دوسری کی محبّت نے کرشن دیو رائے اعظم سے شہر ناگلاپورم کی بنیاد ڈلوائی۔ آج تک سوائے ناگلاپورم کے شاید ہندوستان میں عورت کے نام پر کوئی بڑا شہر نہیں بسا۔

نئے شہر میں درباریوں تک کی اقامت گاہوں پر راج محل کا گمان ہوتا تھا ہر ایک عمارت کے ساتھ پائیں باغ۔ حوض اور فوّارے تھے۔ فصیل شہر بھی وجیانگر کی طرح پتھر کی بنی

ہوئی تھی اور اس کے بہت سے بازاروں میں ایک بازار سوا میل لمبا اور چالیس قدم چوڑا تھا مغنیہ طوائف ناگلا سے کرشن دیو شہزادگی میں ہی مبتلا ہو گیا تھا۔ یہ بات ٹھہر گئی تھی کہ کرشن وجیا نگر کا مہاراجہ بنے تو ناگلا سے بیاہ کرے۔

کرشن دیو وجیانگر کا مہاراجہ بن گیا مگر وعدے پورے نہ ہو سکے۔ مگر دونوں کے میل ملاپ میں کمی واقع نہیں ہوئی۔

ایک رات جب مانسون گھٹائیں بحیرہ عرب کا آدھا پانی وجیانگر پر برسانے کو تھیں۔ اندھیرے کے سبب مالا بار کے پہاڑی جنگلوں میں بلّوں اور چیتوں تک کو کچھ سجھائی نہیں دے رہا تھا۔ ٹھنڈی ٹھنڈی بچھار چل رہی تھی۔ پُن کر کے چھوڑے ہوئے بچار حفظِ ماتقدم کے لئے چھتوں تلے آن کھڑے ہوئے تھے اور تیز ہوا سے تنگا بھدرا کا پانی کناروں سے باہر بکھر رہا تھا۔ وجیانگر کے راجے۔ دکھشن پورب پچھم سمندر پتی۔ راس کماری سے لگا کر بنگالہ تک کے ملک کے تنہا مالک کو نیند نہیں آ رہی تھی۔

پھر وہ محل سے نکل کر پہلے تو شہر کوتوالی کی طرف گیا جو ٹکسال کے سامنے مشرق میں تھی۔ اور جہاں بیک وقت بارہ سو کانسٹیبل رہتے تھے۔ وجیا نگر کے محکمۂ پولیس کا تمام خرچ پاتر ہٹے کے جزدی ٹیکس سے پورا ہو جاتا تھا۔ یہاں سے جب وہ پلٹا تو اُس کے قدم تیز تھے۔ اب وہ مغرب کی سمت ٹکسال کے پیچھے پاتر ہٹے میں پہنچ گیا جہاں دنیا کی حسین ترین عورتیں رہتی تھیں بجلی کی چمک سکینڈ بھر کے لئے شیروں، چیتوں وغیرہ کی ان تصویروں کو چمکا دیتی تھی جو عالی شان دو رویہ عمارتوں پر اس کاری گری سے بنی ہوئی تھیں کہ زندہ کا شبہ ہوتا تھا۔ اندر بے انتہا سجے ہوئے کمروں میں مسندوں پر بیٹھے ہوئے وجیانگر کے درباری اور کروڑپتی رقص و سرود میں مگن تھے۔ مگر ایک گھر میں عالم سکوت طاری تھا۔

مہاراجے اس گھر میں داخل ہوتے ہی ناگلا دیوی کو ہندوانہ فیشن میں ہاتھ جوڑ کر سلام کیا۔ میزبان جواب تو کیا دیتی اُس نے تو نہ ان کا خیر مقدم کیا اور نہ پان پیش کئے۔

ناگلا شہنشاہ سے خوش نہ تھی۔ وہ شادی کو ٹال رہے تھے۔ پھر کرشن دیو رائے اعظم

نے گانے کی فرمائش کی۔ اس کا بھی کچھ اثر نہ ہوا۔ تڑاق پڑاق۔ نین متی۔

گونگی بہری بن گئی تھی۔ ملازم تک خاموش اور لاتعلق تھے۔ مجبور ہو کر مہاراجہ نے آپ وینا اٹھائی جس کے وہ ماہر تھے اور راگ چھیڑا۔ اس پر ناگلا نے پہلے تو چنچل بھری انکھیوں سے دیکھا پھر مسکرائی۔ قہقہہ لگایا۔ تالیاں بجائیں اور آخر میں مست ہو کر ناچنا شروع کر دیا۔ اُس نے گوکھرو۔ کناری۔ لچکے اور گوٹے سے جھلجھلاتے اور براتے کی گوٹ والے لہوا کا چھپے پر قرمزی انگیا پہنی ہوئی تھی۔ ادھ کھلی گول گول گوری گوری پنڈلیاں۔ صراحی دار گھنگرو۔ اور ہاتھ پاؤں پر مہندی کی کولی مہاراجہ کو لا یعقل بنائے دے رہی تھیں لمبی کھجوری چوٹی میں پٹاپٹی کا موبات تازہ پھول کی طرح کھلا ہوا تھا گھونگروں کی چھنک اور طبلے کی امک دھمک سے در و دیوار وجد میں تھے۔

. مہاراجہ ناگلا سے ہزار ہمکلام ہونا چاہتے تھے مگر وہ تو تادم آخیراں بولا رانی بنی رہی۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ویسے اس کی ہر چیز۔ ہونٹ۔ رخسار اور کیا کیا کچھ مہاراجہ کے لئے حاضر تھے۔ ایک شے نہیں تھی تو امرت بانی۔ اور کن رس۔

اُس رات ناگلا نے اپنے ہونٹ اور ان کے کتّے تو چھوائے مگر اُس نے انہیں سختی کے ساتھ بھینچ کر پتھر بنا لیا تھا۔ کرشن دیو رائے اعظم نے اُس رات لامسہ۔ شامہ۔ باصرہ ملکہ جنسیہ تک کے پورے پورے لطف اٹھائے مگر سامعہ سے کلیتاً محروم رہا۔ آج ناگلا اپنا دھبے ہمرا پن بھی نہیں دکھا رہی تھی جس سے مہاراج بے مارے مرجاتے تھے۔ آج بھڑاس نکالتے وقت تک اُسے ادب شاہی زیادہ ملحوظ تھا۔ مگر اس تکلّف اور رُکے رُکے پن سے وہ کرشن دیو کو اور بھی چھل رہی تھی۔ نیم کے پھولوں کی خوشبو ذرا تلخ تھی پھر بھی خوشبو۔ کھٹّے کے پھول آمد بہار میں مہک رہے تھے۔ اُن کی باس میں کچھ ترشی کی ملونی تھی۔ مگر تھی پھر بھی خوشبو۔

جب وہ چلے تو رات تھوڑی باقی تھی۔ نکھرے ہوئے آسمان میں تارے بکھرے ہوتے تھے۔

کچھ دُور چل کر مہاراجہ نے پوچھا:

"ہمارے پیچھے کون آرہا ہے؟"

"مہارائے کا پردھان منتری"۔

"کیوں"؟

"حضور! وجیا نگر کے تاج میں پاتر ہٹے کا ہیرا نہیں سج سکتا"۔

"سجے گا"۔

"حضور اس میں بڑی گھٹنائیاں ہیں"

"ہم گھٹناتیوں سے نہیں ڈرتے"

"حضور آپ کنوارے ہیں"

"ہوں"

"تو کانچی ورم کی راجکماری کے بعد حضور اُسے بھی رن واس میں لے آئیں"

"اگر وہ نہ مانے"؟

"حضور کا بچن صرف بیاہ کا ہے۔ پہل اور دوسرا یت کا نہیں۔ بیاہ ہو جائے گا۔ وہ میرے کہنے سے تیار ہو جائے گی"۔

تو طاہری گو ناگلا سلطنت وجیا نگر کی دوسری رانی بنی مگر کرشن دیو رائے اعظم کے لئے وہ اوّل تھی۔ کیونکہ اُسی کے لئے شہر ناگلا پورم بسا اور پاتر ہٹے کے قریب ٹکسال میں اُس کے نام کے سکّے ڈھلے۔

طاہری اگر کوئی مجھ سے کہے کہ جتنی دنیا گزر چکی اُس میں سے کس کو ملنا چاہتی ہو تو کہوں کہ کرشن دیو رائے اعظم کو۔

"تم کسی سے ملنا چاہتے ہو"؟

"میرے سب زندہ ہیں"

"کون کون"؟

"شگنی۔ وہاب۔ کوکب۔ کشتی۔ نذرانہ اور نرگسی شہزادی"

"یہ کہاں سے نکل پڑیں طاہری۔ میری مدّمقابل۔ خیر اس میں کوئی ہرج نہیں۔ وجے نگر کے رائے ہمیشہ بہت سی رانیاں رکھتے تھے۔ جو کرشن دیو رائے اعظم نے کیا وہ

غلط نہیں ہو سکتا میں ان سب کو برداشت کر سکتی ہوں۔"

اس وقت شمال میں آئینگنڈی کی سفید سفید پہاڑیوں پر یلپسٹ سیاہ گھٹائیں طاری ہو گئیں۔ اور دریا پار بڑے زور کا مینہ برسنے لگا۔ ٹھنڈی ہوا زور شور سے چل رہی تھی مگر ہم ابھی تک اُسی جگہ کھڑے ہوئے تھے جہاں بادی النظر میں پرندا در بندر کے سوا کوئی نہیں پہنچ سکتا۔

ٹھنڈی ہوا کے جھونکے چل رہے تھے اور بیجو کچھ گا رہی تھی۔

پھر اُس نے مجھ سے سوال کیا:

"میں کیا گا رہی ہوں؟"

"مجھے کیا معلوم"

"وجیانگر کی سات دیواروں کا گیت جو پہاڑیوں کے اوپر تک بنی ہوئی تھیں۔ ان میں سے آخری دو فصیلوں کے درمیان دو ھیا بھون۔ پاٹ شالے۔ دھرما تماؤں کی کٹیاں۔ باغات۔ نہریں۔ دھان اور نیشکر کے کھیت۔ دھرم سالے۔ اور چھوٹے چھوٹے طلسمی نقش و نگار والے مندر تھے۔

ہندو دھرم میں سات کا ہندسہ متبرک ہے اور جس طرح سات رشی۔ سات سمندر سات ستارے متبرک ہیں اسی طرح اس شہر کے یہ سات خطوطِ دفاع بھی متبرک تھے۔

"طاہری اگر وجیانگر آج اپنی اصلی حالت میں ہوتا تو کیا ہوتا؟"

"تمہارے سوالوں کا کیا جواب دوں۔ کیا خبر کیا ہوتا؟"

"میں تمہیں اُس کا مہارانی بنا دیتی۔"

"مگر میں تو مسلمان ہوں"

"ہندو بنا لیتی"

"ہرگز نہ بنتا"

"ہرگز نہ بنتا! میں دیکھتی کہ کیسے نہ بنتے۔
تمہیں سات کا عدد پسند ہے؟"

"پھر وہی عجیب سوال"

"مجھے پسند ہے، اور اس لئے۔۔۔۔"

اُس نے میرے ہونٹ اپنے منہ میں لیتے ہوئے کہا۔۔۔ "ایک"

دونوں رخساروں کو چومتے ہوئے بولی۔۔۔۔۔۔ "دو، تین"

آنکھوں کو گیلی کرتے ہوئے کہا۔۔۔۔۔۔۔ "چار، پانچ"

پیشانی پر بوسہ دیا تو بولی۔۔۔۔۔۔۔۔ "چھے"

ٹھوڑی کی باری آئی تو کہا۔۔۔۔۔ "اور یہ سات"

جس وقت وہ سات کا لفظ ادا کر رہی تھی تو یک لخت باز کے پنجہ سے جیتا جاگتا کبوتر بیجا پوری کے سر پر پٹ سے آگرا۔ وہ ضرور نیچے گر کر مر جاتی مگر میں نے اُسے تھام لیا اور کہا:

"مجھے ہندو نہ بناؤ۔ ابھی کچھ سے کچھ بن جاتا۔ اور ڈر گئیں نا؟

"ڈر تو گئی طاہری۔ اتنی اونچائی سے گرتے ہوئے تو ہر ایک کو ہی ڈر لگتا ہے۔"

پھر اُس نے کہا:

"سجن میں آج تمہیں اپنے دل کی بات سناتی ہوں۔ بھلا جب میں کٹاؤ میں تمہارے بوجھ سے دبی جا رہی تھی تو میں نے تمہیں کھڈ میں کیوں نہیں گرایا تھا؟"

"معلوم نہیں"

"اگر تم گر جاتے تو میں کیا کرتی؟ ستی تو تم پہ کیا ہوتی"

"کیوں ہوتیں"

"کہہ دیا کیوں ہوتی۔ کچھ سمجھ کر کہا تھا سلطنت وجیا نگر میں ستی کا رواج عام تھا۔ دھوا کو بھگوے کپڑے پہناتے۔ اس کا ایک ہاتھ سمندھیوں کے ہاتھ میں ہوتا اور دوسرے ہاتھ میں ہری ٹہنی۔ پھر وہ گاتی ہوئی دوڑ کر چتا میں کود پڑتی۔

مگر تم میرے پتی نہیں۔ اس لئے میں تم پرستی تو نہ ہو سکتی۔ تو پوچھو اور کیا ہوتا۔۔۔ گیان دوڑاؤ"

"گیان نہیں دوڑتا"

"میں بھی تمہارے ساتھ ہی گر کر مر جاتی طاہری جان!"

یہ کہتے کہتے اُس نے کمال محبت سے بُری طرح مچ مچا کر مجھے اپنے آپ سے لپٹا لیا اور میں سوچ رہا تھا کہ واقعی اتنی الفت تو جودھا بائی کو جہانگیر سے نہ ہو گی۔ اُس وقت اُسے سات کے عدد کا بھی خیال نہیں رہا تھا۔ وہ میرے ہونٹوں پر ہی مست و خراب تھی۔

پھر اُس نے ذرا مُنہ ہٹا کر کہا:

"جب آپ ہی نہ رہتے تو بے چاری بیجو ہی زندہ رہ کر کیا کرتی۔ مجھے آپ وجیانگر سے بھی زیادہ پیارے ہیں۔ ماں۔ باپ۔ بھائی۔ بہن کو میں وجیانگر پر نچھاور کر سکتی تھی اور تم پر آپ وجیانگر کو۔ دیکھو میں کیسی بے سمجھ ہوں۔ غدّارِ ملک ایسے ہی ہوا کرتے ہیں۔

یہ تو میں یونہی بر سبیلِ تذکرہ کہہ رہی تھی۔ میرا اصل منشا یہ تھا کہ وجیانگر بھی خوب سہی سلطنت تھی۔ اور آپ بھی خوب ہیں۔

جو چیز ہاتھ میں تھی اور ہاتھ سے نکل گئی اس کا دُکھ ضرور ہوتا ہے۔ مگر جو ہاتھ میں ہو اور ہاتھ سے نکلنے لگے اُس کا دکھ زیادہ ہوتا ہو گا۔

اگر میں خود ہی وجیانگر ہوتی جس نے زائد از دو سو سال تک مسلمانوں کو جنوب کی طرف نہ بڑھنے دیا تھا اور تم جیسا کوئی مسلمان محاصرہ ڈالنے آتا تو میں اس کے سواگت کے لئے کل پھاٹک کھُلوا دیتی۔"

اس وقت بادل آنیگنڈی کی پہاڑیوں میں برس برسا کر دریائے تنگابھدرا عبور کر کے ہمارے سروں پر آگیا تھا اور جب بے تحاشا بارش ہونے لگی تو ہم دوڑ کر چھوٹے سے مندر میں چلے گئے۔ یہ مندر کیونکہ بینی کوہ پر تھا اس لئے مسلمان اسے گزند نہ پہنچا سکے۔ اس کی مورتی تک بجنسہٖ موجود تھی۔ چھوٹے گمٹ پر پیتل چڑھا ہوا تھا اور کلس چمکدار تھے۔

یہاں اُس نے کھڑکی میں بیٹھ کر اپنے آباؤ اجداد کے آثارِ صنادید کی طرف حسرت آلود

نظروں سے دیکھا اور ٹامل میں بطرز سوز شہر آشوب دجیا نگر کا مرثیہ گایا۔ اس کی لاچار صورت دیکھ کر پہلے تو مجھ میں جذبہ ہائے ترحم پیدا ہوئے مگر بعد کو دل سنسانے لگا اور بدیاں شروع ہوگئیں۔ یہ پہلا موقع تھا کہ بیجی کی جانب سے داد نہیں مل رہی تھی۔ کپڑے تھے تو جہاں تھے، تھے اور جسم تھا کہ جہاں تھا، تھا۔ وہ خبر نہیں کیا سوچ رہی ہوگی۔ مگر چند لمحے ہی گزرے تھے کہ اس کا جوش جاگ اٹھا اور وہ گٹکریاں سی لینے لگی۔

جب پانی ٹھہر گیا۔ آینگنڈی کی سفید پہاڑیاں سیاہی میں سے بازیاب ہوگئیں اور ان کے پیچھے آسمان کا نیل چمکا۔ تو میں نے کہا:

"اب چلنا چاہیئے۔"

"چلیئے جب بھی واہ نہ چلیئے تب بھی واہ۔ میرے لئے دونوں برابر ہیں۔"

"کیوں"

"ظاہری میرے دل ہیں تو اپنی کھنڈرات میں تمہارے ساتھ عمر بسر کرنا چاہتی ہوں صرف ایک تمنا ہے۔"

"وہ بھی سناؤ بیجی"

"سنو گے تو ہنس پڑو گے میری جان ے

WOULD YOU AND I WERE FOR AWAY

KEEPING FLOCKS ON HIMALAY.

(کاش تم اور میں دور دراز ہمالہ پر گلے چراتے ہوتے)

"یہ تمنا تو میری بھی ہے۔ شاید کبھی پوری ہو جائے۔"

"ایک دوسری تمنا بھی ہے۔ وہ سناؤں گی تو ہنسو گے پیارے"

"سناؤ بیجی"

"ہم دونوں لاسا جا کر دلائی لاما کے پاٹولا محل میں باہم رہنے لگتے اور بالکنی میں کھڑے دنوں کو ہسار دیکھا کرتے۔"

میرے دل میں خبر نہیں کیسی کیسی خواہشیں ہیں۔ پورٹ آرتھر جاتی جہاں جاپان نے روس

کو ہرایا تھا۔ اور وہاں سے ایک سپاٹے میں کیسا بلانکا۔ اس کے ساحل سے بحر ظلمات کی وسعتوں پہ نظر دوڑاتی۔ سامنے سینیٹ ہلینا ہوتا جس میں نپولین قید ہے۔ اُسے چھڑا کر پھر فرانس کا تاجدار بناتی۔ لڑائی کے جھنجھناتے ہوئے میدان جنگ میں مجھے یونانی اقلس ملتا۔ اُسے ہیکٹر کے قتل سے روکتی۔ پھر تمہارے ہمراہ ناروے کے دندانے دار ساحلوں پر بیٹھ کر مچھلی کا شکار ہوتا اور گرین لینڈ پہنچتے۔ وہاں اسکیمو قوم کے خیموں میں ہمارا وقت خوب گزرتا۔

پھر جمیکا کے دارالحکومت کنگسٹن میں آتے جہاں ڈیوک آف ونڈسر بحری جہاز سے اُترتا ہوا ہوتا تو اچپل چلبلیں میٹھی چتونوں سے دیکھتے ہوئے گاتی ہوتیں۔

It was love and love alone
That made King Edward leave Throne.

محبّت۔ محبت۔ محبت کے کارن چھوٹا شاہ ایڈورڈ سے تخت برٹین

آخر میں ہم استوائی افریقہ کے دوامی جنگلوں میں چلتے جہاں شیر، چیتے، ہاتھی اور گوریلے چپہ چپہ پر گھومتے پھرتے ہیں۔

پر مجھے نیو گنی بھی تو جانا ہے۔ یہاں کوکو کانی اور کیلا ہوتا ہے۔ مجھے کوکو اور کیلا اچھے لگتے ہیں۔ اس جزیرہ کے پہاڑوں کی سب سے اونچی چوٹی سولہ ہزار فٹ ہے۔ اس پر جا کر ترنگے کا جھنڈا گاڑ دیتی۔

جب ہم اسٹیشن کو چلے تو تنومند درختوں پر بسیرا کرتی ہوئی چڑیاں بول رہی تھیں۔ اگرچہ اتنا پانی پڑا تھا مگر ان کی آواز ایسی لگتی تھی کہ جیسے علاقہ کے تالاب، جھیلیں اور کنوئیں سوکھ گئے اور یہ پیاس کے مارے لوکھلا رہی ہیں۔ اسٹیشن پہنچتے پہنچتے چوکھا اندھیرا ہو گیا تھا اور جھاڑیوں میں جھینگر بول رہے تھے۔ بھیپت ریلوے اسٹیشن سے بہت کم مسافر سوار ہوتے۔ پلیٹ فارم پر اندھیرا تھا اور گاڑی چند منٹ ٹھہری۔ جب ٹرین چلی تو بیجا لوری نے رونا شروع کر دیا۔ میں نے اُس کے ہونٹ چومے تو اس نے انہیں ناگا دیوی کی طرح سختی کے ساتھ بھینچا ہوا تھا۔ پھر اُس کے ہونٹ ہٹاتے ہوئے میں نے اس کی دانتی بھی چومی۔

تو میں چاہتا تھا کہ شفقت بھی میرے لئے ایسی ہی بن جائے۔ میں ڈال ڈال وہ پات پات۔ اور جوشِ جوانی و وفورِ شوق میں بیجو ہی کی طرح جلد از جلد کھماچ سے پنچم تک پہنچ جایا کرے۔

میری خواہش تھی کہ اُسے نفسی کی بلّی پر ننٹ کی طرح پیٹ کے بل چڑھا کر اتنا گھماؤں اتنا گھماؤں کہ ٹانگیں اور باہیں پھیلاتے ہوئے چکرا کر زمین پر گر جائے۔

باب ۷

الفاظ	معانی
گیان دوڑانا	عقل دوڑانا
گٹکری لینا	گاتے گاتے آواز کو لہرا دینا
براتے کی گوٹ	رنگ برنگ
ٹیاٹپی کا مُوباف	رنگ برنگی موباف
پچھاڑ	پچھوا ہوا
پاتر	بمعنی طوائف۔ ہٹا بمعنی بازار۔ پاتر بازار طوائفاں
کولی	وہ سیاہی جو مہندی سے ظاہر ہو
اموا	گہرا سبز رنگ
کاچھا	چھوٹا اونچا گھگرا
جھلجھلاتے	چمکتے ہوئے
ان بولا راجنی	نہ بولنے والی
امرت بانی	شیریں مقالی۔ میٹھے بول
نین متی	وہ عورت جو بات بات پہ بولے

باب ۸

جبّار کے رخصت کرتے ہی شام کے وقت میں فون پر بیٹھ گیا تھا تاکہ شفقت کو جتا سکوں کہ وہ کون اور میں کون ہوں ؎

با تو گویم اُو بود و من کیستم

مگر وہاں سے جواب ملا "کام میں مشغول ہیں۔ نہیں آسکتیں"۔ میں نے بہتیرا سر پٹخا پر کوئی پذیرائی نہ ہوئی۔

رات کو میں یُوں ہی سا سویا ہوں گا۔ نشاط افزا خیالات امنڈ گھمنڈ کر آ رہے تھے۔ اُس سے لذّت اٹھانے کا دھیان بندھا ہوا تھا۔ ذہن میں ایک بحث چھڑی ہوئی تھی کہ وہ سرمایۂ ناز کہ جس نے اب تک پٹھے پر ہاتھ نہیں رکھنے دیا۔ اب میری محشر آرائی اور جوشِ ہمکناری کا سدّ باب کیسے کر سکے گی۔ میں اس کا دستِ حنائی و نگاریں گستاخانہ پکڑتے ہوئے کہوں گا:

"کہیئے آج بھی کچھ انحراف یا دکھائیے گا۔

پر کبھی میرے دل میں یہ بھی آتا (مگر یہ سَو کے مقابل ایک ٹبا سَو بار) کہ اتنی رجائیت پسندی بھی اچھی نہیں۔ اُسے حقِ استرداد حاصل ہے۔ اگر وہ نہ مانی تو؟ - - - -

گو جبّار کی پیشانی انگریز ادیب گولڈ اسمتھ کی طرح مڑواں ہے، سَر کے بال جیسے کلیسر کی پہاڑیوں پر جھاڑ جھنکار کھڑی ہو۔ اور کچھ عرصہ میں وہ سنجا نی گنجا ہو جائے گا۔ کیونکہ اُسے بال چر کی بیماری ہے۔ باہیں انگلیوں تک بالوں سے سیاہ ہیں۔ اور چہرہ ایسا میلا کہ جیسے

کاغذ پر پنسل سے لکھ کر گھٹیا ربڑ سے مٹا دیا ہو۔ اور سیاہی باقی رہ گئی ہو۔ قد اس کا شفقت سے لانبا ہے۔ اور میں شفقت کا ہم قد ہونے کے علاوہ مناسب الاعضا ہوں۔ لیکن فلپ شاہ اسپین کو آرمیڈا پر کتنا بھروسہ تھا۔ جو ڈریک کے کم معیار جہازوں کی تاب نہ لا سکا۔ بوقتِ جنگ ایسی ہوا چھڑی کہ کمزور قوی ہو گیا۔ اور قوی کمزور۔ میں بھی کہیں کسی اچانک اُفتاد کی وجہ سے نہ بچھڑ جاؤں۔ زیادہ خوش بینی اچھی نہیں ہوتی۔

پھر میری آنکھوں کے سامنے رام لیلا کے راون آ گئے۔ ایک عین بیچ مجھ جیسا تھا۔ جو دم بھر میں پھٹ پھٹا کر جل رہا۔ شفقت اور جبّار پاس کھڑے ہنس رہے تھے۔ اب مجھے ایسا جان پڑا کہ جیسے وہ جبّار کے ہتھے چڑھ گئی۔ میں اپنے آپ کو بھونچال کے ملبہ تلے دبا ہوا محسوس کرنے لگا۔ اور وہاں سے نکلنے کی کوئی سبیل نہ تھی میں آہ و زاری کر رہا تھا

صبح کے ناشتے کے بعد سے میں جوں فون پر بیٹھا۔ تو اچھا خاصا دوپہر کا وقت ہو گیا۔ مگر میرے ساتھ تو چھل بٹے کئے جا رہے تھے۔ وہ مجھے پتیا نہیں رہی تھی سیدھی طرح جواب تک نہیں دیا جا رہا تھا۔

پہلے پہلے تو میں اس بے رُخی کو کج خلقی کی بجائے نخرہ سے تعبیر کرتا رہا۔ مگر جب دن پر دن گزرنے لگے۔ تو میری طبیعت گُند ہونی شروع ہو گئی پھر دو اٹھوارے بیت گئے۔ اور یہی حال رہا۔

جو گت کسی عادی شرابی کی نشہ نہ ملنے کی وجہ سے ہو جایا کرتی ہے۔ وہ میری تھی میں نے ضابطہ ہونے کی بہتیری کوشش کی مگر بے کار۔ مجھ پر ہر وقت اضطراری کیفیت طاری رہتی۔ اور ہوٹل کے برآمدے میں جھولنے والی آرام کرسی پر ہنگوڑہ کی طرح ہلکورے لیتا ہوا مرجھیوں والی پہاڑی کو دیکھتا ہوا فراقیہ غزلیں پڑھتا رہتا۔

یوں ہی بیٹھے بیٹھے دور برف آلودہ چوٹیوں پر مجھے ایک معلق ترازو دکھائی دیتی

جس کے ایک پلڑے پر میرا تمام مال و متاع جاہ و حشم اور رقیہ ہوتے ۔ دوسری طرف تنہا شفقت ۔ گویا میں ہر چیز کے عوض اُس کے ساتھ پھر دائمی رشتہ قائم کرنے کو تیار ہو گیا تھا اور اپنا سیاہ و سپید اُس کے حوالے کرنے کو مستعد ۔

یہ میری تیسری قلابازی تھی ۔ جبّار کے آنے سے قبل میں اُسے اپنی دلہن بنانا چاہتا تھا ۔ جبّار کے آنے کے بعد میرے جی میں آئی کہ میں (اُس کی) ویسے ہی کیوں نہ لُٹس مچاؤں ۔ اور اب تیسری مرتبہ میں پھر اُس سے شادی کرنا چاہتا تھا ۔

باب ۹

ایک دن میں بنفشی پہاڑیوں میں جھیل بیتاب کی سیر کر رہا تھا کہ شفقت میری جان اچانک جھمکی سے میرے سامنے آ گئی۔ اُس کی نگاہوں میں اتنا کھنچاؤ تھا کہ الاماں میرے دل نے اُسے دیکھتے ہی قلقاری ماری۔ پھر میں نے کہا :-

"اے فرق تا بپائے ہمہ آرزوئے دل"

"یہ کیا بولیا ہے آپ نے ؟ کہیں اس غلط فہمی میں نہ رہنا کہ ہمن کون فارسی نئیں آتی"

"میں گزارش کر رہا ہوں کہ کاکل کی طرح کب تک ہزاروں لاکھوں بل کھلتے رہیئے گا؟"

"کا۔ کا۔ کا۔ کا فرما رہے ہیں آپ ؟"

"کچھ نہیں۔ بس یہ کہ آخر ہمیں سے کد تلک برگشتہ رہے گا"

وہ نظریں چڑھا کر شانِ سکندری کے ساتھ اترا کر بولی :

"جب لگ کسو کا جی کریگا"

میں نے مکرر دریافت کیا :

"اس بدخلاقی اور کم اختلاطی کی وجہ ؟"

وہ ترُخ کر کہنے لگی :

"کوئی وجہ نئیں"

میں نے کہا:

"اتنا جلال"

وہ بولی: ؎

"نہ ہو جلال تو حسن و جمال بے تاثیر"

"مگر جلال کے ساتھ اکرام بھی ہونا چاہیئے"

"اکرام؟"

"جی"

"جلال اور اکرام کا کیا ساتھ۔ جلال کے ساتھ قہر و سیاست و تادیب و عقوبت ہونی چاہیئے"

"اب تو زیارت سے بھی محروم رہنے لگے"

"کیا فرمایا۔ درشنوں سے"

"جی درشنوں سے"

"یہ کہتے کہ دیدار بازی نہیں ہوتی۔ اور وہ اس لئے نہیں ہوتی کہ کھڈ کنارے جو میں نے آپ کو لتاڑا تھا اُس سے شرمندہ ہوں"

"غلط غلط ؎

دے تیرا حسین تغافل جسے جو چاہے فریب
ورنہ تو اور جفاؤں پہ پشیمان ہونا"

"آپ کو اعتبار نہیں آتا تو نہ آئے"

"مجھے اعتبار ہے"

"جھوٹ بول رہے ہیں"

"نہیں۔ ہے"

"اگر ہوتا تو وہ شعر کیوں پڑھتے۔ اور اب کہہ رہے ہیں کہ اعتبار ہے۔ آپ کا کون سا بیان درست تسلیم کیا جائے۔ پہلا یا دُجا۔ دونوں میں سے ایک ضرور جھوٹا ہے"

"آپ تو قانونی جرح فرمانے لگیں"

"جرح نہ کروں تو آپ کا جھوٹا پن کیسے ثابت ہو"

"آپ کو اختیار ہے"

"تو میں تو آپ کو کذّاب تصوّر کرتی ہوں۔ ہیں آپ؟"

"اگر آپ کو یہی منظور ہے کہ مجھے کذّاب تصوّر کریں تو ہوں۔ بلکہ مسیلمہ کذّاب"

اُس کے ہونٹ ایک فتح مندانہ قہقہہ نے کھول دیئے۔

نزدیک ہی ایک گپھا تھا جس میں بیٹھ کر حضرت فخر الدین کھر بانے عبادت کی تھی اور تبلیغ کے ذریعہ اس علاقے کو نورِ اسلام سے منوّر کیا تھا۔ یہاں کسی بعد کے مغل نے سنگِ نجف کی چبوتری بنوا دی تھی جس پر زائرین نوافل پڑھا کرتے تھے۔ اس چبوتری کی پست قد چوگردہ جالی اور محراب کسی ایسے خوشنما پتھر کی بنی ہوئی تھی کہ اس پر سنگِ یشب کا گمان ہوتا تھا۔

وہ خراماں خراماں چبوتری تک آ کر سجدہ گاہ پر لکھے ہوئے اشعار پڑھنے لگی۔ سیڑھیوں میں اُس کا عکس نظر آ رہا تھا۔

اُس کے زیرین لباس بدن کو خالص سنگِ مرمر ایسا نہیں کہہ سکتے تھے۔ اگر شمیر کریل ایسا ہو تو ہو۔ میرے لبوں تک یہ مصرعہ آتے آتے رہ گیا:

بنشین لعبتے کہ جانِ مائی

احترامِ مقام نے مجھے اس کی ادائیگی کی اجازت نہ دی۔ میں نے کہا:

"زیادہ برگشتہ نہیں رہا کرتے۔ آیئے مفاہمت کر لیں"

اُس نے کچھ جواب نہ دیا اور میرے دل میں تیر نیم کش لگا کر چلی گئی۔ تیر نیم کش اُس کا یہ فقرہ تھا "جب لگ کسو کا جی کرے گا" وہ یوں بھی کہہ سکتی تھی کہ "جب تک کسی کا دل چاہے گا" مگر کہہ گئی اور طرح۔ پرانی اُردو کے غیر مستعمل الفاظ بول کر اُس نے مجھے اور بھی تڑپا دیا تھا۔ اب انہیں ادائے بے تکلفی سمجھیں یا کیا۔ کیا خبر اُس کے اشارے کنائے کیا کہتے تھے۔ ایسی شستہ۔ خاندانی۔ صحبت یافتہ۔ کھڑی کھڑی ٹکسالی اور مستند زبان

بولنے والی لڑکی کا تک کی جگہ "تک" "چاہنے" کی جگہ کرے اور کسی کی جگہ "کسو" کہنا شاید کچھ معنی رکھتا ہو۔

ان دنوں بارش ختم ہو چکی تھی اور نکھرے نکھرے کہربائی ماحول میں پہاڑوں کا بے پناہ ہریاول اور پھول کانپتے ہوئے دکھائی دے رہے تھے۔ میں کدھر جاؤں گا وہ کدھر مگر اب تک کچھ حاصل وصول نہ ہو سکا تھا۔ پہاڑوں پر گرمیاں ٹھنڈی کرنے آئے تھے پر دل میں آگ لگوا کر لوٹنے کو تھے۔

جب مجھے کسی طور تاب لائے نہ بنی تو میں نے سخت سرد راتوں میں مڑھیوں والی پہاڑی کے چکر کاٹنے شروع کر دیئے مگر افسوس!

ایک شام جب بینڈ چوک سے پرانی گھاگرا پلٹن کے کوہستانی نغمے فضا میں مئے انگبین بکھیر رہے تھے۔ الموڑے کی رہنے والی پنڈت زادیاں نیچے پگڈنڈی پر کوا پنے بنگلہ میں جاتی ہوئی گا رہی تھیں ؎

کیسر رنگ رنگے بن

مکھڑے کو دے گئی لالی — پہلے پہل کی تھی چمبن

کیسر رنگ رنگے بن

میں اُسے سمتِ مخالف سے موڑ کی طرف آتے ہوئے دیکھ کر ٹھٹک گیا۔ وہ کافی دور تھی اور نزدیک آتے آتے اس طرح نکھرتی جا رہی تھی کہ جیسے نکلتا چاند اُبھر اُبھر کر روشن تر ہوتا جاتا ہے۔

جب وہ چند قدم رہ گئی تو میں نے دیکھا کہ اس کی گردن، ٹھوڑی اور بناگوش تو صدف نصیبی ہیں مگر بہار آور رخساروں پہ قدرت نے گلال کے اتنے کوٹ کئے ہوئے تھے کہ اُس کی دغدغاہٹ نے تمام فضا کو ارغوانی بنا ڈالا تھا۔

اُس کے رنگ کو کس چیز سے تشبیہہ دی جائے۔ بلوریں گلاس میں قندھاری انار

نچوڑے رکھے تھے۔ اس کا جوبن اُمنڈا ہوا تھا:

وہ ایک شانِ عروسی لئے ہوئے تھی اور اُس نے دھانی غرارہ ممالک متحدہ امریکہ کے پھریرے جیسا دھاریدار لہریا ممتیض، سبز ستاروں کی کامدار جوتی اور بٹن کھلا آسمانی کوٹ پہنا ہوا تھا۔ صندلی چُنریا کو گردن اور کان کی چاندی سے دل کھول کر لپیٹنے کے موقعے مل رہے تھے۔ اس وقت اگر اُسے کسی پری نے دیکھ لیا ہوتا تو نثار نثار ہو جاتی۔ اس کے کپڑے تو جیسے تھے، تھے مگر اُن کے نیچے اُس کا جسم مثلِ کتانِ شگفتہ ہو گا۔

میں سوچنے لگا کہ پہاڑی آب وہوا سب سے زیادہ اُسی کو راس آئی۔ اور اُس کا وزن معتدبہ بڑھ گیا ہو گا۔ وزن کے خیال سے میرا جی ہوریاں لینے لگا۔ میری طبیعت چاہی کہ میں اُسے کولی میں بھر کر اوپر اٹھا لوں تاکہ پتہ چلے کہ وہ کتنی بھاری ہے۔ اگر ایسا محال تھا تو کم از کم راہ گزر میں ہی کچھ دیر کو بچھ جاؤں تاکہ وہ میرے اُوپر سے ہوتی ہوئی گزرے۔

اتفاق سے نہیں بلکہ حسنِ اتفاق سے سڑک خالی تھی۔ نمونے کے سرکاری جنگل میں بن چکور اور کالے تیتر بول رہے تھے۔ وہ تنہا تھی اور بڑی ہی شاداں و فرحاں۔

میں اس موقع کو رائیگاں نہیں کرنا چاہتا تھا کہ وہ چلی جائے اور میں کہتا رہ جاؤں

بگزشت و نظر نہ کرد ما را

اس لئے میں نے اُس کا آگا اس طرح سے روکا کہ وہ جس طرف کو آتی میں جان بوجھ کر اُسی طرف ہو جاتا کہ ہم دونوں میں مڈبھیڑ ہو جائے اور خلاف توقع اُس کی چشم ہائے سرمہ سا کی بڑی بڑی سحر خیز تپلیاں گھنیری پلکوں تلے اس طرح لہرانے لگیں کہ جس سے ناممکن ممکن بن جائے۔ آج اُس کے ابرو پُرچین نہیں تھے بلکہ اُس کا بشرہ ولولہ خیز اور نفس پرور ہونے کے ساتھ ساتھ فیاضانہ تھا۔

میں نے اُسے چھوٹتے ہی کہا:

"تمہیں فصد کھلوانی پڑے گی"

"کیوں؟"

"کیسی لال لال ہو رہی ہو۔ بالکل بانات کی حالت۔ کہیں خون کی زیادتی کوئی

اور گل نہ کھلائے"

"آپ پھر ویسے ہی اینڈے بینڈے مشورے دینے لگے"

"وہ مشورہ میرا غلط نہیں تھا۔ اگر طوفانی آندھی میں اُڑ جانے کا خطرہ ہو تو بچاؤ کے دو ہی طریقے ہیں۔۔۔۔۔۔"

(بات کاٹتے ہوئے کیونکہ وہ تفصیل سننے کو تیار نہ تھی) "میں اُنہیں سُن چکی ہوں"

"مکرر سُن لیجئے"

"کیوں سُن لوں"

"سُنانے میں لُطف آئے گا"

"نہیں۔ معاف کیجئے"

"اچھا تو پھر آپ میرا موجودہ مشورہ قبول فرمالیں۔ آپ کے لئے فصد کھلوانی نہایت ہی ضروری ہے"

کہ ہر کسی خونِ خود بیشش بریزد

"پہلے اپنی فصدیں کھلوا لیجئے میری بابت دیکھا جائے گا۔ مگر آپ کے ارادے کیا ہیں؟"

"ارادے کچھ نہ پوچھئے"

"کیوں؟"

"تو سنئے ؎

یا اپنا گریبان چاک یا دامن ۔۔۔۔۔۔ چاک"

"صاف کہدیجئے۔۔۔۔ یا دامنِ شفقت چاک"

"واللہ۔ میں یہ نہیں کہنا چاہتا تھا"

"آپ یہی کہنا چاہتے تھے"

اس کی بھنویں سرمہ کی سلائی کی طرح دُور دُور تک کانوں کی طرف کھنچ گئیں اور میں گھبرا سا گیا۔

پھر وہ نیم شگفتگی اور نیم برہمی سے بولی :

"او ہو۔ آپ کو طالع آزما کہوں یا معرکہ آرا۔ آپ کون سا خطاب پسند کریں گے ؟"

"جو آپ مرحمت فرما دیں"

"معرکہ آرا صاحب"

"یہ آپ نے مجھے کیا خطاب دے دیا؟"

"معرکہ آرائیں تو کیا آپ کھانڈے راؤ کہلانا پسند کریں گے۔ معرکہ آرا صاحب آج تو آپ بڑے زوروں شوروں پر ہیں"

بیچارے معرکہ آرا صاحب اگر زوروں شوروں پر ہوتے تو انہوں نے خطاب دہندہ کے لب شکر خا سے تھوڑی سی شیرینی تو ضرور جھپٹ لی ہوتی۔

گو میں بظاہر اُس سے دو بدو باتیں کر رہا تھا مگر میری اندرونی حالت بگڑی ہوئی تھی اور خبر نہیں کیوں میرے ہونٹ ہل رہے تھے۔

اُس نے پوچھا :

"یہ منتر سا کیا جپ رہے تھے آپ ؟ کیا اڑ دہ پڑھ کر مارنے کا ارادہ ہے یا منہ ہی منہ میں مجکو گال دے رہے تھے۔"

میں نے کہا۔

"فلسفہ بھگار رہا ہوں ؎

یہ پری چہرہ لوگ کیسے ہیں

برق کیا چیز ہے ہوا کیا ہے

مگر افسوس ؎

"وہی میری کم نصیبی وہی تیری بے نیازی"

اُس نے جواب دیا :

"یہ پڑھتے تو بہتر تھا ؎

لباز کارِ غریباں کہ کارسازِ توئی"

"یہ تو محراب مسجد میں کھڑے ہو کر خدا کے سامنے مانگنے کی دعا ہے۔"

پھر اُس نے غصّہ دکھاتے ہوئے کہا:

"یہ کیا ہو رہا ہے جی۔ آج تو آپ نئے عزائم کے ساتھ نکلے ہیں۔ مرے آگے سے ناٹھ جائیے۔ شارع عام پر چاؤ چوچلے اور شورشیں دکھلانے کا کیا موقع،"

"آپ کا ارادہ کنیّ کاٹنے کا ہوگا۔ اس لئے ایسا کرنا پڑا۔"

میں ذرا کو راستہ دیتے ہوئے بولا!

"شاید آپ کا دماغ چرخ ہو گیا ہے۔ یا طبیعت خبط کی شکل اختیار کر گئی۔ یہاں کب سے ڈُبکی لگائے بیٹھے تھے؟"

"سرنگ لگا کر پہنچا ہوں"

"بڑی مشکل پیش آئی ہوگی۔ پہاڑ ہے"

"جی مشکل کیا ایسی ویسی۔ فرہاد کو مات کر دیا ہے۔ اور وہ آپ نے کہا تھا کہ طبیعت خبط کی شکل اختیار کر گئی کیا؟ خبط!"

"اور کیا خبس۔ ضلالت۔ یا گمراہی کہوں۔ اچھا خیر ؎

نگاہِ ناز کا صدقہ امیدوار ہیں ہم
کبھی قبول ہمارا اسلام ہو جائے ۔۔۔"

"خوب شعر ہے۔ اگر آپ اسے چمٹا۔ جلاجل۔ چکچکی۔ ڈورو اور طنبورے پر باری باری سے بجا کر گاتے تو بڑا لطف آتا۔ مگر سلام کے بعد؟"

میں نے جواب دیا:

"سلام کے بعد۔ بس آپ مجھ سے صاف ہو جائیے"

"کیوں؟"

؎ "خدا چہ لذّت شیریں در اتحاد نہاد"

"چہ خوب۔ آپ بڑے چاتر ہیں اور ہر مقام پر لذّت و خوش مزگی کے متلاشی آپ پر ہمہ وقت شیطانی مسلط رہتی ہے۔ دفع بحث کے لئے ہم آپ سے صاف ہو جاتے ہیں۔"

"صرف رفع بحث کے لئے ۔ ویسے نہیں "

"تو آپ بحث کرنا چاہتے ہیں "

"نہیں "

"تو فرمایئے آپ ہم سے کیا منگتے ہیں "

"ملاطفت "

"وصلت ؟"

"نہیں ۔ نہیں ۔ یہ نہیں ۔ ملاطفت ۔ مہربانی ۔ اب اس ساختہ گراں گوشی کا کیا علاج کہ کہوں کچھ ۔ آپ سمجھیں کچھ "

"الفاظ کی چلمن اُٹھا کر صاف سامنے آئیے "

"تو میں اُس سوال کا جواب چاہتا ہوں جس کے اعادہ کی حاجت نہیں مگر اُسے آپ کا جی جانتا ہے "

"وہی بے سود تجسس وہی بے کار سوال "

"وہی بے سوالی ۔ وہی محرومی "

"پہاڑ پر بے خورو خواب گیان اور تپسیا کر کے بیٹھ رہیئے اگلے سال جواب مل جائے گا منظور ہے آپ کو ؟"

"نہیں "

"آپ فوری جواب منگتے ہوں گے "

"فوری "

"خواہ سُکھا جواب ہی کیوں نہ ہو ۔ منظور ہے ؟"

"سوکھا کیوں ؟"

"اس لئے کہ مجکون تو آپ سے شکایت ہے "

"باعث ؟"

"باعث نہ پوچھیئے ۔ کلیجہ اور کریر کی سُول چھبو دوں گی ۔ تڑپ کر رہ جائے گا "

"آپ اگر میرے بدن میں گھنڈی تک ہزاروں آلپنیں بھی اُتار دیں تو سہار جاؤں گا۔ دل کی بات فرمائیے"

"ان سین اتی تکلیف نہ ہوگی جتنی سول سین۔ آپ بڑے سیانے ہیں اور تانت باجی راگ پایا۔ مجھکون آپ کے مسلک سروں سین معلوم ہیں اور ذکرِ شادی تو ہوا محض بہانہ ورنہ یغمائی صاحب آپ تو ہر وقت مرا صفاً صفا کرنے پر تلے رہتے ہیں۔ آپ کا بس چلے تو حلال کرنے کی بجائے میرا جھٹکا کرڈالیں۔ آپ کون موصلت بے جا کا شوق چرایا ہے۔ اس لئے ایدھر اودھر زور زور دکھاتے پھرتے ہیں"

"یہ وہم ہے یا افترا، ورنہ میری محبت بے آلائش ہے"

"آپ کے متعلق نیک گمانی ہو تو کسے ہو۔ اور اِن واہی تباہی اگڑم تگڑم باتوں سے کوئی کیا بوُجھے۔ آپ حسن کے چور ہیں۔ کسی اور چیز کے تو بھی۔ بڑے بھکیت اور اڑاؤ کھاؤ اگر آپ کی کبریائی ہو تو مجھے صفحہ ہستی سے مٹا ڈالیں بنبٹی کی طرح گھمائیں یا کم از کم ٹھنڈا جی کرتے رہنے میں کوئی غرہ نہ کریں۔ مجھے گوڑ کر ہی تو رکھ دیں رجانے کب سے دھار دھرتے پھر رہے ہیں کہ اُگاہلوں گا تو یہ کروں گا اور وہ کروں گا۔ لیعنی اپن کو گھانگرا گھول لہو لہلان تتر بتر۔ الٹ پلٹ اور گرٹ بڑ سر بڑ کر ڈالیں۔ بدی سین باز آؤ" اور شادی کا اختیار نامہ بھی اسی لئے حاصل کرنا چاہتے ہوں گے"

"نہیں یہ بات نہیں۔ میرا تم پر دل آگیا ہے"

"آئے ہائے۔ میرا تو تم پر دل آگیا۔ اگر ہمن پر تمہارا دل آگیا تو ہمن نے تمنا کو پھاندے میں پھنسا لیا"

ات تیرے چاہنے کو آگ لگے۔

کیسے صاف گو ہیں آپ بھی۔ کوئی بدتمیز کہہ دیتی، منہ پھٹ یا برہنہ گو میاں ایسوں کا دل بھقا بنوا ور حسیں پر دل آجائے اُس سے شادی نہ کرے"

"کیوں؟"

"دل کی بھلی چلائی۔ اس بے ہودہ کا کیا۔ شیخ سدو کی طرح آج اس پر آگیا

کل اُس پر۔ جو ایک سیکنڈ میں۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ خیر نہیں کتنی بار اُچھلے کُودے اُس کا کیا اعتبار۔ ڈاکٹر اسے حرکتِ قلب کہتے ہیں"

"تمہاری عابد فریب شوخی نے مجھے مار ڈالا"

"کہو تو ایک بات کہوں"

"کہو"

"ـــ مقاماتِ آہ و فغاں اور بھی ہیں"

"میرے خیال میں اور نہیں"

"مگر مجھے تو آپ بدمعاملہ دستے ہیں"

"کس طرح؟"

"کبھو اس کے کبھو اس کے"

"آپ کی بولی کے صدقے جائیے۔ مگر مطلب؟"

"یعنی آپ اُٹھلو ہیں۔ بے استقلال"

"ثبوت؟"

"وہ وہ ـ کم سن کیوں ناپسند ہو گیا؟"

"کون؟"

"وہی کہ جس کی آپ تنقیص کیا کرتے ہیں۔ پاری پاری ٹھپکہ سی چھوٹی سی میری جان۔ سفری قسم کی ہلکی ہلکی چیزی"

"سمجھا نہیں"

"وہ وہی چیزی"

"رقیبہ؟"

"وہ وہی جو ناشتہ سی ہے۔ ٹڑوا اور فاختہ ایک گھونسلے میں نہیں رہ سکتے۔ کچھوتری اور اُلّو کا کیا جوڑا۔ آپ یہی کہنا چاہتے ہوں گے نا؟ معاف کیجئے آپ نے مجھے بھی تو ایک بہت ہی بڑی اور بے ڈھب بات کہی تھی"

"وہی لپٹنے سپٹنے کی نا۔ مگر وہ بالکل سچی تھی"

"اور یہ جو میں نے کہی یہ بھی بالکل سچی ہے۔ اُس میں کیا کھوٹ آگیا؟ وہ تو بڑی ذہین اور فطین لڑکی ہے۔ یہی نا کہ اس کا نام سوقیانہ ہے"

"ہاں"

" ؎ دختر کے برہمنے عشوہ گرے ستم گرے
دیدہ بُزدے اُوکشا بازہ بخویشتن نگر"

"کیا؟"

"اس فرمودۂ اقبالؒ کے معنی یوں سمجھئے کہ رقیہ تو رسولؐ کی بیٹی کا نام تھا جو فاطمۃ زہراؓ سے بڑی تھیں۔ مگر طاہر میں نے کسی پیر فقیر کا نام بھی نہیں سُنا"

"طاہر خود رسُولِ مقبولؐ کا ایک نام ہے"

"ہوگا۔ مگر اُنؐ کا نام آپ کے نام سے افضل ہے۔۔۔ اور نام تو اُس کا آپ نہایت آسانی سے بدل سکتے ہیں۔ بزرگوں نے یہ نام رکھا۔ انہوں نے غلطی کی۔ آپ تصیح فرما دیں"

"میری اُس سے شادی ہو ہی نہیں سکتی"

"آپ اُس کے محرم تو نہیں؟"

"نہیں۔ اگر ایک ہی خاندان میں ہمیشہ باہمی رشتے ہوتے رہیں تو نسل کمزور ہو جاتی ہے۔ اگر آپ کا نیا خون ہم میں شامل ہو گیا تو طاقت بخش ہوگا"

"یعنی اُولاد بڑی بلی پیدا ہو گی"

"جی ہاں۔ اور پھر ماہِ نخشب اور بدر کا کیا مقابلہ۔ وہ مُٹھّی ہے تم جیست ہو تم سے تو کنہ دبیاں تک میں کوئی اچھا نہیں"

"اچھا نہیں یا تبرک؟"

"نہ اچھا۔ نہ تبرک۔ نہ حسن والا"

"میری زیادہ قدر دانی اور ستائش گری نہ کیجئے۔ کبھو کبھو میں اپنی تعریف سے بھی

سرگرداں ہوجاتی ہوں ۔۔۔۔کیونکہ محکوم ڈوم بنا اچھا نہیں لگتا۔ اور آپ آپ کرنے والے زہر لگتے ہیں۔

"تم درۃ التاج جملہ محبوباں ہو۔ وہ خطِ نسخ ہے تم خطِ گلزار۔"

"وہ تمہاری گرد بھی نہیں پا سکتی۔"

"مجھے آج معلوم ہوا کہ میں اتنی دوڑاک ہوں"

"آپ کے ساتھ مکالمے اور مناقشے میں لطف آتا ہے"

"شکر ہے مناقشہ کہدیا۔ کہیں معاشقہ کہہ دیتے۔"

"شفقی تم تو لہلہاتی ہوئی ہوا اور وہ لڑبڑی لڑبڑی۔ تم سرِ حلاوت ہو وہ بے حلاوت تم گلِ بہار ہو۔ تم جیسا نازو طرب اس میں کہاں۔ تمہیں اُس پر برتری حاصل ہے۔ جو چیز تم میں ہے جنت میں وہ نہیں ملتی۔ اس میں کیسے مل سکتی ہے۔"

"کوئی اور مثال باقی ہے؟ آپ آج جی کھول کر مثال دے ڈالئے"

"وہ تحت اللفظ ہے تم ترنم۔ وہ نثر عاری۔ تم شعرِ بیاضی۔"

"وہ ملّانی ہے میں مفیچی ۔ وہ پھوٹک ہے، میں مغز۔ وہ رانگ ہے میں طلا۔ وہ توت ہے میں شہتوت۔ وہ اگر مانجھا ہے نہیں بلکہ ہار تو میں گوہانی۔ وہ چھوٹی الائچی ہے میں بڑی۔ وہ میری ردکش نہیں ہو سکتی۔ محکوم اُس اپر تفوق حاصل ہے۔ آپ بھی مثالیں دینے چلے تھے۔ دو دے کر بس کردی۔ میں نے ایک سانس میں پٹ پٹ پانچ پیش کیں۔"

"پہلی پانچ درست تھیں آخری غلط۔"

"وہ سونا ہے میں سونے پر سہاگا۔ یہ مثال درست ہے؟"

"درست"

مانجھا۔ گوہانی سے دوسرے درجہ کی زمین۔

گوہانی۔ اوّل درجہ کی زمین گاؤں کے بالکل نزدیک۔

ہار۔ زمین گاؤں سے بہت دور اور سب سے گھٹیا۔

"سخت نادرست ہے یعنی میں یا تو وہ سہاگا ہوں جسے کھیتوں میں پھیرتے ہیں یا وہ کہ جس کی کھیل بنا کر سُنار بچوں کو دیا کرتے ہیں۔"

"شفقتی تم تو آرائش محفل ہو۔"

"میں آرائش محفل ہوں۔ یہ مجھ پہ زبردست اعتراض ہے۔ توہین ہے۔ جو آرائش محفل ہو آرائش خانہ بننے کے قابل نہیں"

"میرا مطلب یہ نہیں تھا"

"آپ نے مجھے آرائش محفل کہا یا نہیں"؟

"نہیں"

"نہیں۔ جھوٹ بھی بولنے لگے"

"آرائش محفل کے جو معنی آپ لیتی ہیں میں نے اُن معنوں میں استعمال نہیں کیا"

"اور کن معنوں میں استعمال کیا ہے"؟

"دوسرے معنوں میں۔ ایک لفظ کے کئی کئی معنی ہو سکتے ہیں"

"آپ کے معنی کیا تھے"؟

"یہی کہ ؎ یا شمع جل رہی ہے پھولوں کی انجمن میں"

"اقبال کی نظم "جگنو" سے ہے۔ میں جگنو ہوں۔ کم روشن"؟

"آپ تو مہر نیم روز ہیں"

"اور جگنو جو ابھی کہا"

"غلط سمجھیں"

"میں تو صحیح سمجھی ہوں، میرے تئیں ٹکرا رہے ہیں"

"مطلب خبط ہوا جا رہا ہے۔ شفقتی مجھے تباہ نہ کرو۔ تم نے مجھے ترسا ترسا کر مار ڈالا ہے۔ میں نے تم ایسا ہیجان خیز، فرح لقا، رومان پرور، عجوبۂ روزگار اور قیامت غضب چہرہ کہیں نہیں دیکھا۔ وہ سیٹھی ہے تم میٹھی"

"یہ کیا فرما رہے ہیں آپ؟"

"برہنہ، عریانی۔ آپ کے دماغ میں یہی اشیائے لبسی ہوتی ہیں۔"

"مجھے رقیہ پسند نہیں۔ اس کا نام مبتذل ہونے کے علاوہ ایک اور مخمسہ بھی ہے۔"

"سمجھ گئی۔ کوتاہ قدی۔ دیکھئے گنا چھوٹی پوری کی طرف سے زیادہ میٹھا ہوتا ہے۔ اور بے دانہ انگور بڑے انگور سے زیادہ اچھا اور مقبول۔ ویسے آپ چاہیں تو اُسے سنار کی جنتری میں کھنچوا کر چاندی کے تار کی طرح حسبِ دل خواہ بڑھوا سکتے ہیں۔"

"بحمد اللہ آپ جو کھینچ کھچائی بڑھی بڑھائی ناکم توک پورم پور ایک راس اور تیار موجود ہیں۔ میری تقریباً ہم قد اور برابر۔"

"اچھا تو یہ بات ہے مگر آپ کو معلوم نہیں کہ چھوٹے بڑے برتن ایک دوسرے میں بخوبی کھپ سکتے ہیں اور برابر برابر کے نہیں۔ اس لئے ثابت ہوا کہ رقیہ کا اور آپ کا بڑا اچھا سنجوگ ہے۔ وہ آپ کے بالکل ٹھیک آئے گی۔"

"کیا تم نے اُسے جوتی تصوّر کیا ہے جو ٹھیک سے ٹھیک کی فکر پیدا ہوئی اور چھوٹی جوتی تو کسی صورت نہیں پہنی جا سکتی۔ البتہ اگر بڑی ہو تو بڑ دن بھلون پہن سکتے ہیں اور جو پاؤں کے برابر ہو تو اُس کے کیا کہنے۔ اس لئے میری تضمین کے لائق تو تم ہو۔ جوت اور جوڑا تو میرا تمہارا خوب رہے گا۔"

"کیا خوب رہے گا۔ گھڑی کی ایک سوئی چھوٹی دوسری بڑی ہونی چاہیئے۔"

"بڑی لائن کا انجن چھوٹی لائن پر نہیں چل سکتا۔ ٹارچ کا بلب کار میں فٹ نہیں کرتے اور شعر کے دونوں مصرعے برابر اور ہم وزن ہونے چاہئیں۔"

"یہ کوئی کلیہ نہیں۔ کچھ اصناف نظم اِس سے مبّرا بھی ہیں۔"

"مثال" — اے طبیب مرے جینے کے کچھ آثار نہیں نہ کر فکرِ دوا

"مثلاً مستزاد" — اُس مسیحا کو دکھا دو تو کچھ آزار نہیں ابھی ہو جائے شفا۔"

"اگر میں چھوٹی کرسی پر بیٹھا تو تکلیف ہو گی بھنچنا پڑے گا۔"

"اُسے ہی اسٹول سمجھ لینا۔ پھر خوب کھل کر بیٹھ سکتے ہیں۔"

"ایسی باتیں نہ بنایا کیجئے کوئی خبر نہیں کیا کہہ کے رکھدے گا۔"

"کوئی میرا کیا کر سکتا ہے"

"آپ لمحہ بھر میں نیست ونابود کی جا سکتی ہیں۔

رقیہ کے اعداد ابجد کے لحاظ سے صرف تین سو پندرہ ہیں۔ اور آپ کے آٹھ سو اسّی"۔

"یہ تو آپ بڑی دور کی کوڑی لائے۔ طاہر کے کتنے ہیں؟ ضرور کم ہوں گے"

"میرے صرف دو سو پندرہ ہیں"۔

"تو آپ کے دو سو پندرہ اور رقیہ کے تین سو پندرہ میں صرف سو کا فرق ہے اور آٹھ سو اسّی تو بہت دور ہوا۔

آپ مجھے اس طرح دیکھ رہے ہیں جیسے مُجرا آپ کی طبیعت ہو۔ اس طرح آنکھیں لپیار لپیار کے نہ دیکھا کیجئے۔ دشمنوں کو ن یرقان ہو جائے گا"

"آپ ایسے خوش نگاہوں کو دیکھنا واجب العین ہے۔ اس لئے ایسا نہ فرمائے اور آپ مجھے کیوں کیڑی آنکھوں سے دیکھ رہی ہیں"؟

"اور کس طرح آپ سوں پیچھا بھی چھڑاؤں"

نچلی سڑک پر مویشیوں کے ہسپتال کے سامنے رکشا میں ڈھائی فٹا اشتہاری جو تا لئے جا رہے تھے۔ اُس پر لکھا ہوا تھا "جسے درست اُسے مفت"، ہم دونوں اُدھر دیکھنے لگے شفقت میں پانی ہو رہا تھا۔

اب میں نے کہا:

"میٹھی ٹھگنی۔ اس اشارہ کو سمجھ"

"اتنا پُرانا رشتہ توڑنا آسان نہیں ہوا کرتا"

"یہ کون مشکل بات ہے"

"اوہ چالے! اُس شوقوں ماری۔ ہم کفو اور خالہ کی خلچی کون سدان کے لئے بے حمیت۔ بے بر۔ بے ثمر چھوڑ دیجئے گا"۔

"اُسے بے جفت۔ بے بر۔ بے ثمر رہنے دیجیے"

"اگر آپ کے بزرگوں نے اعتراض کیا"

"پروا نہیں"

"تو حضور آپ ایسا خوزادا آپ مراد اہیں۔ مگر اپنی عقل سے تو استصواب کر لیا ہوتا"

"میں نے اپنے دل سے استصواب کر لیا ہے"

"دِل دِل دِل۔ یہ دل آپ کو دَل دَل میں پھنسا دے گا۔ اگر اس عاق نامہ کا علم رقیہ کو ہو گیا تو کپڑے پھاڑ کر جنگلوں چڑھ جائے گی۔ اُسے بے جفت بے بر۔ بے ثمر چھوڑنا مناسب نہیں۔ وہ دل مسوس کر رہ جائے گی۔ اُس تمہاری بچن ہاری کے نینن انجھوان سون نربدا بن جائیں گے"

اُس وقت میں نے اُسے یاد کیا جو مجھے دکھن میں ملی تھی۔ میں سوچنے لگا کہ رقیہ کو دل مسوسنے کی کیا پڑی ہے البتہ اگر وہ ہوتی تو ضرور مسوس لیتی مگر وہ بُت بے شرم و حیا یہاں کہاں۔

اب بجو کا خیال خود اُسی کی طرح مجھ سے علیٰحدہ نہیں ہونا چاہتا تھا۔ مگر میں نے اُس سے پیچھا چھُڑانے کے لئے جلدی سے کہا:

"زیادہ تنقیحات نکالنے سے فائدہ؟"

"مگر جس رشتہ میں پُرانی یادیں اور روزمرّہ کے تعلقات تار پر تار اضافہ کرتے رہے ہوں وہ اتنا مستحکم اور اٹٹ ہو جاتا ہے کہ اگر اُس پر ہاتھیوں سے بھی رسّہ کشی کرائی جائے تو کہیں سے نہ جا سکے گا اور پھر آپ دونوں محض مخطوبA نہیں نزدیکی عزیز بھی تو ہیں، جگر جگر ہے۔ اپنا اپنا۔ غیر غیر۔ دگر دگر"

"زیادہ اینچ بینچ اور انشا پردازیاں چھوڑیئے"

A مخطوب

"وہ عربی دان ہے اور قرآن حافظ"

"تم فارسی دان ہو۔ فارسی شوخ ہے عربی سنجیدہ۔ تم فصیح ہو وہ بلیغ۔"

"مجھ ایسی سر کہ جبین لڑکیوں سے چاہ نہ بڑھائیے۔ وہ بظاہر سادہ رُو ہے مگر بہتر سون بڑی کٹیلی کھینی۔ جو راست راست اور مستقیم دکھتی ہے اپنی بھجنگ زلفوں سین بھی زیادہ خم در خم ہے"

"صبر کے ناکے ٹوٹنے کو ہیں۔ طوفانِ نوح آجائے گا"

"ہزیان۔ ہزیان"

"تم بڑی ہٹی ہو"

"بجا۔ مجھ جیسی کرکسا ناری سے بیاہ کر لیا تو گھر میں دن دن کھواری ہوگی۔ اور وہ بنیٹھم جی نمانتے ہیں"

"کیا؟"

"اجی یہی کہ آپ کی ہر بات پر صاد کرتے جائیے تو سب ٹھیک ہے۔ آمین آمین ہوتی رہے گی۔ اور بڑے خوش رہیں گے ورنہ"

میں نے اُس کی طرف دیکھتے ہوئے دھرایا:

"ورنہ کیا؟"

"آپ جس پہلو چاہیں باتیں کریں میں آپ کے قبضہ میں آنے والی نہیں"

"زہے عیش و طرب! اگر آپ میرے قبضہ میں آجائیں۔ اور مجھے بے ادبی پر نہ اُکسائیے"

وہ بولنے سے پہلے مسکرا کر بولی:

"بلئے صاحب۔۔۔۔ اچھا تو کیا آپ مجھے لینا چاہتے ہیں۔ مگر میں بہت گراں سودا ہوں۔ یہ تجارت آپ کو وارا نہیں کھائے گی۔ مجھ سے گریز لازم ہے اور پدھان جی۔ آپ کے پاس تو آکھ سکے ٹوسون کے سوا کچھ نہیں یعنی وہی آپ کی صحرائی جائے داد"

"شفقت جاودانی صاحب"

"جی طاہر صاحب"

"مجھے طاہر صاحب نہ کہیئے۔ صاحب کی تو کوئی ضرورت نہیں۔ اگر نام بگاڑ لیجیئے گا تو خوشی ہوگی۔"

"یہ تو آپ کی عادت ہے ہمن کسو کا ناؤں نتیں بگاڑا کرتے"

"تمہیں اختیار ہے اگر مجھے طاہری کہہ دیا کرو"

"(قہقہہ لگاتے ہوئے) طاہری! وہ تو ایک نمکین کھانا ہے۔ زرد زرد ہلدی سے مملو چاولوں کو کہتے ہیں مجھے طاہری کبھی نہیں بھاتی۔ طاہری جی"

"میں نہ پارسی ہوں نہ بمبئی والا۔ اور نہ کسی آدم جی۔ رستم جی۔ نورو جی کے خاندان سے متعلق۔ بات کہاں کی کہاں پہنچ گئی۔ لاحول ولاقوۃ"

"لاحول ولاقوہ۔ لاحول ولاقوۃ"

وہ سامنے والے نالے کی طرف دیکھتے ہوئے بُری طرح ہنسنے لگی۔ ہنسی کے مارے اس سے بولا نہیں جا رہا تھا۔ جب اُس کی ہنسی کم ہی ہونے میں نہ آئی تو میں نے ضیق میں آکر پوچھا:

"اس بے وجہ ہنسی کی تشریح کیجئے"

"بے وجہ نتیں"

"تو وجہ تبلایئے"

"سنیئے: اپنی کمہاری سے لڑ بھڑ کر گھر سے بھاگا جائے کمہار
لال پگڑیا سر پہ باندھے گلے میں ڈالے چگنی ہار
بونی ٹٹو پر وہ جائے بھون تک لٹکے آئیں پاؤں
شہر کے لڑکوں نے جب گھیرا ملیٹ پڑا پھر گاؤں"

"یہ تو میں نے سُن لیا"

"(نالے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) سُن لیا تو دیکھ بھی لیجئے۔ تاکہ آپ کو

یہ شکایت نہ رہ جائے کہ شنیدہ کے بود مانندِ دیدہ"

نالے سے چھوٹی ٹٹو پر کوئی دیہاتی کمہار۔ گزر رہا تھا جس کے پاؤں گاہ بگاہ زمین بوسی کرتے ہوئے معلوم ہوتے تھے۔

شفقت اب بھی بُری طرح ہنس رہی تھی۔ میں اُس کی چوٹ کو سمجھ کر بے حد شرمندہ ہوا۔ اس کے بعد وہ بولی :

"صاحب۔ آپ کو کان تک سمجھاؤں۔ میں تو یہی کہوں گی کہ ؎ ہر چہ گیرید مختصر گیرید"

"یہ تو غیر ملکی مقولہ ہے۔ ہم اس طرح کہا کرتے ہیں جتنی چھوٹی اتنی کھوٹی"

"میں تو نہیں کہہ سکتی۔ وہ آپ کی عزیز ہے۔ اس کا کھوٹ میل آپ جانیں"

"مجھے تو نگرؔ مال چاہیئے۔ اور خاکہ تو اڑا چکیں۔ اب ذرا مطلب کی بات بھی ہونی چاہیئے"

اُس نے موضوعِ سخن بدلتے ہوئے اچانک کہا :

"آمدم بر سرِ مطلب۔ آپ کے جسدِ بے جان میں جان آنے کو ہے۔ سرنائیاں باجنے کون ہیں۔ ۔ ۔ ۔ ۔ من کچھ کہنے کون ہون۔

وہ باجن لاگیں۔ سنئے۔ سنئے۔ سنئے"

"؎ پھر طرب انگیز عنوانِ بیان ہونے لگا"

"آپ کچھ سننا نہیں چاہت ہیں۔ بیچ میں درک دے دیا۔ اب ایسا ہونے والا ہے کہ کیوں میں ہور زبان آپ کی لذّت سین انگبین بنے۔ وہی بات ہوگی ؎

کہ میں شراب پیؤں تیرے منہ سے بُو آئے"

"فرمایئے۔ فرمایئے۔ جلد فرمایئے"

"اگر آپ سننا چاہیں تو ہاتھ اٹھا لیجئے"

"لیجئے۔ اٹھا لئے"

"تو آپ کو نویدِ جان فزا پہنچا دی جائے گی۔ یعنی جوابِ قطعی"

"جواب قطعی تو جواب صاف ہوتا ہے۔"

"اچھا جواب شافی پہنچا دیا جائے گا"

"کب؟"

"کد۔ کتنی بار میں۔ کس وخت۔ نئیں مطبل ہے تھارا"

"ہاں"

"کتنی تاول سے بولے۔ جب کل سُورج نصف انہار کے دھورے نیڑے ہوگا۔ تد بس ایک دن کا بچھا ہے۔"

"ضرور۔ کہیں گھولوے میں دیر نہ لگا دینا کہ میں انتظارِ وعدہ میں چھ مہینے ڈھولے گاتا رہوں۔"

"ایک ڈھولا تو آپ نے ابھی گا سنایا۔ مگر مجھ میں پیمان گسلی کی عادت نئیں۔ مے کوئی چیز بٹے کھاتے میں نئیں ڈالا کرتی۔ میں بڑی صادق القول ہوں۔ جواب شرطی اور حکمی آئے گا۔ یہ ہور بات ہے کہ من وعدہ نہ کروں۔ اگر کیا تو ضرور نبھاؤں گی۔ اور تمہاری ہی سوں۔ من بڈی بچپن پال ہوں۔ نراسا ہونے کی کوئی وجہ نئیں۔ کل تمہیں نہال کر دوں گی۔"

"یعنی وعدہ کچا پکا ہرگز نہ ہوگا۔"

"ہم کچا وعدہ کیوں کرتے"

"ستانے کو اور اغماز دکھانے کو"

"ہم پاس ستانا نئیں آوے۔ ہور اغماز کے اپن معنی تک نہ جانیں۔ تمن کون فضول ڈر لاگا ہے۔ شاید تمن نے کسنو کے کچے وعدوں سے تکلیفاں اُٹھائیاں ہوں گی کسی نے تمن کا من ڈھا کے رکھ دیا ہوگا۔ اُنھن کی اچیلیان اُنھن کے ساتھ۔ من نے تمہارے سنگ پیمانِ وفا باندھیا ہے۔ (یک بارگی لکھنوئی لہجہ بدلتے ہوئے) ہم تو صدق وصفا کے بندے ہیں۔ میں آپ کا یہ الھانا سہنے کو تیار نہیں کہ دل لے گئی اور داؤ دے گئی اور ہمارا وعدہ ہے اعتبار قیامت لئے ہوئے۔"

"مگر میرا دلِ ناشکیب نہیں مانتا۔ اور ایسی ٹیڑی بیڑی باتیں نہ کیا کیجئے کوئی مر جائے گا"

"اس شدتِ اضطراب کا تو کوئی درمان نہیں مگر خوش خبری ضرور پہنچا دی جائے گی بشرطیکہ کوئی قدرتی امر مانع نہ ہو۔"

"مثلاً"

"مثلاً قلعہ ہائے کوہ سے کھالی بادلیاں آجائیں اور بجلی جھلجھلا کر کانڈا پڑنے لگے"

"یہ تو لارا لپّا معلوم ہوتا ہے"

"اپس کے سر کی قسم لارا لپا نئیں۔ اور آپ بن کال پیدائش نئیں جو اتنا خدشہ ہو رہا ہے کہ ہو نہ ہو رنگ میں بھنگ ڈالنے کے لئے خوشی کے وقت بارش اور اگر بالفرض ہو گی یہ کھٹکا تو میکائیل علیہ سلام ہی دور کر سکتے ہیں۔ اپس کے بس کی بات نئیں۔ اور پھر اتی اتادلی بھی کیا، کل نئیں تو پرسوں سہی"

"نہیں کل ہی"

"ابہام کا میرے پاس کوئی علاج نئیں۔ میں نے تمہارے جیسا شوخ۔ کھل اوپاڑ نئیں دیکھا"

"آپ کو میری مجبوریاں معلوم نہیں۔ اگر بالفرض والتقدیر آپ نے جواب باثواب نہ بھیجا تو مجھ میں یہ کہنے کی مجال نہیں کہ ؎

اگر جز بکام من آید جواب
من و گرز و میدان و افراسیاب"

اس پر وہ بہت ہنسی۔ ہنستے ہنستے اُس کا منہ اور بھی سُرخا سُرخ ہو گیا۔ پھر بولی:

"مج سون الیا نئی ہوئے گا۔ جو بچن سے پھرے نون سا گھلے۔ اگر میں بدقولی کروں تو مجھے ایسے بلوطستان میں چھوڑ آئیے گا کہ جس کی ڈال ڈال پر آدم آزار بندر اور لنگور بیٹھے ہوئے ہوں اور چپہ چپہ پر بن بلاؤ، لکڑ بھگے"۔ گرہن اور تتیندے چھائے ہوئے ہوں۔ جو میں بدعہد ثابت ہوں تو ستی ہوئی کے جادو کی مُوٹھ مار دینا کہ کدھی جگ ہی نہ سکوں۔ میرے ڈیل کے روئیں روئیں بھتیر گھنڈی تک آلپنین کھپا کر پارسی مرگھٹ پر دکھوا دینا کہ چیل کوّے اور کرگسی میری تکہ بوٹی کر ڈالیں۔

یا تردا زسیتی سمن کا سر تن سین جدا کر کے اندھاری رات بیچ سٹرک پہ سٹ دینا یا ہمنا کون گھانی میں پلوا دینا۔

کو تو ہور کیا کو دو گے؟

"پیغام زبانی ہوگا یا تحریری؟"

"پاتی لک کر بھیجوں گی"

"آپ کس طرح گفتگو کر رہی ہیں؟"

"ہمنا کا یوں بتیاں کرن کون جی چھے۔ ہائے لڑکی پر ہین!"

"وہ کون ہے؟"

"وہی بتاشاسی رقیہ۔ مخطوبہ تھی اب مخطوبہ نہیں رہے گی۔ کیا آپ کا رشتہ ممکن و لا انفساخ تھا؟"

"نکاح تک فسخ ہو سکتا ہے"

"مکاشفہ سے کہہ رہے ہوں گے؟"

"یہ قانون ہے"

"مگر وہ تو کہہ سکتی ہے کہ تھا میرا مال پر جھپٹ لیا شفقت نے۔ وہ اپنے سر میں پاتھر مار کر مر رہے گی۔ میں کسی کی چیز کیوں کھوسوں۔

آپ شادی پر کیا پوشاک پہنیں گے؟"

"جو آپ کہیں"

"شرعی پاجامہ۔ ادھوڑی کی بنی ہوئی گول پنجہ۔ بسنت رنگ گھتیلی جوتی جو بھدی بھی ہو سوزنی کا گھیر دار انگرکھا۔ اور جھلمل جھلمل کرتا ہوا پنید اڑ مکٹ۔ یہ ہوگا آپ کا باگا۔ ایک بیل کی گڈ میں براجے ہوئے ایسے لگیں گے جیسے ہیمو بقال پانی پت کی لڑائی سے قبل بیاہ کرانے جا رہا ہے"

"قمیص بھول گئیں"

"قمیص نہ پہنیے گا۔ بائیں طرف تکمہ کے پاس چھاتی جلوہ دکھاتی رہے گی۔ بنیان

کی بھی حاجت نہیں اور ضیافت؟"

"اس کا تناول نامہ بھی آپ کو ہی تیار کرنا پڑے گا"

"اُس کا تناول نامہ یہ ہے :۔

"چھینڈوں کی تہ کاری۔

اُبلے میتھے میں ماش کی کالی دال

شور کے تمرت جنے بچوں جیسے بُت کریلے۔

البیسٹ کھاتی ہوئی تپوڑ۔

راب میں پڑے ہوئے سمیل ڈوڈے۔ راڑی قبولی۔ بورانی اور معاف کرنا یاد نہیں رہا تھا طاہری"

پھلوں میں :۔

"گلگھوٹنے بیر کھٹل پھل۔ گولریاں پڑولیاں۔

اور کوئی ایسے بانکے کھانے زیادہ کھا کر بیمار نہ ہو جائے اس لئے چلتے وقت مہمانوں کو ایک ایک نال کاڑھا بھی پلایا جائے"

وہ کچھ اور مسخریاں کرتی مگر اُس کا رکشہ آگیا۔ وہ اس میں بیٹھ گئی۔ میں نے چند ٹکنیے رکشا کو لتے ہوئے کہا :

"شفقتی"

"جی"

"اوہ"

"کچھ فرمایئے تو۔ آپ کے دماغ کو ن تو پھر انجرلے چڑھنے لاگے"

"او شفقتی"

"آپ کچھ بولت تو ہین نئیں۔ میں جانت ہوں۔ موسے تبسیان کرو"

"اوہ!"

"جی جی جی جی۔ جی جی۔ جی جی جی جی جی۔ جی۔ من جواب دے رہی ہوں"

آپ بھی تو کچھ بولیئے۔"

"تمہاری شیرینیِ گفتگو سے لب بند ہوتے جارہے ہیں۔"

"میرے لبان کی توصیف ہو رہی ہے۔ یہ جگ منین شہد سین ادھک میٹھے ہیں اور شکر ہے تمہارے لب ہی بند ہوئے جاوت ہیں۔ کتیں نال نتھنے بھی بند ہونے لاگتے تو گھٹ کر دم نکس جاتا۔

"کیا؟"

"الیس کا مکھ ڈور را کھو۔ ڈ سیلے لبان ستی پیار نتیں کہنے دوں گی۔ ہاں چمکار سکتے ہو ے

کرتا کوئی اس بندۂ گستاخ کا منہ بند"

"اس کا منہ تو صرف منہ ہی بند کر سکتا ہے۔"

"آخر آہی گئے نا اپترے پن اور رذالت پر"

"رذالت؟"

"نہیں اصالت۔

ٹک کتی آپی آپ گالیوں پہ اُتر آیا ہے۔ اب پچتاوت ہوں کہ من نے تمہارے جیرے کی گرہین کیون کھولیاں۔ آپ کون تو بک لگ گئی ہے"

"پُرانی اُردو بولنے والی مکھ ہائی"

"یو مجھے گُوجی گاری دی۔ ہور کچھ ہوا بھی"

"شکر فروش۔ تم نے مجھے پامال کر ڈالا تھا"

"کچھ بتلائیے تو یا خود کلامی ہی کرتے رہیئے گا۔"

"شفقی، لبِ نازکی شوخیاں غنچہ"

"اب مین نہ بولوں گی۔"

"مگر پُرانی اُردو"

"کیا بڑا اکڑوا درد اٹھ رہا ہے"

"نہیں میٹھی میٹھی پیٹر شفقتی"

"شفقتی شفقتی۔ ہاکون پر ہاکین مارے جارہے ہیں۔ بھلا اُنتے تھانہ اکیا بگاڑا البتہ تم اُس کا ناؤں جرور بگاڑ چکے۔ اس سین تمن کو کیا مل گیا۔ اب وہ شفقت جاودانی سے محض شفقتی رہ گئی ہے"

"اوہ شکرستان شفقتی!"

"بھیر دوئی۔ اب کچھ جواب نہ دیجئے گا تو رُوس کر چلی جاؤں گی"

"ے نکلی ہی جان جاتے ہے ہر ہر ادا کے ساتھ"

"لیجئے اتنی دیر میں بولے بھی تو کیا بولے۔ آپ کو فیل کرنے کا ملکہ ہو گیا ہے"

"نہ۔۔۔ہی۔۔۔ں۔۔۔تو"

"ہکلانے کیوں لگے جی"

"نہیں تو"

"نئیں تو۔ تمہاری آواز بھیگے ڈھیڑے کی سار کیوں نکس رہی ہے۔ اگر اُس دن آپ ندھڑک ہو کر کھڈمنن کو دنے کون تیار ہو جاتے تو میں آپ کون روک لیتی"

"اگر گر ہی جاتا"

"بلکل نہ گرنے دیتی۔ مگر آپ سیان پن میں آ گئے۔ صلابت نہ دکھائی۔ ایک میاؤں پر بل مین جا گھسے۔ اور لُٹیا ڈبو دی۔ آپ کی ڈرپوکی اور کچ دلی نے پیر مار دیا تھا"

"ڈرپوکی نہیں تھی بلکہ میں سمجھا تھا کہ تم مجھے چُھلبل بازی سے جھنکا رہی ہو۔ وہ باتیں بگاڑ کی تھیں۔ اور لہجہ بھی غیر مصالحانہ دنا ملائم تھا"

"لہجہ ایسا نہ ہوتا تو امتحان کیسے لیتی۔ اور عشاق صادق ایں داں نہیں کیا کرتے۔"

"یہ تو ٹھیک ہے۔ اب حکم دیجئے۔ بجا لانے کو تیار ہوں"

"آزمودہ لینا تھا۔ آزمودہ لے چکی۔ دوبارہ حشر نئیں ہوگا۔ اب تو اگر کوہ طور پر سین بھی اتر کر آئے گا تو یقین نہ کروں گی۔ خواہ آپ دھرم دھاری بن انگ بھبوتی مل

بارہ برس تپوبن میں بیٹھ کر گیان اور تپسیا کریں۔ یا احرام باندھ کر سال ہا سال خانہ کعبہ میں پیشانی رگڑیں۔ وشواس نبھا جاتا رہا۔ کبھو واپس نہیں آوے گا۔ اب کسبِ اعتبار فضول ہے۔ سیان پنا ہمیشہ ہی کار آمد نہیں ہوتا۔ کبھو کبھو بے وقوف پن بھی پالا مار لیتا ہے“

”خیر ہو، پھر بھی گھاٹے میں نہیں رہا“

”اس کا پتہ کل چل جائے گا“

”اب نہیں“

”خوش خبری کا انتظار اچھا ہوتا ہے۔ اس لئے کل پر ہی ملتوی رکھئے۔ صرف ایک رات بیچ میں ہے۔ بڑبڑانے کی کوئی وجہ نہیں۔ صبر کرو۔ واللّٰہ یحبُّ الصابرین۔ لیکن آپ تو ہر وقت کُن فیکُون کی تسبیح پڑھتے رہتے ہیں۔ اور بس دن گئے۔ زندگی کی بہار شروع ہوتی ہے۔ اور جگتے رہنا یہ گاتی ہوئی سپنے میں آؤں گی ؎

جمنا کے نیرے گو آن جرائے آ کھر جات ابہیر“

”دہائی ہے تمہارے مکر و فریب اور افسوں گری کی“

”خلقت کسی کے یوں ہاتھ دھو کے پاچھے نہ پڑے۔ بس بس جی۔ بس“

”منہ من بس۔ دل من ہوس“

اُس کے گلہائے عارض ہنسی سے کھلے جا رہے تھے اور میں پکارتا جا رہا تھا۔

”شفقتی۔ شفقتی۔ شفقتی“

اب اُس نے اپنی بڑی بڑی آنکھوں کو اور بڑی کرتے ہوئے کہا:

”میرے نام کا زیادہ ورد نہ کیا کیجئے یہ اسم جلالی ہے“

اس وقت میرے دل میں تو آیا کہ اس ٹک ٹک اُن سنے۔ اور این کہنے والی کے لبِ احمرین بجاتے ہوئے دُرِ دندان کے بوسہائے مراد لے لوں مگر ہمت جواب دے بیٹھی۔ اس لئے سرِ دست اُس کا حنائی ہاتھ اٹھا کر چومنا چاہا۔ اُس نے شوخی سے اپنی فیروزی چوڑیوں بھری کلائی میرے ہونٹوں سے لگا دی اور مُنہ

سے بدن مس نہ ہونے دیا۔ میں نے اُس کے ہونٹوں کی طرف مُنہ بڑھایا تھا کہ وہ یہ کہتی ہوئی کہ :

"میں مُنہ کی اتنی کچی نہیں۔ اور اب تو نقصِ امن کا شدید ترین خدشہ پیدا ہو چکا ہے کیونکہ آپ دم بدم تیز اور تیز تر ہوتے جا رہے ہیں"

ہولے سے ایک قُلقُلِ مینا قہقہہ ہوا میں اڑاتی ہوئی رکشا لے کر چل دی۔

باب ۱۰

نیچے میونسپل باغ میں لال سرے ٹیاں طوطے سیب اور نخ کھا رہے تھے۔ بار بردار کی خچریں گھنٹیاں بجاتی ہوئی گزر رہی تھیں۔ بجلی کے تاروں پر قطار در قطار بیٹھے دراز دم کل پوٹیے پرند اس طرح چہچہا رہے تھے کہ جیسے ختم قرآن کی خوشی میں خوش الحان طفلان مکتب آمین کہہ رہے ہوں۔ اس پہاڑی صحت افزا مقام کا مشہور و معروف "چشمۂ سیماب" قہقہے پہ قہقہے لگا رہا تھا۔

دریائے بجر اس کے پُل سے گرل گائیڈس مارچ کرتی ہوئی آرہی تھیں۔ آگے آگے بینڈ بج رہا تھا۔ میں رکشا اسٹینڈ کے قریب بنگالی کتب خانہ کے ستون دار ورانڈے میں کھڑا ہو کر اُنہیں دیکھنے لگا۔ اُن ہزاروں لڑکیوں میں کوئی لڑکی میری شفقت کے پاسنگ نہ تھی۔ نہ تو کسی کے رخساروں پر گلال کے کوٹ تھے۔ نہ کسی کی ویسی مے خانوی آنکھیں تھیں۔ اور نہ کسی کے ذقن۔ گردن۔ اور بناگوش صدف نو جیسے۔ میں اپنے نصیبے پر فخر کر رہا تھا۔ کہ:

خراج بادشہ چین سے کیوں نہ مانگوں آج

اِن سے تو بیجا اور رقیہ ہی در ہیں۔

میں خوش تھا۔ بے حد خوش۔ گویا کریز سے نکلا تھا اور اُماہو سے پھولا پھولا بینڈ چوک پہنچا جہاں یورپین طرز کی دکانیں ہیں تاکہ شفقت کے پاس بھیجنے کے لئے عطریات اور تحفہ جات خرید سکوں۔

تمام راستہ مجھے ایسا محسوس ہوتا رہا جیسے میں نے کوہِ ایورسٹ کے سر پر اپنا بایاں پاؤں گڑا کر اُس کا مان توڑا ہے اور اب سقف و دیوار۔ سنگ و شجر پر ٹنگی ہوئی پبلک تالیاں بجا بجا کر میرا خیر مقدم کر رہی ہے۔ خلق اللہ نے میرے لئے زندہ باد کے ایسے زور زور سے اور گلا پھاڑ پھاڑ کر نعرے لگائے ہیں کہ اُس کی آواز بیٹھ گئی۔ وہ گھگھیا گئے اور دریائے بحر اس کا پانی مچلا کر کناروں سے باہر بہنے لگا۔ جب میں یوں پُوجا جا رہا تھا تو رقیہ ہاتھی نشین کے خواصی میں بیٹھی ایک ہاتھ سے مجھ پر چھتر شاہی لگائے دوسرے ہاتھ سے مور چھل ہلا رہی تھی۔

ہزار ہا کیمروں کے منہ میری طرف پھیرے جا رہے تھے تاکہ میری تصاویر چہار دانگ عالم میں مشتہر کی جا سکیں۔ آج مجھے تقویمِ روزگار میں ردّ و بدل کرنے کا اختیار تھا اور وقت میرے قبضہ میں۔

میں چاہتا تھا کہ فوجیوں کی طرح خوب آگے پیچھے لمبے لمبے ہاتھ ہلاتا ہوا چلوں اور میرا سینہ اتنا آگے کو نکلا ہوا ہو کہ قرآن کے اس حکم کی سراسر نافرمانی عائد ہو جائے۔۔ ۔۔۔۔ اور زمین پر اتراتا ہوا نہ چل۔ نہ تو زمین پھاڑ سکتا ہے اور نہ پہاڑوں کی بلندی کو پہنچ سکتا ہے۔۔۔۔۔۔۔

پہلے میں رسٹوران میں چلا گیا تاکہ کیبن میں تنہا بیٹھ کر کچھ مفرحات کھا پی سکوں کیبن کے تختے پر ہندوستان کے مشہور خوش نویس ”جادو قلم“ نے یہ شعر لکھا ہوا تھا:

بِن دیکھے جس کے پل میں آنکھیں بھر آئیاں ہوں
کیا بہتر ہے جو اُس سے برسوں جُدائیاں ہوں

اور مجھے بیجو یاد آ رہی تھی۔ میں ابھی آئس کریم کھا ہی رہا تھا کہ اندھے شیشے کے پٹ کھول کر مہکی مہکی بہکی بہکی وہ خود ہی کیوں نہ چلی آئے۔ میں نے اُسے خطاب کیا:

”تم اس سمے کہاں میری جان بیجو“

”ادہ اتر دیس کے راجکمار۔ تم مجھے سرسوں پھولے کھیت کی طرح چھوڑ آئے تھے جیسے ٹڈی چاٹ گئی ہو اور صرف جھنڈیاں بچ رہی ہوں۔ تمہارے بغیر میں کلس اتری

ہوئی منڈاری مسجد کی طرح رہ گئی تھی۔ مگر تم ہر وقت میرے اندر بیٹھے مستیاں کرتے رہتے تھے۔"

"چھوڑ کر تو نہیں آیا تھا بلکہ ہم تو ایک دوسرے سے وداع ہوئے تھے۔ یہ گلہ گزاری درست نہیں، اور میں تمہیں "بھول مجھے نہ بھول" (FORGET-ME NOT) دے کر آیا تھا۔"

"تو میں تمہیں بھولی کہاں۔ اور مواد عت کے وقت جی کس کا ڈوبا جا رہا تھا اور رو یا تھا کون؟"

"تم"

"ہے ہے تم نے اُس رونے والی کی مڑ کر سدھ نہ لی۔ یوں سمجھ لیا ہوگا کہ ہو گی اُس سے کچھ یُوں ہی سی دور کی صاحب سلامت۔ اور وہ تمہاری یاد میں دل برباد کرتی رہی۔ اب وار پار کی بات سنو جس کا تمہیں بہت شوق تھا اور جس کے ذریعے تم میرے اندر روح پھونک آئے تھے۔"

"روح!"

"انجان نہ بنو طاہری۔ تم مذاق مذاق میں کہا کرتے تھے کہ ویسے ہم دونوں الگ الگ ہیں مگر کچھ دیر کے لئے ہمارا ایک بن جاتا ہے۔ تو جو چیز دو کا ایک بنا دے تیسرا نہ بنا سکے گی؟ لیکن تیسرا بن گیا تھا اور میں جواب دیا کرتی تھی کہ ایک پر بندی رکھنے سے دس بن جاتے ہیں اور دو بندیاں رکھنے سے سو۔ تو میرا کہنا سچ ہوا۔ اور اُس کا پورا نتیجہ یہاں برآمد ہوا۔ میں تمہارا اثر یہاں اتنی دور پوشیدہ طور پر صاف کرانے آئی تھی۔ وہ صاف ہو گیا مگر بڑی مصیبت کے بعد۔"

"تم تو ویسی ہی تر و تازہ ہو۔ کون کہہ سکتا ہے کہ تم کنواری نہیں؟"

"صرف تم کہہ سکتے ہو۔"

"اور وہ نہیں کہ جس سے صفائی کرائی۔"

"وہ تمہارے بعد۔ اگر اُس روح کو برآمد ہونے کے لئے پورے دن مل جاتے تو لڑکی پیدا ہوتی اور اُس کا نام ناگلا دیوی ہوتا۔"

"ایک طوائف کا نام؟"

"اگر لڑکا ہوتا تو میں اُس کا نام کرشن دیو رائے اعظم رکھتی۔"

"دشمنِ اسلام کا نام۔"

"مگر وہ فاتح رائچور تھا۔۔۔۔ مجھے یہاں آتے ہوتے چھ مہینے ہو گئے۔"

"مجھے تو تم کہیں دکھائی نہیں دیں۔"

"دکھائی کہاں دیتی۔ دور ٹھہری ہوئی ہوں۔ نوجوانوں کے ہوسٹل میں مہاکنڈ کے کنارے متصل جھیل سکھتلا، سڑک گلیشیر پر بنفشی پہاڑوں سے بھی آگے۔ میری سگی پھوپھی اس ہوسٹل کی مہتمم ہے۔"

"تو وہ نکلنے نہیں دیتی۔"

"نہیں۔ بال ہتیا کی سزا مل رہی ہے۔ کرے کوئی بھوگے کوئی۔ پہرا چوکی بٹھا رکھا ہے۔"

"کیوں؟"

"اس لئے کہ پہاڑوں کی سرور انگیز ہوا کھا کر نوجوانوں کے ڈنک اُٹھنے لگتے ہیں۔ اور اُن میں غضب کا زہر اور انتہا کی تیزی اور گزیدگی آجاتی ہے۔"

"تجربہ کار ہو۔ مگر سال بھر کے بعد زہر کہاں باقی رہ گیا ہو گا۔"

"یہ تو اُسے معلوم ہے کہ جس کے گاہ بگاہ ہی نہیں بلکہ معمولات کی طرح ڈنک مارے جاتے رہے ہوں اور جس کے رگ رگ اور رونگٹیں رونگٹیں میں زہر دوڑا دیا گیا ہو۔ تم ایک لڑکی پر جھک رہے تھے۔ پھوپھی ساتھ تھیں اس لئے ٹوک نہ سکی۔ انہیں جھانسے جھلانسے دے کر آئی ہوں۔ تمہیں یہاں آتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ مجھے حقِ مواخذہ حاصل ہے۔ وہ لڑکی کون تھی؟"

"منگیتر"

"کیا نام؟"

"رقیہ مولاداد"

"کہاں ٹھہری ہوئی ہے؟"

"تالیکوٹہ میں"

"تم تو مجھے بالا بتا رہے ہو؟"

"تو کہیں اور ٹھہری ہوئی ہوگی؟"

"ٹال لینے سے فائدہ۔ سچ سچ بتاؤ۔ ورنہ تم پر میرا صبر پڑے گا"

"تو وہ تالیکوٹہ میں ہی ٹھہری ہوئی ہے۔ انہوں نے یہ کوٹھی نئی بنوائی تھی۔ اور تمہاری یاد تازہ رکھنے کے لئے میں نے یہ نام تجویز کر دیا تھا۔ جو انہیں پسند آیا۔ رقیہ کے والد تاریخ جنوبی ہند کے بڑے دلدادہ ہیں اور ٹیپو سلطان سے انہیں خاص عقیدت ہے"

"اگر تمہیں مجھ سے لگاؤ ہوتا تو یہ نام کبھی نہ رکھتے۔ تالیکوٹہ کے ساتھ تلخیاں وابستہ ہیں اس کا واسطہ وجیانگر کی جانکندنی اور سکراتِ موت سے ہے۔ یہ نام آتے ہی میرے دل میں ٹیس اور چبک مارنے لگتی ہے۔ اگر رائچور رکھتے تو کیسا اچھا ہوتا۔ جنگِ رائچور میں کرشن دیو راج اعظم نے سلطان اسماعیل عادل شاہ کو نیچا دکھایا تھا۔ جس طرح تم نے مجھے دکھایا۔

ٹیپو سلطان کی بابت آپ کی کیا رائے ہے؟"

"میں مسلمان حکمرانوں میں اُنہیں افضل ترین خیال کرتا ہوں"

"علاؤ الدین۔ شیر شاہ۔ اکبر و اورنگ زیب"؟

"ٹیپو کا مقام ان سب سے اعلیٰ ہے۔ شیر شاہ شہید ضرور ہوا مگر ایک اتفاقیہ گولے سے۔ اور سلطان ارادتاً شہادت کے لئے نکلا تھا چنانچہ حسب مراد شہید ہوا"

"(ترشی کے ساتھ ناک چڑھاتے ہوئے اور کڑوے پن سے نچلا ہونٹ دانتوں تلے دباتے ہوئے) ٹیپو اجب گھٹتے گھٹتے وجیانگر کی اہمیت کچھ نہ رہی تو اس دھنیتر نے ۱۷۸۶ء میں آنے گنڈی کو آگ لگا کر گویا اس سلطنت کی چتا پھونکی تھی! تم بھی منحوس ہو۔ وہ بھی منحوس تھا۔ ہمارے یہاں کوئی نہیں۔ یہ کوٹھی "تالیکوٹہ" کدھر ہوئی"

"تمہارے پاس ہی تو ہے جھیل کشکولی کے کنارے"

"کشکولی کیا؟"

"یہ جھیل کشکول جیسی ہے۔"

"میں پہلے تم سے ملی۔ تم پہلے مجھ سے ملے۔ میرا حق فائق ہے۔ کیوں تسلیم کرتے ہو؟"

"ہاں"

"تم میرے دھڑے میں ہو۔ میں تمہیں نہ چھوڑوں گی۔"

"نہ چھوڑو۔ پر اُس سے انکار کیسے کیا جائے؟"

"یہ میرے ذمہ۔ تم ناراض تو نہ ہو گے؟"

"نہیں"

"جو چاہوں کروں۔ جو چاہوں کہوں؟"

"تمہیں اختیار ہے۔"

"تم اُس سے بیاہ کرو گے؟ کرو گے؟ بتاؤ؟"

"نہیں۔"

"تم کمزور آواز میں جواب دے رہے ہو۔"

"نہیں۔"

"اب ٹھیک ہے۔ میں تمہیں اپنے پاکباز اور پاکیزہ ہونے کا بڑا قوی ثبوت دے چکی تھی۔ حالانکہ تمہاری بابت ایسا وثوق سے نہیں کہا جا سکتا۔"

"یہ درست ہے تم سربلند تھیں۔"

"تو مجھے باتوں باتوں میں اُڑانے لگے۔"

"سچی بات کہنا بھی جرم ہو گیا۔"

"تمہارے لہجہ میں ہزل تھا۔ ہائے پیارے خط بھی نہ بھیجا۔ میں تو سر ٹکتی رہ گئی تھی۔ بہت دنوں میں درشن دیئے ہیں۔ تمہارے لئے دل ہر وقت پھڑکتا رہتا تھا۔"

"اچھا بیجو لانا ذرا یہ دس بھریاں۔"

"رس بھریاں؟"

"ہاں۔ ہونٹ"

"رس بھریوں کا تو آج کل موسم نہیں"

"یہ تو سدا بہار ہیں"

"نہیں طاہری۔ یہ فقرہ تو تم نے مجھ سے اُڑایا ہے۔ اپنی اُکت سے نہیں کہہ رہے۔ اب میرے پُرلتے الفاظ سُنو۔ لانا ذرا ہونٹ۔ مدت گزر گئی۔۔۔ ۔۔۔۔۔ منہ پرے ہٹا رہے ہو"

"کہاں"

"میں تو یہی سمجھی تھی۔ اب میرے منہ سے پرہیز نہ چاہیئے۔ میں نے شراب اور سُور کا گوشت چھوڑ دیا"

"شراب تو اب بھی پیئے ہوئے لگتی ہو"

"فراموش کار! مجھے تو تم نے مست بنا دیا (بہت سے بوسوں کے بعد) تمہارے ہونٹ اب تک ٹھنڈے ہو رہے ہیں۔ برف سے زیادہ ٹھنڈے مگر میٹھے۔ حالانکہ زیادہ ٹھنڈی چیز سے مٹھاس کم ہو جاتی ہے"

"آئس کریم جو کھائی ہے بیجی۔ پر اب گرم گرم اور انتہائی مزے دار ہو جائیں گے"

"۔۔۔۔۔ گرم اور انتہائی بامزہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔ تمہاری بیجا پوری بیجو یا بیجی"

"بیجی"

"بیجی کے منہ پر پہلے کی طرح ہونٹوں سے اپنا نام لکھ دو۔ چھید کر کے لکھ دو کہ کبھی مٹ نہ سکے۔ سجن تم مجھ میں سرایت کر جاؤ۔ میں اتنے دنوں سے پہاڑ آئی ہوئی ہوں طاہری۔ اچھا پہاڑ ہے یہ بھی۔ اوٹی سے بھی اچھا۔ مگر میں تو یہاں بھی دل سوختہ ہی رہی شکر ہے آج رُت بدل گئی۔۔۔۔۔۔ ہائے میں مر گئی طاہر"

بیجی نہیں مر رہی تھی بلکہ اُس کی اشتعال انگیزیوں نے مجھے قتل کر ڈالا تھا۔ شفقت کی رنگین ادائیاں اور دل کشی اب بھی مجھے یاد آ رہی تھیں۔ اور میں دو مستیوں کے دور میں تھا۔ ہم دونوں کی ناکیں ملی ہوئی تھیں اور میرے ہونٹ اُس کے ہونٹوں سے پیوست۔

میں نے ذرا منہ پرے ہٹایا تو وہ پوچھنے لگی :

"جان۔ کیا تم کچھ بھول بھی رہے ہو؟"

"نہیں"

"تمہیں وہ سات کا پیارا عدد یاد نہیں رہا۔ صرف ایک ہونٹوں اور دانتوں پر ہی اکتفا کر کے رہ گئے۔ یہ ٹھوڑی۔ دونوں رخسار۔ دونوں آنکھیں۔ اور پیشانی تا حال محروم ہیں۔"

"بیجو یہ محروم نہ رہیں گے۔ مگر میں ضرور بھول گیا تھا۔"

"اُس نے بھلا دیا ہوگا جس پر تم جھک رہے تھے۔ مگر وہ مجھے تمہاری منگیتر معلوم نہیں ہوتی۔ جو پھل اپنا ہوتا ہے اُسے ڈھیلے بانس سے جھاڑ کر سڑکوں پر دیکھتے کھاتے نہیں پھرا کرتے۔ وہ تو صفائی اور اطمینان سے توڑا، جا کر سلیقہ کے ساتھ طشتری میں کھایا جاتا ہے۔"

جب میں اُس کے رخسار سے چومنے لگا تو وہ اپنے ہونٹ ہلاتے ہوئے بولی :

"اتنی دیری میں تو قلم کی سیاہی تک سوکھ جاتی ہے اور لکھا نہیں جایا کرتا۔ پھر یہیں ہونٹوں سے شروع کر دو طاہری۔ تمہارا نام بھی کتنا ذائقہ دار ہے۔ پہلے مجھے ایسے نام پسند تھے۔ سدا شیو۔ مُرارِی۔ وِشوا۔ ہری پت۔ اور اب یہ۔"

وہ تو وہیں ہنگامہ آرائیوں کی ابتدا ہو چکی ہوتی اور طوفان کناروں سے باہر بہنے لگتا کہ مجھے ایک ایسی بات یاد آ گئی کہ جیسے میں ایک لاکھ روپوں کی تھیلی سڑک پر چھوڑ آیا ہوں۔ میں نے شفقت سے یہ نہیں کہا تھا کہ بارش ہو یا نہ ہو بہر صورت خوش خبری کل ہی پہنچ جانی چاہیے اور نصف النہار کے قریب باہر سے آواز آئی "بیجا پوری"

اُس کی پھوپھی بلا رہی تھی۔ وہ مجھے نہ چھوڑتی۔ وہ دیوانی ہو رہی تھی۔ میں اُس کے ہاتھ گردن سے ہٹا کر باہر نکل گیا۔ اُسے کچھ خبر نہ ہوئی۔ اگر کچھ دیر اور بیٹھا رہتا تو اُس کی پھوپھی ہمیں پکڑ لیتی۔

اُسے میرا جائے قیام معلوم نہ ہو سکا تھا۔ رقیہ کا پتہ وہ جان گئی تھی۔ مگر رقیہ یہاں کہاں اور پہاڑ کا موسم ختم تھا اس لئے اس کی آمد کی توقع بھی نہیں ہو سکتی تھی۔ شفقت کا بیجا پوری کو علم نہیں تھا۔

میں ایک دکان میں سودا خرید رہا تھا کہ رقیہ بھی آ گئی۔

اُس نے بہت ہی معمولی لباس پہنا ہوا تھا۔ سیاہ رنگ کے مردانے سے عام شوز۔ لٹھے کی سفید شلوار اور سُرمئی کوٹ جس کے تمام بٹن بند تھے۔ وہ بیماری سے اٹھی ہوئی معلوم ہوتی تھی۔ کھوئی کھوئی مظلوم۔ دبی دبی کشتی شکستہ۔ گلگین رمیدہ بو۔ پایال کا آم۔ اُس کے رخسار یاسمین زار تھے۔ چہرہ بے جمال اور ہاتھ چوڑیوں سے خالی۔ اُوپر کے ہونٹ پر مہین سی پھنسی نکلی ہوئی تھی جسے تبخالہ کہتے ہیں اور جو اکثر بخار چھوڑنے کے بعد نمودار ہوا کرتی ہے۔ اُس کے ناخن بے آب تھے۔ وہ فاختہ بے نوا معلوم ہوتی تھی یا نرس۔ صاف صاف مگر رنگینی سے منزہ۔ ستھری ستھری سفید سفید مگر مانڈی کلف اور استری کی بُری طرح حاجت مند۔

اب مجھے وہ ساتیں یاد آنے لگیں جب آموں کی بہار میں رقیہ کا اور ہمارا خاندان لبِ شاہ نہر فوارہ باغ میں ٹھہرا کرتا تھا جس میں ہم آدھے کے ساجھی تھے۔ ہم دونوں دن بھر ٹپکے کے سُرخ، زرد اور ہرے آم چُن چُن کر لاتے یا بلاچتی بھدوار میں سے بیر بوٹیاں پکڑتے۔ تیز ناگوری بیلوں کے رتھ ہویا مشکی گھوڑوں کی شکرم میں بیٹھ کر ہیڈ سجدہ دیکھنے جاتے جہاں سے شاہ نہر اور دوسری نہریں اکناف و اطراف ملک میں ہنستی کھیلتی نکل جاتی ہیں اور جہاں شاہ گول کا چھے میلا نمائشی جنگل اور آکاش نیموں کا ذخیرہ ہے۔ یہاں ہی نہر کے دونوں کنارے کلکوں کی ایسی سرخ سُرخ جھنڈیاں

ہیں کہ جن سے واسطی قلم شرمائیں اور آگے پٹیلے جن میں جل مرغیاں بولتی رہتی ہیں۔ شکرم کے کوچوان کو والد صاحب عمر خیام کہا کرتے تھے کیونکہ اس کی داڑھی۔ پٹے اور صورت عمر خیام ایسی تھی۔ جب شکرم چلتی تو وہ ساتھ یہ آیت پڑھتا: بسم اللہ مجریہا و مرسٰہا ان ربی لغفور الرّحیم۔

ہم اکثر ملحقہ تحصیل قصبہ دتیاں والے سے گھیور، اسٹابریاں، رسبیریاں، شہتوت منگواتے اور دو سوفٹی جھال کی طرف اُن تختوں پر بیٹھ کر کھاتے جو نہر کے در اٹھانے والی خود کار مشینوں سے لگے ہوتے تھے۔ پانی کے کنارے اور ادھر اُدھر زنگا رنگ بھنبیریاں اڑتی ہوتیں۔ کاسنی۔ زرد۔ بینگنی۔ سرخ۔ سبز اور اُس برگد میں جسے اکبر کے زمانہ کا بتاتے ہیں اور جس کی لٹکتی ہوئی جٹا پانی میں نہا رہی ہے۔ اِتنا بڑا جھولا پڑا رہتا کہ دیہاتی جھوٹے لیتے ہوئے تقریباً دوسرے پار پہنچتے ہوئے لگتے۔

ایک مرتبہ ابا جان اور چچا جان (رقیہ کے والد) ہم دونوں کو دتیاں والہ لے گئے جہاں سفری سینما آیا ہوا تھا۔ مجھ پر اُس کا بڑا خراب اثر ہوا کیونکہ اوروں کی دیکھا دیکھی مجھے سگریٹ نوشی کا شوق پیدا ہو گیا۔

جب ہم قبل عصر باغ میں لوٹ کر آئے تو میری جیب میں سگریٹ کی ڈبیا تھی میں نے رقیہ کو ورغلایا اور ہم ماڑدوں کے جھنڈ میں چھپ کر کش لے رہے تھے کہ ہیڈ خانساماں ہمیں شام کی چائے کے لئے ڈھونڈتا ہوا آ پہنچا۔

یہ بڑا ہی سنگین جرم تھا کیونکہ ہمارے یہاں کوئی نشہ نہیں کرتا۔ تمباکو خوردنی اور نوشیدنی تک سے بڑا سخت پرہیز ہے۔ رقیہ مجھ سے چھوٹی ہے۔ اس لئے کل الزام مجھ پر ہی رکھا گیا مگر رقیہ اچانک یہ قبول کرنے لگی کہ سگریٹ اُس نے خریدی تھی میں نے نہیں۔ اس لئے اُسے خوب بھپیڑا یا گیا اور میری بریت ہو گئی۔

سینما بینی کا دوسرا اثر اس سے زیادہ خطرناک ہوا۔ تی منزلہ پر چوگردہ کھلی اور گھڑنال محرابوں والی برساتی میں رقیہ کا اور میرا بستر پاس پاس ہوتا تھا۔ اُسی شب باد و باراں کا اتنا سخت طوفان آیا کہ درختوں کے گرنے سے بجلی کے تار ٹوٹ گئے۔ وقت اتنا تنگ تھا کہ مٹی کا تیل بھی نہ آسکا تا کہ رات کو روشنی ہو سکے میں نے فلم میں بے حجابانہ بوس و کنار دیکھا تھا

اس لئے رات کے وقت جب زبردست بارش ہو رہی تھی۔ گھپ اندھیرا تھا اور اولتیاں پرنالے بن گئے تھے، میں رقیہ کے بستر پر جا کر پوچھنے لگا:

"بھلا تم نے سارا الزام اپنے اُوپر کیوں لیا؟"

"میں نے بیرم خاں کی کہانی پڑھی ہے جس میں اُس کے دوست نے اپنے آپ کو بیرم خان ظاہر کر کے جان دے دی اور بیرم خاں بچ گیا۔"

یہ الفاظ سنتے ہی میں نے اُس کے گلے میں باہیں ڈال کر ہونٹ چومنے شروع کر دیئے۔ اور وہ اٹھ کر اپنی امّی جان کے بستر میں جا لیٹی۔ اور بہانہ کیا کہ بستر گیلا ہے۔ حالانکہ ہوا کی نمی سے بستر تو سبھی کے سیلے سیلے ہو رہے تھے۔

اس پر خالہ جان نے دوسری دری اور چادر ٹرنک سے نکلوا کر اُس کے نیچے بچھوا دی۔ اب اس نے دوسرا بہانہ کیا کہ اندھیرے میں ڈر لگتا ہے۔

اگلے روز شام کے وقت جب گھریلو چڑیاں پیپل جتنے سیندورئے میں بسیرا کرتی ہوئی شور مچا رہی تھیں اور ملازم دسہری، بشمر بہشت۔ فجری۔ لنگڑے ریفریجریٹر میں رکھنے کے لئے جا رہے تھے۔ میں نے اُس سے سرخ زرد اور سفید گلہائے عباس، مہندی اور ریحاں کے گملوں کے پاس کھڑے ہوتے پوچھا:

"تو رات کیوں بھاگ گئی تھی؟" اُس نے جواب دیا۔ "میں نے تم سے کُٹی کر لی ہے۔" اور پھر اُس نے اپنا بستر میرے پاس سے اٹھوا لیا اور میں نے ضد میں آ کر اس کی چادر اور تکیئے پر اتنی گلاب پاشی کی کہ وہ تربتر ہو گئے مگر اُس نے کسی سے شکایت نہیں کی۔

تین چار دن بعد اُس نے ٹپکے کے اتنے آم چوسے کہ کھانا بھی نہ کھایا۔ وہ دوسری منزل پر پوچھاڑی میں تخت پر تنہا سو رہی تھی جس پر تیل گون قالین بچھا ہوا تھا اور پاس ہی پلھنڈی میں پر تکلف جزدانوں والے قرآن شریف رکھے ہوتے تھے۔

ہیڈ سجدہ کا پل ٹوٹ جانے کی وجہ سے نہر میں طوفان آیا ہوا تھا۔ پٹڑی اور کنارے بہہ چکے تھے۔ وہاں کے کھیتوں میں اتنا پانی بھرا ہوا تھا کہ سرائی دکھائی نہ دیتی

بھی، سبزہ پوش کناروں والے ڈبروں میں سفید بطخوں کے جھنڈ تیر رہے تھے۔

کوئلوں نے بول کر باغ سر پر اٹھا رکھا تھا۔ ٹھنڈی ٹھنڈی مست ہوا چل رہی تھی۔ اس وقت مجھے خالہ جان (رقیہ کی والدہ) نے پلہنڈی سے قرآن لانے کے لئے بھیجا۔

میں نے قرآن تو بعد میں اٹھایا اور پہلے رقیہ کے دونوں ہونٹ اور دونوں رخسار بار بار چومنے شروع کر دیئے۔ اُسے کچھ بھی خبر نہ ہوئی۔ اُس پر آموں کا نشہ سوار تھا۔ خبر نہیں باوجود قرب کلام پاک یہ فعل شنیعہ کب تک کرتا رہتا۔ پر وہ تو مجھے آوازیں پڑنے لگیں :-

"طاہر۔ اتنی دیر۔ کیا کر رہا ہے۔ قرآن شریف نہیں لاتا؟"

میں قرآن شریف لے کر دوڑا۔ نیچے فرش چکنا تھا۔ اس لئے مع قرآن مجید زمین پر گر پڑا۔

تھوڑی دیر بعد جب خالہ جان قرآن شریف رحل پر رکھے ہوئے پڑھ رہی تھیں اور میں تعلیمی البم سے سائبیریا۔ گرین لینڈ۔ الاسکا۔ ٹنڈرا۔ بحر ہائے منجمد اور قطب ہائے شمالی وجنوبی کے پرندوں اور چوپایوں کی تصویریں دیکھ رہا تھا تو رقیہ آئی اور غصے میں بولی :

"اب کہاں جاؤ گے۔ تم نے لوچھاڑی ہے جو کیا اماں کو بتاؤں گی؟"

"میں نے کیا کیا؟"

"کچھ نہیں کیا؟"

میں اب بھی البم دیکھ رہا تھا مگر مجھے اُس کی تصویریں نظر نہیں آ رہی تھیں۔ مجھ پر خوف طاری تھا کہ اب رقیہ اپنے لب و رخسار کا قصّہ سنائے گی۔

پر وہ کہنے لگی :

"اِنہوں نے قرآن شریف کو گرا دیا۔"

خالہ جان ناراض ہونے لگیں۔

"کیوں رے شیطان، چیروں پتر ے گلے۔ مجھے کیوں نہیں بتایا آکر؟"

میں نے شکر کیا کہ بخیر گذشت اور رقیہ خالہ جان کو ڈھنڈا کر رہی تھی:

"اماں جان قرآن کے برابر اناج خیرات کر دیجئے۔"

یہ ساون تھا۔ دیہات میں چہار طرف گیت گائے جا رہے تھے۔ کالے کالے تنوں اور ہرے پتوں والے نیموں میں جھولے پڑے تھے۔ سورج کی شکل بیس دن سے نظر نہیں آئی تھی۔ ایک طرف "میگھا" سے ٹپا ٹپ لگی ہوئی تھی اور دوسری طرف آموں کی ٹپکا ٹپکی۔

پھر مجھے اپنا پہلا روزہ یاد آیا۔

جیٹھ۔ اساڑھ کے رمضان تھے۔ بہت تپ رہا تھا۔ کئی درخت سوکھ گئے تھے اور ہمارا خاندانی دھوبی نظام الدین عرف جامُوسن اسٹروک سے مر گیا تھا۔ ہم عید کرنے پہاڑ سے آتے تھے کیونکہ دادی جان کو ڈاکٹروں نے پہاڑ جانے سے منع کر رکھا تھا۔

اِس روزہ کی رسم کے لئے بڑے اہتمام کئے جا رہے تھے۔ بہت سے مہمانوں کو مدعو کیا گیا تھا۔

جب میں تڑاخے کی دھوپ میں آخری جمعہ پڑھ کر لوٹا تو پیاس کے مارے میرے طور بگڑے ہوئے تھے۔ میں سوچ رہا تھا کہ نعوذ باللہ حضرت امام حسینؓ کو میدانِ کربلا میں اتنی شدت کی پیاس نہیں لگی ہوگی اور اس وقت میں یاجوج ماجوج کی طرح سمندروں کا کل پانی پی کر خالی کر سکتا ہوں۔

احاطہ میں بھاجی کے لئے دیگیں چڑھی ہوئی تھیں۔ اور حلوائی مٹھائیاں بنا رہے تھے۔ میں بے حواسی میں جا کر گھڑونچی پر رکھے ہوئے گھڑے سے سب کے روبرو پانی پینے لگا مجھے بہت سی آوازیں روک رہی تھیں یہاں تک کہ رقیہ بھی۔ مگر میں نے سیر ہونے سے پہلے منہ نہ ہٹایا۔ ایک جلوس کی شکل میں مجھے خالہ جان کے پاس لے گئے۔ میری حالت شرمندگی اور پسینہ کی وجہ سے بُری ہو رہی تھی۔ میں گویا اس معتبر اور صابر کتے کی طرح گلے میں رسی ڈال کر کھینچا جا رہا تھا کہ جسے دودھ دہی کی حفاظت کے لئے بٹھایا گیا مگر اُس نے

بڑھ کر ڈونگے چھوٹے کر دیئے۔ اب اُس کی کمر پر ڈنڈا برس رہا تھا۔

جب خالہ جان نے سوال کیا۔ "طاہر، کیا تُو نے روزہ توڑ دیا؟ تو میری طرف سے رقیہ بولی۔ "نہیں امّی جان۔ یہ تو بھول کر پانی پی رہے تھے۔ جب منع کیا تو "رُک گئے"

اِس بدیہی جواب سے سب خوش ہو گئے تھے کیونکہ یہ کسی کی مرضی نہیں تھی کہ وہ رسم کی خوشیوں سے محروم ہو جائے۔ اور مجھے ایسا معلوم ہوا کہ جیسے جنگ بدر میں فرشتے مدد کو آ گئے۔

وقت افطار میں نے اتنا پانی پیا کہ چلنے کی طاقت نہ رہی اور میں بستر میں آنکھیں بند کیے ہوئے لیٹا ہوا رقیہ کی باتیں سُن رہا تھا۔ جو کہہ رہی تھی:

"اماں جان۔ دوپہر کو بھول میں بھی انہوں نے کم ہی پانی پیا ہو گا جو اتنی پیاس لگی کہ اب نڈھال ہو گئے۔"

اُسی سال رقیہ کے سر میں لیفا ہو گئی۔ میں دھوپ میں بیٹھا سبق یاد کر رہا تھا۔ اُس نے مذاقاً اپنے بال میرے میز پر لا کر جھاڑ دیئے۔ میں نے طیش میں آکر انہیں اس زور سے کھینچا کہ اُس کی حیدری چیخیں نکل گئیں۔ خالہ جان برآمدہ سے عطردان لواتے ہوئے سنگھار خانہ میں جا رہی تھیں۔ جو لڑکے کے ہاتھ سے چھوٹ کر ٹوٹ گیا اور شیشیاں ویران ہو گئیں۔ ہیڈ خانساماں مرغ مسلّم بھونتے ہوتے چھوڑ کر آیا۔ وہ جل گیا اور یہاں چیخوں کی وجہ رقیہ نے کیا بتائی:

"میرے سر میں کھاج اُٹھ رہی تھی۔ میں نے انہیں کھجانے کو کہا۔ یہ نہیں کھجاتے تھے۔ میں نے چیخنا شروع کر دیا۔"

اس بیان سے مجھ پر تو آنچ نہ آئی مگر رقیہ کو کتنے بھی ملے اور اُسے چپتایا بھی گیا۔

ایک مرتبہ رقیہ پر بہت ہی زبردست جھاڑ پڑی تھی اور اس کا سبب میرا ولایت جانا تھا۔

رقیہ کی نرس جس نے اُسے پالا ہے نومسلمہ ہے۔ پہلے وہ بامنی تھی جس طرح بیجا پوری

باوجود مسلمان ہونے کے صرف گنتی کی مسلمان ہے۔ نرس ایسی نہیں۔ یہ صوم وصلوٰۃ کی پابند ہے مگر پھر بھی کبھی کبھی اُسے اپنے مذہب کا خیال آجاتا ہے۔

جب کوئی سفر کو جانے لگے تو اُس کے بازو پر امام ضامن باندھا کرتے تھے۔ اب یہ رواج تقریباً معدوم ہو گیا۔ مگر ہندو بہنیں سفر جانے والے بھائی کے ہاتھ میں اب بھی راکھی باندھتی ہیں۔

رقیہ میری "بسلامت روی وبازآئی" کے لئے بڑی دعا گو تھی۔ نرس کو اس کا علم تھا اور اُس نے برسبیل تذکرہ رقیہ سے راکھی باندھنے کا ذکر کر دیا۔ رقیہ میرے راکھی باندھنے کو تیار ہو بیٹھی۔

اس رسم کا علانیہ تکمیل پانا ہمارے گھر میں ناممکن تھا۔ اس لئے رقیہ اپنا مقصد پورا کرنے کے لئے چور بنی۔

قلعہ کے اُس پھاٹک پر جس کی کھڑکی میں اتنا بڑا پیپل کھڑا ہے کہ لوگ اسے دور دور سے دیکھنے آتے ہیں۔ روشن چوکی میرے سفر کی تقریب میں خوشی کے نغمے بلند کر رہی تھی۔ راج باہے کے پاس ڈوتگری پر سنگیتے ناچ گا رہے تھے اور سردی کی آدھی رات بول رہی تھی کہ رقیہ نے ہمارے اور اپنے گھر کے درمیان والی مشترکہ دیوار کو پھاندا اور خواب گاہ میں آکر میرے راکھی باندھنے لگی۔ میں نے اندگ جاگتے ہوئے اُس کا پہونچا مضبوطی سے پکڑ لیا اور گھر والوں کو آواز دی۔ جھٹ پٹ سب آموجود ہوئے اور انہوں نے دیکھا کہ یہ تو رقیہ ہے جس نے چیتی دار پشمینہ کی دوہر پہنی ہوئی ہے اور دسلی کا جوتا جب اُسے لعن طعن کرنے لگے تو اُس نے کچھ حیلہ حوالہ نہ کیا بلکہ کہہ دیا کہ وہ تو اپنے موسیرے کے راکھی باندھنے آئی تھی۔ تا کہ بلیات سے محفوظ رہے اور اُس نے کوئی بڑھنت نہیں کی۔ اُس وقت اُس کے گھر والے بھی سب ہمارے یہاں آگئے اور اس پر جھاڑ پڑنے لگی رقیہ کا چہرہ ندامت سے ایسا سرخ ہو گیا کہ جیسے اُس نے بہت سے بادام کھائے ہوں اور منہ پر گرمی اتر آئی ہو۔

جب معاملہ رفع دفع ہو گیا تو مجھے قرآن کی یہ آیت یاد آئی:

ہل جزاء الاحسان الا الاحسان

(اور احسان کا بدلہ احسان کے سوا کچھ اور بھی ہو سکتا ہے)

(۱) میں روزہ خور تھا۔ رقیہ نے مجھے روزہ دار بنایا۔

(۲) بلھنڈی سے قرآن لینے گیا مگر کسی اور نکمے شغل میں مصروف ہو گیا۔ رقیہ نے میری پردہ پوشی کی۔

(۳) سگریٹ لایا میں خرید کر۔ رقیہ نے بتلایا کہ اُس نے خریدی تھی وغیرہ۔

باوجودیکہ میں قصوروار تھا۔ رقیہ نے پھر بھی میری حمایت کی۔ مگر میں نے کیا کیا؟ اُسے پکڑوا دیا۔ لیکن اگر وہ مجھے کہہ دیتی کہ تمہارے ہاتھ میں راکھی باندھنا چاہتی ہوں تو میں بلا عذر اپنا پہونچا آگے کر دیتا۔ وہ کیوں دفعتاً میرے پاس آئی۔ نہ کچھ کہا نہ سُنا قصور اس کا تھا یا میرا۔

قصور کسی کا ہو مگر اس وقت تو اُس کے اُوپر کے ہونٹ پر تبخالہ نکلا ہوا تھا۔ اُس کے ناخن بے آب تھے اور وہ فاختہ بے نوا معلوم ہوتی تھی۔

تو اس دکان پر جب وہ میری طرف سائلانہ اور فرشِ راہ نظروں سے دیکھنے لگی تو مجھے ترس آ گیا۔ وہ گویا دیدۂ دل فرشِ راہ طریقے سے کہہ رہی تھی کہ ؎

ہوئی ہے عمر کہ ہم لوگ رہے ہیں دامن سے
جھٹک نہ دیجیو پیارے غبار کی مانند

میں نے مہربانی سے پاس کرسی دیتے ہوئے اس سے پوچھا:

”کب آئیں“؟

”کل شام“

”ٹھہرو گی“؟

”کوئی ایک ڈیڑھ ہفتہ“۔ ”آپ کون سے ہوٹل میں ہیں؟

”جونساہ اور بادرمین“

”اپنی خالہ سے کب ملنے آئیے گا“؟

”کل نصف النہار کے قریب۔ بشرطیکہ کوئی قدرتی امر مانع نہ ہو مثلاً قلہائے کوہ

سے گھناؤنی بادلیاں آجائیں اور بیجلی جھلجھلا کر کانڈ اڑنے لگے۔

مگر تمہارا چہرہ مرثیہ کیوں بنا ہوا ہے۔ بڑی جھٹکی ہوئی ہو؟

"بیماری سے اُٹھی ہوں۔ ہلکی بخار آرہا تھا۔ اب اچھی ہوں۔ یہاں ہوا بدلی کے لئے آنا پڑا۔"

باتیں اور ہوتیں مگر دکاندار حسن دان عطر اور دیگر تحفے دکھانے لگا۔ خوش خصال رقیہ نے سمجھا کہ یہ سب تکلفات اُس کے لئے ہیں۔ اس لئے وہ لجا کر بغیل ہو گئی۔ میں کہہ رہا تھا رقیہ مدھم پڑتی جا رہی ہے۔

Raqia is waning

شفقت کی جیت ہے۔

shafqat is gaining

باب ۱۰

الفاظ	معانی
اماہو	از حد خوشی
خواصی میں بیٹھنا	عماری کے پیچھے ملازم بیٹھنا
موادعت	وعدہ
دھنتر	تیس مار خان۔ رستم

باب ۱۱

پچھلے اور پہلے باب میں قصبہ دتیاں والا کا ذکر آیا ہے۔ اس قصبہ کا نام آتے ہی میں سمراتِ علم حافظہ سے بہرہ ور ہونے لگتا ہوں۔ چونکہ ہیر اصراف کی لڑکی شگن یاد آجاتی ہے۔

دتیاں والہ کے غرب میں نہر ہے۔ جس کے تین پُل ہیں۔ ایک پتھر کا۔ دوسرا سرخ اینٹوں کا۔ اور تیسرا لکڑی کا۔ جس پر تارکول پھرا ہوا ہے۔ محکمہ انہار ان پُلوں پر سے ہاتھیوں کو نہیں گزرنے دیتا۔ اس لئے وہ پٹریوں والے گھاٹ سے پار جاتے ہیں۔ جہاں ہمارا ڈیرہ ہے۔ ڈیرے کے جنوب میں پتھروں والے پُل تک کوئی ایک فرلانگ کے ٹکڑے میں گڈریوں کے چھپر بند گھر اور باڑے ہیں۔ شمال میں اونچی ٹیکری پر انگھڑ دیو کا شوالہ ہے جس کے پیپل پر تکونی سرخ جھنڈی لگی ہوئی ہے شوالہ سے ذرا نیچے تحصیل ہے اور علاقہ مجسٹریٹ کی کچہری معہ رہائشی مکانات۔

ہولی کے دِنوں کلیسر کی پہاڑیوں میں جہاں کی بھابھڑ کی کاغذ کے کارخانے چلا رہی ہے میلہ لگتا ہے۔ چڑھاوے کی رقم جو لاکھ سوا لاکھ کے لگ بھگ ہوتی ہے مہنت دیوانند گری نارائن باٹیکا سے تین ہاتھیوں پر آکر وصول کرتے تھے۔ جو دتیاں والہ سے چالیس میل ہے۔

مہنت کا قیام ہمیشہ سے ہمارے ڈیرے میں ہوتا ہے۔ اور اُن کے تینوں ہاتھیوں اور جملہ عملہ وغیرہ کی مہمان نوازی بھی ہمیں کرتے ہیں۔ تعلقات اتنے خوش گوار پشتینی اور استوار ہیں۔ کہ ایک سال مہنت جی نے اپنے ہاتھوں پر بیٹھ کر کنکھل اور ہردوار کے نواح میں مسلمانوں

کے تین گاؤں نذرِ آتش کئے گئے تھے۔ اور ۱۹ کلمہ گوؤں کو گولی کا نشانہ بنایا تھا۔ اس پران کے ہتھیار ضبط ہو گئے۔ باوجود عام مسلم احتجاج کے ڈیرے میں اُن کی پہلے سے بھی زیادہ آؤبھگت کی گئی تھی۔

مہنت جی کے تین ہاتھیوں میں ایک نر تھا اور اُن ہاتھیوں سے بھی زیادہ شاندار اور تن آور کہ جن پر لارڈ کرزن نے ۱۹۰۳ء کا جلوسِ تاجپوشی دہلی میں نکالا تھا۔ میں اور رقیہ اس تقریب پر جلالیہ سے دتیاں والے جاتے اور جب مہنت جی اتر چکتے تو ہم دونوں کو اُن کے ہاتھی پر بٹھاکر قصبہ کی سیر کرائی جاتی۔

میں ذرا بڑا ہو گیا تو ہیرا صراف کی دختر شگن عرف شگنی کے حسن کا شہرہ پھیل گیا۔ اس صراف کی بود و باش ہمارے ہی قصبہ نما گاؤں جلالیہ میں تھی۔ جو دتیاں والہ سے پچھم کی طرف نہر پار واقع ہے اور وہ ہماری رعایا تھا۔ ان دونوں بستیوں کے درمیان دو راج باہے اور محکمہ انہار کا ذخیرہ شیشم پڑتا ہے۔

جس برہمن نے شگنی کو ہندی پڑھائی تھی اُس نے اپنی طالبہ کا تذکرہ مہنت جی سے بھی کر دیا۔ ست نامی اکھاڑہ کے دستور کے مطابق مہنت جی سدا برہم چاری رہتے مگر انہوں نے پانچ کروڑ کے سالانہ منافع کو ٹھکراتے ہوئے جو انہیں اکھاڑہ سے ہوتا تھا برہمن کی معرفت بیاہ کی نوید بھیج دی۔ صراف نے پیغام منظور کر لیا۔

فرہاد کی طرح شگنی پر جھڑیدے جاٹ کا ڈنگر چراتا اور ننگے پاؤں پھرتا ہوا جاہل لڑکا سرجن بھی جان دیتا تھا۔ اس نے کئی مرتبہ گنوں کی پھاندیاں۔ مکئی کے بھٹے اور ہرے بونٹ اُس کے پاس بطور سوغات بھیجے تھے۔ یہی اُس کی اوقات تھی۔ تنگ آکر شگنی نے اُسے کہلا بھیجا کہ یہ کیا آڑ کباڑ بھیجتا رہتا ہے اگر پریم ہے تو پہنچے پر سے ہاتھ الگ کر کے بھیج دے۔

سُرجن نے اپنے داہنے ہاتھ کی کلائی پر شگن کا نام گُدوا رکھا تھا۔ اس کی مرضی اسی ہاتھ کو معہ کلائی کے اپنی دلنواز کے پاس بھیجنے کی تھی۔

اور سرجن نے اسی دن کیا کیا۔ سانگہ سے گنڈاسا تیز کرایا۔ لکڑ پر اپنی کلائی رکھ لی۔ اور کچ سے معہ شگن کے نام کے کاٹ کر دخترِ صراف کے پاس بھیج دی۔ اُسے بایاں ہاتھ

دائیں پر چلاتے ہوئے کافی ادپرا لگا.
مگر شگنی کیا کہلا کر بھیجتی ہے.

"چل رے چل جاہل جاٹ. اگر سو ہاتھ بھی کاٹ کر بھیجے گا. تو میں تیرے ہاتھ نہ آؤں گی. کہاں شگن اور کہاں تو"

اُس نے یہ کہلا کر تو ضرور بھیج دیا مگر آفت گرِ جان شگنی کو بھی تمام رات نیند نہیں آئی. سُرجن کے دستِ بُریدہ میں تو کیا درد ہوگا. جو وہ اپنے دل میں محسوس کر رہی تھی.

شگن نے کئی دِن مرمر کے کاٹے وہ سُرجن کے پاس پہونچنے کا تہیہ کر چکی تھی. مگر وہ تحصیلی ہسپتال میں تھا. اور جب اُسے خبر ہوئی کہ وہ اپنا ہاتھ گلجندڑے میں ڈالے پھر رہا ہے تو اس نے ایک رات بھیس بدلا. اُس کے پاؤں میں سابر کا جُوتا تھا اور سر پر انگوری بیل کی دو پلڑی. اس کے کُرتے میں گریبان نہیں تھا. دونوں مونڈھوں پر دو دو گھنڈیاں لگی ہوئی تھیں. جب وہ چوڑی سیاہ کنی کی سفید دھوتی میں کاچھ لگا کر پیچھے سے براق پنڈلیاں کھولے ہوئے چلی تو ایسا معلوم ہوا کہ کوئی بے انتہا قبول صورت اور قیامت شریر ہندو لڑکا. امرد پرستوں کی بہشت چلا جا رہا ہے.

وہ ہمارے نقشین محل کے قریب آئی تو کسی نے اُس کو پکارا "اب جگ مندر" اور جب ہی لکھوری اینٹوں کے کھڑنجے پر گڑ گڑاتی ہوئی دو بلدی سے کسی نے کہا. "اے بنارسی. میں گاڑی جوت لایا. تیرا یار جگمندر یہ بیٹھا ہے. ماں سے لڑ کر سائیگوں کے ساتھ شہر جا رہا تھا. میں چھڑا لایا." جس وقت پکارنے والے نے شگن کو آواز دی تھی کاچھ کھل کر دھوتی کا تہبند بن گئی.

سرجن بیتال گنڈ پر پہنچی. بن میں پسو چرا رہا تھا. نزدیک ہی کھیت میں جھنڈوں آئی ہوئی مکئی کھڑی تھی. اور وہ دو دھیا بھٹے بھون رہا تھا. سانپ کو چاٹتے ہوئے ان کی بھینس کی زبان میں سانپ نے کاٹ لیا. تو وہ اڑائی. سُرجن "ہیو بھوری ہیو" کہتے ہوئے اٹھ رہا تھا. کہ اس کی تمنا کلیجہ پکڑے ہوئے اس کے پاس آگئی. سُرجن نے اُسے کالے کمل پر بٹھا لیا. پھر اُدھر بھوری بھینس پران چھوڑتے ہوئے پیر پیٹ رہی تھی. اور ادھر سُرجن

دنا ہیل بنا ہوا شگن کا دامن آلودہ کر رہا تھا۔

اس کے دو تین دن بعد ہیر صراف نے رپٹ درج کرائی کہ سُرجن اس کی شگن کو لے کر فرار ہو گیا ہے اور وہ بداخلاقی کی زندگی بسر کر رہے ہیں ریوا نندگری اب ستنامی اکھاڑے کے مہنت نہیں رہے تھے۔ اور جس کے ایک خالِ رُخِ حسن کے لئے انہوں نے پانچ کروڑ روپے سالانہ چھوڑا تھا وہ بھی انہیں نہیں مل رہی تھی۔ وہ دیوانے سے ہو گئے تھے۔

پہلے کچھ دن تو یہ سونا چاندی اور جواہرات لڑکی کھادر بانگر میں چھپتی پھرتی رہی۔ پھر سُرجن اُسے بوڑھے دریا کے کھالوں۔ کھدروں۔ بیہڑ اور دیار سے بیں لئے پڑا رہا۔ جہاں گورنمنٹ نے زمین کا کٹاؤ روکنے کو جھونڈ اور درخت لگوائے ہیں اور پھر اُسے ہمارے ہی قصبہ نما گاؤں جلالیہ کی عیدگاہ میں لے آیا جو باغ ہے۔ پولیس۔ ہیر اصراف کی برادری۔ اور مہنت جی کے ملازم اُسے مواضعات بکروال۔ مرداسنگھ ہیڑی۔ دیکورہ۔ دم جھیڑا اور پٹنی میں تلاش کرتے پھر رہے تھے۔ عیدگاہ میں ان دونوں کو اختیار تھا کہ چاہے درختوں کے گھنے سایہ میں بیٹھیں لیٹیں یا اُس چھپی ہوئی مختصر عمارت میں کہ جس کا فرش سنگ مرمر کا ہے۔ پانی کے اندر تین میٹھے کنوئیں ہیں۔ جن میں سے ایک پاپ کنواں ہے جسے جھالرا کہتے ہیں اور گول بھی گزرتی ہے۔ یہاں کسی کا خدشہ اس لئے نہ تھا کہ عیدین کے اگلے دن ہی اس کے تمام پھاٹک اور دروازے چن دیئے جاتے ہیں۔ تاکہ کوئی چہار دیواری کے اندر نہ جا سکے۔

جن دنوں ہندو مسلم فساد ہو رہے تھے ہم نے گورکھا چوکیدار ہٹا کر گوجر خان ضلع راولپنڈی۔ جہلم۔ اور میانوالی کے لوگوں کو رکھ لیا تھا۔ یہ اہل پنجاب مجھے کاکاجی کہتے تھے انہی کے ایک جوان لڑکے ماجھا کی آشنائی ہیمو گھڑے کی سیاہ فام دختر محبوبا سے تھی۔ جس کے پیٹ میں اُس کے بہنوئی کا تخم معصیت نشو نما پا رہا تھا۔ عیدگاہ کا پاپ کنواں جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے۔ اس قسم کی پردہ پوشیوں کے لئے ممد و معاون بنتا تھا محبوبا اور ماجھا میں یہ بات ٹھہری تھی۔ کہ ایک دن صبح سے شام تک یہ دونوں

عیدگاہ میں عیش منائیں گے اور دھندلکا ہوتے ہی ماجھا محبوبًا کو جھالرے میں دھکا دے کر غرق کر دے گا۔

حسب وعدہ ماجھا بسبب اضطراب شدید پہلے سے عیدگاہ میں پہنچا اور بجائے سیاہ فام محبوبًا کے وہاں حسن پُتلی شگنی کو پا کر بے حد شاد ہوا۔ مگر سرجن کی موجودگی میں مطلب براری ناممکن تھی۔ اس لئے اُس نے چپکے سے جا کر پولیس چوکی میں خبر کر دی۔ اور عاشق و معشوق اِس طرح گرفتار ہوئے کہ انہوں نے محراب میں گنے کی کھوئی پر سفید دوہر بچھا رکھی تھی۔ سُرجن شگنی کے ملتذذات سے محفوظ ہو کر اُس کی کمر ہلا رہا تھا اور وہ چلبلا چُلبُلا چلبلا کر خم وچم دکھا رہی تھی اُن کے کپڑے سرمنبر رکھے ہوئے تھے۔ شگنی کی محرم بھی انھیں میں کی۔ وہیں ٹھرّے کے دو ادّھے رکھے تھے۔ جنھیں انھوں نے ابھی خالی کیا تھا۔ سُرجن تھی گڑگڑی پاس دھری سلگ رہی تھی۔ اور وہ صراف کی بیٹی کو مسلوب کر رہا تھا۔ اُن کی کوئی چیز مستتر نہ تھی۔ دونوں لبریز ہو رہے تھے۔

تھانیدار نے باہر کھڑے ہوئے انھیں صرف اتنی مہلت دی کہ وہ کپڑے پہن سکیں۔ سپاہی اتنی دیر میں ستون کے پاس دھری ہوئی چنگیر سے نمک لگی جامنیں کھاتے رہے جو گزک کے لئے رکھی تھیں۔

جب شگن لوکاٹی ساڑی اور لہر پلے دار جمپر پہن کر نکلی تو اگر متقی پرہیزگار پولیس افسر نہ ہوتا تو سپاہی دہین متوجہ سے حساب لڑانے لگتے۔ بعدیں سُرجن کے خلاف علاقہ مجسٹریٹ کی عدالت میں اغوا اور مقامِ مقدس کی بے حرمتی کا مقدمہ چلا۔

علاقہ مجسٹریٹ کی نو بیاہتا کابلی دلہن نرگس شہزادی لونڈوں ہائی تھی مجھے اُس نے مہنت جی کے ہاتھی پر بیٹھے ہوئے بہت بار دیکھا تھا۔ اس کی چشم انتخاب مجھ پر پڑ چکی تھی۔

ادھر شگنی کو سُرجن بغیر چین آرام نہیں تھا۔

علاقہ مجسٹریٹ کی بیوی نے شگنی کو جھانسا دیا کہ وہ کسی نہ کسی طرح قلعہ والوں کے لڑکے طاہر کو میرے پاس لے آئے تو سُرجن اُسے مل جائے گا۔ میری اُس پر طبیعت ہے۔

عشق اپنی بے بصری کے لئے بدنام ہے۔

چیتری کی چنچل اور البیلی ہوا کرونذن کے پھولوں کی بو ئے مست لئے ہوئے آ رہی تھی۔ گاؤں نما قصبہ میں رام نومی کا تہوار منایا جا رہا تھا۔ ہندو محلہ میں جہان پسر ہٹے کے قریب انوپ سنگھ کھتری عطار کا مکان ہے اور دیسی شراب کی وہ چھپر پوش بھٹی جس پر لکھا ہوا ہے "پی لے مصالہ دار"۔ سوانگ ہو رہے تھے۔ پکھاورج اور ہارمونیم کی آوازیں اس طرح آ رہی تھیں کہ جیسے دوپہر میں سوتے وقت ہلکے ہلکے فرشی پنکھا چل رہا ہو۔ چاند چوتھائی سفر آسمانی طے کر چکا تھا۔ نقلیشن محل پر بیٹھے ہوئے دو اُلّو بول رہے تھے۔ کسی نے میرے سوتے ہوئے کے منہ پر عطر میں ڈوبا ہوا ریشمی رومال ڈال دیا تھا۔ جب میری آنکھ کھلی تو میں نے ساڑی پوش رُوح سے دریافت کیا۔

"تو پری ہے؟"

"پری ہوتی تو پر ہوتے۔ میں تو شگنی ہوں۔ اپسرا نہیں"

"لیلیٰ"

"ہاں"

"سُرجن جاٹ کہاں ہے؟"

"تم ہو"

"میں جاٹ نہیں۔ دیکھتا نہیں میرے دونوں ہاتھ ثابت ہیں"

"کل ملو گے"

"کہاں؟"

"جہاں اُلّو بول رہے ہیں"

"کس وقت"

"جب دونوں وقت ملیں"

"وہاں کیوں آؤں؟"

"انگ بگنگے"

"میں نہیں سمجھا"

"وہیں سمجھاؤں گی "

نہ اُس کے آنے میں آہٹ ہوئی تھی نہ جانے میں۔ وہ گویا فرش پر نہیں چل رہی تھی بلکہ پانی پر۔

صبح کو میں نے رقیہ سے کہا۔

"رات کو میرے پاس شگنی آئی تھی۔

"کیوں "

" مجھے نقشین محل میں بلایا ہے۔ جاؤں یا نہ جاؤں؟"

"نہ جانا "

"اُس نے کہا ہے انگ لگیں گے "

" وہ کیا ہوتا ہے؟"

"یہی پوچھنے جاؤں گا"

میں بہت روز سے شگنی کے قصّے سن رہا تھا۔ پڑھے لکھے اور متین اُس کی ستائش گری میں رطب اللسان اور پیش پیش تھے۔ پنجابیوں کا جوان پیرماجھا جس نے شگن اور سرجن کو گرفتار کرایا تھا ان دونوں کے میل ملاپ اور بے حجابیوں کی داستانیں حرف بحرف اور مفصل سناتا تھا۔ سننے والے زنانہ پنجابی لہجہ میں شگنی کے یہ الفاظ اُس کی زبانی سُن کر بہت خوش ہوتے تھے۔

" میری جنم کنڈلی دیکھ کر بامن نے کہا تھا تیرا پتی کروڑپتی ہوگا۔ جو میری جنم کنڈلی میں یہ ہوتا کہ تیرا پتی ہتھ کٹا ہوگا۔ تو کیسی اچھی بات تھی "

ان کی چند ورقہ نظمیں چھپ گئی تھیں جنہیں مجمعوں میں گا کر بیچا جارہا تھا۔ عورتیں شگن کو لیلےٰ کہنے لگی تھیں۔

میں تمام دن سوچتا رہا کہ جاؤں یا نہ جاؤں۔

موجودہ کوٹھی کے سامنے سڑک پار ہماری پرانی جدّی حویلی ہے یہ مرہٹہ گردی کے دور میں بنی تھی۔ اب وہ گھڑی جس نے اُسے احاطہ کررکھا تھا باقی نہیں رہی البتہ

کوٹ اور خندق کی جگہ اب گھنے اور لانبے بانس اُگے کھڑے ہیں۔ اِس چھوٹے سے قلعہ کا صرف ایک پھاٹک باقی ہے جس کی کھڑکی میں اتنا بڑا پیپل کھڑا ہے کہ لوگ اسے دُور دُور سے دیکھنے آتے ہیں۔ حویلی کے شمالی حصہ میں اندھوں کے لئے مدرسہ تجوید و حفظ القرآن ہے جس کے خرچ کے لئے کافی جائیداد وقف ہے۔ طالب علم اور استاد وہیں رہتے ہیں۔ جنوب میں نہر کی طرف حکیم نوشاہی کا گھر ہے۔

حویلی کا جنوبی حصہ نقشین محل کہلاتا ہے جو غیر آباد ہے۔ یہاں جنگلی کبوتر اور ابابیلیں بکثرت پائی جاتی ہیں

دونوں وقت ملنے سے ذرا قبل میں نے پھر رقیہ سے پوچھا۔

"جاؤں یا نہ جاؤں؟"

"نہ جاؤ"

"اگر چلا گیا؟"

"تمہاری باسلامت واپسی کے لئے دعا کرتی رہوں گی"

میں نقشین محل میں دونوں وقت ملنے سے ذرا دیر سے پہنچا۔ وہ مجھے دیکھتے ہی جھنجھنا اٹھی۔ ہم دونوں دہلیز کے اوپر والے اُس کمرے میں گئے جسے آئینہ محل کہتے ہیں۔ یہ اُس کی ٹارچ سے روشن تھا۔

ننگی اپنے ساتھ بلبل چشمی دوتہی لائی تھی جسے اُس نے جالی دار کھڑکی کے پاس مرغول کے نیچے گھٹنوں گھٹنوں اونچی چبوتری پر بچھا لیا۔ وہ میرے انتظار میں آہستہ آہستہ گا رہی تھی۔

کسی سوکن کے سیان بلمائے؟

اُس نے میرے اوپر کے ہونٹ پر انگلی پھیرتے ہوئے کہا۔

"یہاں تو ابھی کیول رُواں ہے اگر تمہارے لارڈ ڈلہوزی ایسے گلچھے ہوتے تو کیسے اچھے لگتے۔ پر تم تو ابھی بس توچہ اور راس دھاری ہو۔ جوانی پر آؤ گے تو اور بھی ستم ڈھاؤ

لگے۔ تم کتنی جلد میرے من سما گئے۔ جو تم لڑکی ہوتے تو میں نے تمہیں اپنی ساکھی بنا لیا ہوتا پر تم تو میرے سوہنے سوہا ونے اور گدرے جنیا ہو۔ جو سُباس تمہارے بدن میں ہے سُرجن میں نہ تھی۔ اور نہ چمپا چمبیلی مولسری میں ہو سکتی ہے"

پھر میری انگلیوں میں سونے کی تین انگوٹھیاں پہنا کر اُس نے مجھے اِس زور سے بھینچا کہ میری چیخ نکلنے کو ہو گئی۔ اور ساڑی اتار کر انگیا کی کٹوریاں یعنی چھاتیوں کے گھر ڈھیلے کر دیئے۔ اُس نے مجھے نیچے ڈال کر قلینچی باندھی۔ وہ مجھ سے عمر اور بوجھ میں زیادہ تھی۔ جب میں دبنے لگا تو وہ مستی میں بھری ہوئی آواز سے گانے لگی ؎

بن ہوری کھیلے نہ جاؤں گی بنواری جو ہو سو ہو۔

اور پھر کہا۔

"تم میں بوجھا کم ہے۔ مجھ میں زیادہ۔ میں تمہیں بیلنا نہیں چاہتی۔ ہلکی چیز اوپر آنی چاہیئے"

میرے کپڑے اب دُور رکھے ہوئے تھے اور انہیں میں اُس کی انگیا بھی تھی۔ اُس نے جُھلہائی آنکھوں سے قدرے دیکھتے ہوئے اپنے دانت میرے ہونٹوں میں گڑ دیتے ہوئے کہا۔

"شرم ورم ان کپڑوں میں لپٹی چلی گئی۔ میرے دانت بہت تیز ہیں۔ چت چور کو گھائل کر ڈالوں گی۔ میرے سوہنے سوہاونے اور گدرے جنیا! تیرے لئے میں نے آنگی (یعنی چولی) کو بھی اُتار دیا ہے۔ اگر جنگی لاٹ بھی اُسے اترواتا تو نہ اتارتی۔ بھج بند وہ نیچے گرے پڑے ہیں۔ کردھنی تنک تنک ٹوٹ گئی آج سے لگا کر سارے کرشن پکش تیرے ساتھ رہوں تو جب مزا ہے مگر اس کا سبیتا کہاں۔ سانجھ سویرے بھی نہیں آ سکتی۔ کل جگ پر لو ہے۔ آ ہے میرا مُن تجھ سے چُمبن کرانے کو طلائے۔ یہ ککرم نہیں۔ ککرم وہ تھا جو سُرجن سے ہوا۔ تو تو نگر کا راجہ بنے گا۔ تنک میری سانتھل پہ آ بیٹھ۔ چھنبین سے چھنین ملائیں گے۔ سجن کے اوپر نیچے کے ہونٹ اور ان کے کونے الگ الگ چوموں گی۔ کُل کپڑے اتار کر تو نے مجھے اپنا سُورن کا یاد دکھایا۔ او ہو جی او ہو۔ میں تیرے بلہاری۔ تو اب سبھ

کارج کریں۔ شوک ڈوبنے والا ہے۔

تیری گلی اِسی برس بندھی ہو گی۔ میرا کپال کھلجائے اور تو نے ابھی تک کسی سے چھپا نہیں کھایا پرنتو میں سرجن سے وچھنا لے چکی۔ جو آلی میرے گھر آئے تو تمہارا منہ ہے۔ میں دروازے بندھوار سے سجواؤں۔

جب ہم سینہ بسینہ ہوئے تو وہ کہہ رہی تھی ۔

کدھون جاؤ گے بھاج ۔ آج رہو مھارے آل ۔

اپادھی نہ بنجانا۔ جیسے ادھک اپاسین وہی اپادھی بنجاتا ہے نیرامیر اسمبندھ اٹوٹ رہے ۔

اس کے بعد وہ اپنی حرکات وسکنات سے جو حکم دے رہی تھی میں اُس کی تعمیل کر رہا تھا۔ جوت میں جوت سما گئی تھی ۔جان میں جان ۔ننگن نے اپنی جوانی کا پورا پورا زور مجھ پر ختم کر دیا تھا۔ نیچے فرش تھا۔ جو ہل چل نہ مچی ۔ اگر پلنگ ہوتا تو اس کے پائے پروایون پر سے گر پڑتے۔

وہ چاؤ میں آ کر کہتی جا رہی تھی۔

" وہ کارج مارا سرجن تو چلّو میں اُلّو ہو کر انرتھ شبد بکنے لگتا تھا۔ تجھے میرے اوپر مہارا جائی ملی ہوئی ہے پرنتو چپ ہے۔ کوئی چٹک مٹک بھی نہیں دکھاتا۔ کلیجہ کی کور میں تیرے البیلے پن اور بالی عمریا کے واری واری جاؤں۔ جب سے تجھے دیکھا ہے میرا دھیر جاتا رہا۔ وہ مجھے چُوما کرتا تھا۔ میں اُسے نہیں چُومتی تھی۔ تم مجھے نہیں چومتے۔ میں تمہیں چومتی ہوں۔ میں تیرے بلہار گئی۔ چمبن کرائے تو بس تجھ سے۔ مٹھیا لے تو بس تیرے بوٹا سے منہ کی ۔سرجن کو میری چاہنا تھی مجھے تیری چاہنا ہے

رخصت کے وقت اس نے دریافت کیا۔

"قلعہ میں کوئی انتر دوار یعنی چور دروازہ بھی ہے جس سے میں وقت بہ وقت آ سکوں "

"ایک سرنگ تھی جو عید گاہ کے جھالرے میں نکلتی تھی مگر وہ اب اٹ گئی اور

نقشین محل سے اب اس کا کوئی تعلق نہیں۔"

"عیدگاہ میں تو میں کبھی نہ جاؤں منوا۔ اچھا تو یہ قول کا چھلّا پہن لو۔ میں تمہیں بھولوں تو یہ آنکھیں دیکھنا بھول جائیں۔ تم سے کتنا ہی ملون تڑپڑاہٹ نہیں جائے گی۔"

جب وہ میرے اوپر نیچے کے ہونٹوں اور اُن کی کوروں کے علیحدہ علیحدہ الوداعی بوسے لے چکی تو کہا۔

"تمہارے باغ میں گُڑمار ہے جس کے پتے چبا کر مٹھائی کھائیں تو پھیکی لگے۔ تمہارا منہ شہد سے ستر گنا میٹھا ہے اِسے چوس کر چرائتا چبائیں یا گڑمار کھائیں تو شہد لگے۔"

"وہ مجھے انگ لگنا تو بتاؤ۔ تم نے کل رات کہا تھا انگ لگیں گے۔ رقیہ کو جا کر بتاؤں گا جو میری خالہ اور چچا کی لڑکی ہے۔ اُس سے میرا بیاہ ہوگا۔"

اُس نے میری دونوں باچھوں کو چوس کر چاشنی دار معانقہ کرتے ہوئے کہا،

گوب! اب ہم انگ لگ رہے ہیں۔ یہ ہے انگ لگنا۔ جو میں جانتی کہ تو اتنا نشیلا ہے تو گات امنگے سے پہلے ہی تجھے ست کھنڈے میں لے کر جاتی جو گاؤں تیرے بڑوں کا بنوایا ہوا ہے۔ جو گج پتی ہتھے آلے میں اگر دان رکھا ہوا ہوتا اور تو میں الول کلول کرتے۔ پرنتو تجھ میں تو اب بھی ترکھ ہے لڑنت نہیں جانتا۔ اور اُس سمے نہتّا جہا بھارت کیسے جیتتا۔ میری انگیا کی کٹوریاں آپ پھلے پچھلے اگھن میں بھری ہیں۔ میں تو تجھے چھاتی تلے اس طرح رکھتی کہ آکس بھی نہ سکے۔ ہوڑا ہوڑی تو تجھے آتی ہی نہیں میں تجھ سے مچا مچ ہوتی رہتی۔ ہم اتنا پاپ مچاتے کہ ست کھنڈا اڑا اڑا کر گر پڑتا۔

سرجن تو ڈھوکا ڈھوتھا۔ تجھ سے چوچند۔ اور بڑا بھوگی اور کلچھنا۔ تو گابھ کا گابھ ہے اور موتیوں کا نوالہ۔ میں تیری لہر بہر جم جم دیکھوں۔ وہ چُمبن کرنا تھا تو بال چُبھتے تھے۔ تیرے بال ہوں تو چبھیں۔ ابھی تو تو پورن ڈھڈھا یا بھی نہیں۔

جنیا: مجھ سے چپک جا۔ ہم اوگھاٹ پر کھڑے ہیں۔ پوسی ماگھ کی مہاوٹوں سے دریا چڑھا ہوا ہے۔ دھورے کانپ رہے ہیں۔ تیرے سنگ چلے آنے سے میرے پتا میرا صراف کا ناکڑا کٹ گیا۔ کیونکہ میں کلنگی ہوگئی ہوں۔ اُس نے کیوٹی وال کے کھانے والے

ہنڈوں، گوتیوں اور گھوڑ سواروں کو ہمارے پیچھے بھیج دیئے ہیں. مؤذن کی اذانوں ایسی آوازیں آرہی ہیں کہ شگنی کو قلعہ والوں کا لڑکا لے اڑا. موت کی بانسلی بج رہی ہے ٹکورے سے جی منہ کو آرہا ہے. تیرے کسٹم والوں کا نقشین محل. گڑھی کا پھاٹک. اور ست کھنڈا گھر میں گھروندے سے دیکھ رہے ہیں اندھڑ چل رہا ہے. کہیں گھگو بھی بول رہے ہیں میری ڈر سے ریجنین ڈھیلی ہوئی جا رہی ہیں. گھمبیری آرہی ہے. چپک کر مجھ میں جی ڈال دے. اچھل کو سپھل کر دے.

کنکر سا پانی ہے اور نا وڑا ہے نہ ناؤ. دونوں اوگھاٹ سے ایک ساتھ گر کر اچھلتے ہوئے مبنڈھے میں ایسے کھوئے جائیں گے کہ جیسے کبھی تھے ہی نہیں. پھر جلتا ہماری یادگاری میں لاٹھ بنوا کہ تیرے میرے نام اُس پر کھدوا دے گی.

آ ہے چھیلے میں تیری ڈھولن ہوں. جیسے کن گت میں براہمن تو تو بالنس اچھلتا ہے میں تجھے پا کر اچھلوں. تیرے ساتھ رہوں تو پھر جیوں بھاگ کھیلوں. گلال ابیر سے تیرے کپڑے بھگوؤں تو تو منہ بنا بنا کر کڑوی کڑوی گالیاں دے. مجھے وہ میٹھی میٹھی لگیں. پھر تجھے کمرمل کر نہلاؤں کیونکہ وہاں تیرا ہاتھ نہیں پہنچتا. اور تیری جھپ تختی دیکھ کر کہوں کہ تو ایسا نگینہ ہے کہ جس کی چمک بڑھانے کو ڈانک نیچے رکھنے کی ضرورت نہیں.

ہزار وچنا ورکر کے تجھ سے اپنے آپ کو بیونواؤں اور ایسی ٹکڑے ٹکڑے ہو جاؤں کہ میرا کچھ نہ بن سکے. دل جانی! میرا بروگ سے من کانپے. سارے سر پر بیں گیدڑی سی دوڑے. وہ پھیرا آیا تو پریم گیتوں کی پستک لے کر دن واس لوں گی.

برکھا رت میں پندھر واڑے کی جھاجھم جھڑی لگی ہوئی ہو. تی تنزلہ پر بارہ دری والے ساون بھادوں میں پنج ہزاری قالین بچھا ہوا. دو قندیل چھت سے لٹکتے ہوئے دیوالی کی وہ مٹھائیاں جن میں بھوگ آسن دکھلائے گئے ہوں. چنی ہوئیں. ساون بھادوں کی جالیاں تاج محل کی سنگِ مرمر سے زیادہ چٹی اور چکنی تو وہاں نندا سا ہو کر کہے رات بیت گئی. سونے دو. میں تجھے سونے نہ دوں. رات بھر جاگوں اور جگاؤں. دن بھر سوؤں اور سلاؤں.

جب میری پیروجن (کان بندھنے کی ہندو رسم) ہوئی تو کن بندھے نے چرکے لگائے تھے۔ تجھ سے پوچھتی ہوں۔

میں :۔ "کیا چمپن (بوسہ بازی) کرتے ہوئے تیری ٹھوڑی اور گالوں میں اپنے دانتوں سے چرکے لگا دوں"

تو :۔ نہیں نہیں نشان پڑ جائیں گے۔

میں :۔ نہیں نہیں نشان ڈالوں گی۔ پیارے لگیں گے۔ تیرے منہ پر تو ماتا کا چھینٹا تک نہیں۔

تو :۔ نہیں میرے منہ پر کیسے بھی نشان نہ ڈالو۔

میں :۔ تو پھر ہونٹ چبائے گا۔

میں (یعنی طاہرا نے ذرا کو مسکراتے ہوئے سر نیچے کو ہلاتے ہوئے (ہوں) کہہ دیا۔ اور ننگی ہمک ہمک کر انتہائی قیامت کے جذبے سے میرے ہونٹ (نیچے اوپر کے علیحدہ علیحدہ) چوستے ہوئے کہتی جا رہی تھی۔

"کھبڑے کے مہاراج بننے والے: تو تو کل رات سے میرے دانتوں چڑھا ہوا ہے۔ تجھے کاٹ پھاڑ کر رکھ دیتی۔ پر تیرا آ گیا پالن بھی کرنا ہوا۔ دھبوں کی نیلاہٹ کی جگہ ہونٹ لال لال ہو جائیں گے۔ ہائے میں کسی دُبدے میں پڑ گئی۔ کاٹوں یا نہ کاٹوں؟"

پھر وہ یہ گاتی ہوئی چلی ہے

ٹھاڈے رہیو رے بانکے یار - گگری مین گھر دھر آؤن

کچھ قدم چل کر وہ آپ سے آپ لوٹی۔ چبوتری پر ٹانگیں لٹکا کر بیٹھتے ہوئے اُس نے مجھے ساتھل پر بٹھا لیا۔ وہ میرے دونوں ہونٹوں کی باری باری سے کمبختی لانے لگی۔ پھر بصد جوش مجھے چھاتی سے لپٹا کر کہا۔

"رام جانے یہ اس طرح ملنا جلنا کب ان دگی سماپت ہو جائے۔ لڈوے! ہم تو چھمن جھولے چلتے۔ دیکھا ہے؟"

"نہیں"

"ہردوار سے اتر دشا میں پہاڑوں کے پاس ہے۔ رکھی کیشی سے آگے۔ جب ہم وہاں یاترا کو گئے تو کالی کملی والے کی دھرم شالہ میں ٹھہرے تھے۔ گنگا کے پل پر آرا مشینیں لگی ہوئی ہیں۔ دریا کا اور ان کا بہت شور رہتا ہے یہاں جنگلات سے لٹھے لا کر چیرتے ہیں۔ رینجر کا بنگلہ پار پورب میں ہے جس کے پیچھے سے شری گنگوتری اور شری بدری نرائن کو یاترا مارگ جاتا ہے۔

ایک کتھا سناتی ہوں۔ دھرم شالہ میں جگہ نہیں تھی۔ اس لئے ہمیں مندر میں ٹھہرایا گیا۔ ہم نیچے لیٹے ہوئے تھے۔ اور مجھ سے ملے ہوئے دو پاپی۔ ان میں سے ایک پاپی شدر تھا جس نے اچھوت سدھار فنڈ سے وظیفہ لے کر پڑھا۔ یہ وظیفہ اُسے کنکھل کے چتر ویدی جی نے دلوایا تھا۔ جو اچھوت سدھار سبھا کے پردھان تھے۔ یہ اچھوت اب گرداور قانون گو تھا۔ پاپن انہیں کنکھل کے چتر ویدی جی کی کپتری متھرا تھی اور گرد کل کانگڑی کی ودیارتھن یہ یوں پھر رہے تھے جیسے میں اور مسر جن۔ انہوں نے میری نیند بدکا دی تھی۔ یہ رات کو وہی کر رہے تھے جو تم اور مین۔

پچھلی رات جب مورتی کے دیئے بجھے ہوئے تھے۔ میری آنکھ کھلی۔ کسی نے کرتی چھوڑ کر میرے کل کپڑے اُتار دیئے تھے اور وہ میری سانتھلیں چھریدری کرتے ہوئے ہونٹ چومتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"متھرا چتر ویدی۔ پران سے ادھک پیاری تنک جگہ دے"

میں نے کہا!

"میں وہ نہیں ہوں۔ وہ تو اُدھر پڑی ہے"،

وہ مجھے جان بوجھ کر متھرا چتر ویدی سمجھ رہا تھا اُسے پتہ تھا کہ میں وہ نہیں جب وہ مجھے بھرشٹ ہی کرنے لگا۔ اور نہ چھوڑا تو میں نے اس کی ایک جگہ پکڑ کر زور سے بھینچی وہ میری جانگھیں اور چڈے سانکر چلا گیا۔

صبح ہی پولیس آگئی۔ متھرا چتر ویدی اور شدر پکڑے گئے۔ انہوں نے رات کو

چڑھاوے کی صندوقچی میں سے جسے پجاری بھول گیا تھا چالیس روپے چرائے تھے کیونکہ اُن کے پاس خرچ کو پیسہ نہیں تھا.

"بھلا یہ کہانی کتنی مزیدار ہے؟"

"بہت"

اُس نے مجھے لپٹا کر ہونٹ منہ میں لیتے ہوئے کہا.

"پرنتو تم سے بہت نہیں ..... اور ہم تو لچھمن جھولے جاتے جہاں گنگا پار پورب میں سادھو کٹیاں ہیں. نہ وہاں کوئی دکان ہے نہ پھیری والا آتا ہے. دونوں وقت کا بھوجن بھنڈار سے بھیج دیتے ہیں. پڑنے کو پلنگ نہیں. چبوترے یاں ہیں جن پر ٹیلے کی چٹائیاں بچھی رہتی ہیں. گھاٹ کنارے پستک سالہ ہے جہاں جا کر دھارمک پستکیں اور سماچار پتر پڑھ لیں.

جنتا سمجھے گی کہ یہ جوگی جوگن بھگتی اور رام رس کے کارن ٹھہرے ہوئے ہیں پر تو ہمیں بھوگ بلاس سے ہی بیتیا نہ ہو گا. کبھی مورتی پوجا کو بھی نہ نکلیں تو چنتا نہیں. ہندو دھرم ایسا ہی ہے ایشور کو تا نو نہ مانو جب بھی ہندو. رام کرشن کو مانو نہ مانو جب بھی ہندو. ماس کھاؤ نہ کھاؤ جب بھی ہندو. اسلام کی طرح نہیں کہ خدا اور رسول کو نہ مانا تو دائرہ سے باہر.

میں بھی کہاں سے کہاں پہنچ گئی. اب مجھے جانا چاہیئے.

اُس نے مجھے کھچی بھر کر اُوپر اٹھا لیا. اور بوس و کنار کے بعد بھرائی ہوئی آواز میں یہ کہہ کر وداع ہوئی. پتیل پھاڑی اور چلائے. میری بھی یہی بات ہے پرنتو میں تو تیرے دامن سے بندھ چکی. گردان کبوتر ہوں. پھر یہیں آؤں گی. کل پھر. تجھ سے ملنا ہے. ابھی سے دانت تیز کرنے لگوں. اس محل میں آنا گنگا اُتارنا ہے. مگر آؤں گی.

انترسوں دو دھارے پر گوگے پیر کا میلہ ہے چھڑیاں نکلیں گی. گر دگھنٹا لوں کے آگے شنکھ اور گھنٹے بجتے جائیں گے. لڑکے ڈنڈوں سے کھیلیں گے. ساتھ ساتھ طبلہ کھڑکے گا. ہارمونیم بجے گی. تو بھی اپنے گورے مکھڑے کی دپد پاہٹ کو نسواری پاوڈر سے ماند کر کے ڈنڈون کھیلنا. میں تجھے دست برنجن. گوپ. اور چوئے دتیان پہنا دوں گی.

اپنا دل دریاؤ کرکے میری انتیاں کھالے۔

دختر عطار نے اُس دن مقیش کی انگیا اور بنارس کی پستئی ساڑی پہنی ہوئی تھی۔

پھر اُسی دن جب گرما گرما لوشوالہ میں کھڑے ہوئے پیپل کے پتے بھو بلا رہی تھی اتری ٹنڈمنڈ میدان عبور کرکے پیاسے ہرن ندی کنارے جا رہے تھے۔ جہاں ان میں کچھ کو آہنو خور بھیڑیوں کا لقمہ اجل بننا تھا۔ اور کسیر ہٹے تک میں آدھی رات کی خاموشی تھی۔ کیونکہ بھر نیلے اور دبکیلے پڑ سو رہے تھے تو کشتی دردلست میری تحویل میں تھی پر ہم کروٹ سے لیٹے ہوئے تھے چار پالش نیچے فرش پر گرا پڑا تھا۔

کشتی انتیاں ضرور کھا رہی تھی مگر اس کا روان میلا نہیں ہونے پایا تھا۔ کہ نرگس شہزادی نے آکر کشتی کی زیتون انگیا کا پچھایا کھینچا اور بولی۔

"کشتی تو نے توشگنی کو بھی پرے بٹھا دیا۔ لاتیری کمر ٹھوک دوں۔ وہ ہوتی تو تیرا بایاں پاؤں پوجتی"

"کیوں نرگس شہزادی؟"

"تو نے میری چاپ تک نہیں سنی، کتنا استغراق تھا۔ اپنا دل شاد کر چکی یا نہیں؟"

"دل تو شاد ہے اور میں پریم ددانی اپنی کلا ختم کر چکی۔ مگر جتنی تولنس پہلے تھی اُس سے زیادہ ہے قلعہ دانوں کے لڑکے سے کسی کا من نہیں بھر سکتا۔ یہ کھڑا دیکھ کر تو بامن کی بیٹی کلمہ پڑھے گی"

"تو نے یہ ڈھکانا کس سے سیکھا؟"

"کسی سے نہیں نرگس شہزادی اور میں کسے ڈھکا رہی ہوں۔ تمہیں تو مجھے ان کے پاس سے اٹھنے نہیں دیتیں۔ اس میں میرا کیا قصور۔ انہوں نے تو اپنے آپ کو مجھ سے صرف چھوایا تھا۔ ان ہونی بات نہیں ہوئی۔ یہ تو جوں کے توں ہیں"

جب کشتی اٹھ کر چلی گئی۔ تو نرگس شہزادی نے مجھے اس کی جگہ بٹھا کر گلہرے سے پان کھلایا اور چندن کے چوگھڑے سے بھنے ہوئے، خوشبو دار، کشنیز کی چٹکی بھر کر میرے منہ میں ڈال دی۔ پھر کہا۔

یوں ہی چینٹ سے بیساکھ چڑھ گیا۔ اور نقشین محل میں ملاقاتیں اور جنگ بازیاں ہوتی رہیں۔ شگنی نے علاقہ مجسٹریٹ کے بیوی کا مطلب خبط کر دیا تھا۔ اب اسے سُرجن کی بھی چاہت نہیں رہی تھی۔ اور میرا حال یہ تھا کہ مجھے دونوں وقت ملنے کا انتظار رہتا جلدی جاتا دیر میں آتا۔ ان مزوں کی خبر گھر میں صرف رقیہ کو تھی جس نے مجھ سے ملتے ہی دریافت کیا تھا۔

"انگ لگ آئے۔؟ پوچھ لیا وہ؟ کیا ہونا ہے"

میں جھی کھڑے کھڑے رقیہ سے سینہ بسینہ ہو کر لب بوسی کرنے لگا۔ وہ بربری بکری کی پٹھ کی طرح ہڑک کر دور جا کھڑی ہوئی اور کہا۔

"تم بڑے کوئی ہو"

"میں تو تمہیں انگ لگنا بتا رہا تھا۔ جو دریافت کیا ہے تو ضرور بتاؤں گا۔"

"بدی سے باز آؤ۔ میں جان گئی۔ تم شگنی سے انگ لگے ہو۔ میں تمہارا بھانڈا پھوڑ دوں گی"

علاقہ مجسٹریٹ کی نئی دلہن نرگس شہزادی کا ملن کو شگن امروز و فردا پر ٹالتی رہی مگر اس نے بہت کچھ سونگھ لیا۔ اور بالآخر روز کے تقاضوں سے تنگ آکر شگنی نے یہ کہلوا کر اس کی آس توڑ دی کہ

"سواری نہیں۔ کیا کروں۔ اگلی ہولی پر مہنت دیوانند گری "نرائن باٹیکا" سے تین ہاتھیوں پر آئیں گے۔ انہیں میں سے ایک پر راج پتی (شہزادہ) کو بٹھا کر تمہارے درشنوں کے لئے بھیج دوں گی۔ آج سے کوئی آٹھ مہینے ہیں۔ رادھا کو یاد کرتے گذر جائیں گے۔ کوئی بہت سمے نہیں"

شائد کچھ بھی نہ ہوتا۔ اگر ماجھا کو ٹوہ نہ لگتی۔ پنجابیوں نے بکری کے لئے نقشین محل کی اس جنوبی دیوار کے ساتھ بینڈین لگا رکھی تھیں جدھر گرگنج تھا یعنی توپیں رکھنے کا مورچہ جب شگن اوپر جانے کے لئے ادھر کو گذری تو شاکمری دیوی کے میلے میں جاتے ہوئے ہنڈرے والوں کی گل مھنی کن کٹی کنیا نے بھونک کر اپنا برا حال کر لیا۔ وہ نقشین محل

کی بالائی منزل کی طرف منہ اٹھائے بھونک رہی تھی۔ ماچھا کو شک گزرا۔ اور اس نے میرے پہنچنے سے قبل ہی شگنی جا پکڑی۔ شور سن کر نیچے ڈیوڑھی میں ٹھہرے ہوئے ہنزہ۔ یلیسین اور نگر کے سانگر۔ کنٹوپ پہننے والے چھوٹی تبت کے ڈگڈگی بجا ڈریچھ پال اور اندھے طالبعلم ڈھوک آئے۔ اندھوں نے تو عورت کا کبھی منہ ہی نہیں دیکھا تھا۔ ہنزہ۔ یلیسین۔ نگر اور چھوٹی تبت والے اپنی بیویوں یا آشناؤں سے کب کے بچھڑے ہوئے تھے۔ اس لئے انہوں نے یک بارگی اُس کی چڑیا نوچن کرنا چاہی۔

ان میں سے ایک پلٹن کا برخاست شدہ سپاہی تھا۔ جس نے کچھ عرصہ تک نواب کالے پہاڑ کو بہار دختران کو بلسار سپلائی کی تھیں۔ اس نواب کو میدانی حسن پسند نہیں تھا۔ اس کی فرمائش ہمیشہ منگولی قسم کی ابھری ہڈی والے رخساروں۔ ترچھی آنکھوں۔ بھاری رانوں۔ بھاری کولھوں۔ اور نازک کمر کے ساتھ ایسے سینے کے لئے ہوتی تھی۔ جس پر دو الگ الگ اٹھان صرف اس قدر جسامت لئے ہوئے ہوں کہ جو مٹھی تو نہ بھر سکیں مگر انگلیوں کے کچھ تھوڑے سے حصہ میں آسکیں۔

اس سپاہی نے فراترم سے آسام کی پہاڑیوں تک "بکار خاص" سفر کیا تھا۔ پر اُس نے خوان کی کسی بھی نعمت کو اپنے آقا تک ثابت نہیں پہنچنے دی۔ یہ پہلے ہی انگلیاں سانکر چاٹ لیتا تھا۔ اس شخص نے ان تمام بھوکوں کو قطار بندی کے فوائد سمجھا کر باری باری سے آنے پر تیار کر لیا۔ گمر اپنی میر پچّ کر لی۔

پھر تھوڑی رات سے لگا کر صبح تک شگنی پر وہ حشر ٹوٹا اور آئینہ محل میں وہ ٹانگی بجی کہ وہ دن ہوئے اٹھ کر نہیں بیٹھ سکتی تھی۔ گویا گندم کی بھاری بال کا کمزور تنا تیز ہوا میں گر پڑا تھا۔ اب اُسے کوئی اٹھائے تو اُٹھے۔ یہ خود کیسے اٹھتا۔ پنجابیوں کے بےہودہ لڑکے ماچھا کو موذیوں نے پیارہ بہار تک کی اجازت نہ دی۔

دھوپ چڑھے شگنی کی موجودگی کا پتہ اور دن کو بھی چل گیا۔ وہ مشہور عام تو تھی ہی اس لئے جس نے سنا وہی چلا آیا۔ مجمع نے ایک اژدہام عظیم کی شکل اختیار کر لی۔

وہ اس روز نیچے بچھانے کے لئے آسام کی ستیل پاٹی لے کر آئی تھی۔ کیونکہ کھیس

میلا ہو گیا تھا۔ اس سینٹل پارٹی پر رات بھر کتنے کچھ گناہ ہوتے رہے تھے۔ مگر صبح اسے اندھے طالب علم مسجد میں لیتے گئے جہاں مؤذن نے اس کا مصلیٰ بنا کر محراب میں امام کے لئے بچھا دیا:

اس کے بعد جو ہوا اُس کی تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں۔ مختصراً یہ کہ اس کے ماں باپ۔ خاندان۔ پولیس۔ حاکم۔ برہمن۔ ہندو مسلمان اور ہمارا گھرانا سب کے سب اُسے مہنت دیوانند گری کے حوالہ کرنے کے حق میں تھے ایک میری اندرونی آواز اِن کے خلاف کیا کرتی۔ میرا پارٹ اگر کوئی لیتا تو رقیبہ لیتی۔ مگر اس موضوع پر اُس کے بھی پَر جلتے تھے۔ ننگن کو مہنت کے حوالہ کر دیا گیا۔ وہ اُسے لے کر ہمیشہ کے لئے ملایا چلے گئے۔

میرے پاس اُس کا فوٹو تک نہیں تھا۔ اگر وہ اپنے ملنے کی شرط یہ کہلا کر بھیجتی کہ میں اپنے دونوں ہاتھ اور دونوں پاؤں کاٹ کر بھیج دوں تو میں قطعی پس وپیش نہ کرتا۔

وہ ہمیشہ منہ میں پان کا بیڑا دبا کر آتی تھی۔ ہونٹوں پر سُرخی رچائے چہرہ پر پاؤڈر ملے بھرے بھرے بازؤوں پر پری بند باندھے۔ مہندی رچے ہاتھوں میں نازک نازک پچرنگی چوڑیاں، اور [illegible] کے کپڑے پہنے۔ ناک میں فیروزی نگ کی لونگ [illegible] اور آنکھوں میں سُرمہ، وہ پستہ دہن تھی۔ اور اُس کی پنڈلیوں میں گویا دار پار دیکھ سکتے تھے۔ اتنی بھاری اور آئینہ سا کولھوں کے ساتھ میں نے اتنی پتلی کمر کسی کی نہیں دیکھی۔ اُس کا بدن کتنا چکنا تھا۔ کھری اور بلّور چاندی ایسی نہیں ہو سکتی۔

میں نے اُسے کبھی کسی پیار کے لفظ سے مخاطب نہیں کیا۔ نہ وہ کرتی تھی۔ ایک سوہنے سوہانے ادھ گدرے جنیا ہوا تو کیا۔ ہم دونوں محبت کی زبان سے ناآشنا تھے۔ اور میں "جنیا" تک کے معنی نہیں جانتا تھا۔ اگر وہ مجھے بتا دیتی کہ "جنیا" جانی یا جان کی تصغیر ہے تو میں اُسے "جیا" کہہ کر آواز دیا کرتا۔

اے کاش مجھے بیجو نہ ملتی۔ شفقت نہ ملتی، وہ ملجاتی۔ اب مجھے محبت کی زبان آ گئی ہے۔ دل چاہتا ہے کہ اُس کے ساتھ اس زبان میں باتیں کرتا۔ جو کچھ بیجو سے سیکھا ہے اُسے بھی سکھاتا۔ ہم بھی کیسی بے سمجھی کے دنوں میں ایک دوسرے سے ملے تھے! جب

ذائقہ ہی نہ کھلا ہو تو آم کھانے سے حاصل۔ مجھے اُس وقت سایہ میسر آگیا تھا جب کہ دھوپ نہیں پڑ رہی تھی۔ مجھے کھرّے پلنگ اور سیجون کا فرق معلوم نہیں تھا کہ سیجیں مل گئی تھیں۔ اب اگر اس سے ملوں تو ہولی کا ہلیارا بن کر ملوں۔

نو بیا ہتا طفل پسند نرگس شہزادی نے شگن کے چلے جانے پر بھی میرا خیال نہ چھوڑا۔ اب وہ ایک اور حربہ استعمال کر رہی تھی۔ انوپ سنگھ کھتری عطار کی لڑکی کشنی کی بابت محلہ بھر جانتا تھا۔ کہ وہ ہمارے خاندان کے تنخواہ دار گورے چٹے حکیم نوشاہی کے نطفے سے ہے۔ ہندو مسلم امتزاج نے اس میں ایک خاص لطافت پیدا کر دی تھی۔ اس کا آنا جانا ہمارے یہاں اس لئے خاصہ تھا کہ چچا جان تو اُس کے باپ کو مسلمان کرنا چاہتے تھے۔ اور خالہ جان کو تاکید ہوئی تھی۔ کہ وہ کشنی کو کسی طرح کلمہ پڑھا دیں۔ پسر ہٹے میں انوپ سنگھ کے کبوتروں کا کھٹھر سب سے اونچی چیز تھی۔

جو ذائقے مجھے شگنی دے گئی تھی۔ میں اُس کا لوبھی ہو گیا تھا۔ اب میری آنکھ کشنی سے لڑنے لگی۔ مگر موقعہ نہیں لگتا تھا اور یہ موقعہ کابلن نے کشنی کو گانٹھ کر مہیا کر دیا۔ اردو لغت میں ایک لفظ "دُلبا" ہے۔ " دلبا " اس پرند کو کہتے ہیں۔ جسے پڑوا کر دوسرے پرند کو لڑائی کے لئے دلیر بنائیں۔

گو میں شگنی سے کھل گیا تھا۔ مگر پھر بھی مجھ میں کافی حیاداری اور جھجک تھی۔ نرگس شہزادی نے میری حیاشکنی اور جھجک کھنڈن کا یہ بندوبست کیا کہ اُس نے کشنی کو میرے لئے دلبا بنایا اور ایک تیسرے پہر اُس نے مجھے اس لڑکی کے ساتھ اپنی خوابگاہ میں بٹھا کر دروازے معمور کر دیئے۔ جاتے ہوئے وہ باہر سے بنا سے کا قفل لگا گئی تھی۔

خوابگاہ میں سُرخ مخملی میز پر حلوائے مقراض و مغزی۔ مالدے کے برف آم، بھنے ہوئے مرغ کی ٹانگیں۔ انناس کی آئس کریم اور شربت زعفران چنا ہوا تھا۔ فضا بوئے خس سے مہکی ہوئی تھی۔

نرگس شہزادی نے کشنی کو سمجھا رکھا تھا کہ وہ مجھے کسی نہ کسی طرح باڑ پر چڑھا کر

"جانِ تمنا۔ یہ چار باغ میں نے اپنے ہاتھ سے تمہارے لئے بنایا تھا کواری بالی تمہارے لب و رخسار غبار آلودہ کر گئی۔ اس سے انہیں صاف کر دوں۔"

اُس نے میرا چہرہ چار باغ سے ہلکے ہلکے پونچھا۔ پھر لب و رخسار کے حوالی مقامات۔ ماتھا۔ ٹھوڑی۔ آنکھیں چومتی رہی۔ چاؤ میں آ کر رخسار کا چکتا یہ کہتے ہوئے بھرا۔ "چکنے منہ کو سب چومیں۔ میں بھی چوموں۔ چوموں۔ چوموں۔۔" اور آخیر میں میرا منہ دونوں لب سمیت اپنے مخمل ہونٹوں میں دبا لیا۔

"یہ تو محض دفع الوقتی تھی۔ چین آنا تو در کنار بے کلی اور بڑھ گئی ہے اور سُرخ سُرخ پھولوں سے ڈھاکہ میں آگ لگی ہوئی تھی۔ میں نے وہاں ایک بن چھکارہ دیکھا تھا۔ ساری شباہت تم جیسی تھی۔ میں نے اُسے پکڑنا چاہا۔ اور ایک ہرنی اشگن ا بھیجی کہ اسے ہیر کر لے آئے۔ وہ اُس کے ساتھ آوارہ ہو گیا۔ آج وہ بن چھکارا میری خواب گاہ میں ہے میری خوش قسمتی کا کیا ٹھکانا۔ مگر دریں یوں نہیں ہوا کرتا ماہ پیکر! سینے سے سینہ ملا لو۔ تم سے ملتے ہی پھٹ جائے گا یا قرار پا جاؤں گی۔ دل جُو! ہمیشہ بے نکی اچھی نہیں۔ بے چھری کیوں حلال کرتے ہو۔ میں تو کب سے تمہاری خاطر کلپ رہی ہوں۔ کیا کہوں۔ بس یہ کہتی ہوں ؎

اب ذرا چھیڑ دے بس دیکھئے کیا ہوتا ہے۔

تم بالک پنے کی جھونجل میں آ کر میرا ستیاناس کر ڈالتے تو کیسا اچھا تھا! اس لبِ یاقوت پر خطِ خفی دیکھ کر کسے ضبط کا یارا رہ سکتا ہے۔

ان بوسہ رساں ہونٹوں کو تنک میرے روبرو تو لاؤ۔ ہائے کہیں کشتی ہی میں نہ رمجانا۔ میں نے تو اُسے صرف باؤلی دینے کو بلائی تھی۔ باؤلی دینے کے معنی نہ سمجھتے ہو گے۔ شکاری پرند پر کسی دوسری پرند کو چھوڑ کر دلیر بنانے کا کہتے ہیں۔

پھر اُس نے حواس باختہ سی ہو کر چٹا پٹی سے مجھے داب لیا۔ اور اس طرح سُی سُی کرنے لگی۔ کہ جیسے وہ اتنا بہت زیادہ چٹخارے کا سالن کھا رہی ہو کہ اُس سے زبان کے قتلے قتلے ہوئے جا رہے ہیں۔

اس دفعہ نرگس شہزادی نے میرے ساتھ تین دن اور تین راتیں عیشِ فراوان

کے گذرا رے مجھے معلوم نہیں کہ وہ سوئی کب تھی. جب میں چلنے لگا تو وہ بچشم تر پڑھ رہی تھی.

لے چلا میری شکیبائی وہ کافر لے چلا!

یوں علاقہ مجسٹریٹ کا گھر میرے لئے مسرت منزل بن گئی وہاں یعنی صرف کشتی اور کابلن پیمبا ہی نہیں بلکہ یاقوت. معراج کوکب. جوہری. زبیری ان پڑھ نذرانہ اور وہاب تک پر اپنی نشاط انگیز بان مرتکز اور منتج کرتا رہا. لپٹنے سپٹنے اور چومنے پچکارنے میں تو ان بچھوڑوں کو آڑ کی ضرورت نہیں تھی یہ ایسے چلتا رہتا کہ جیسے ایک میز پر بیٹھے کھانا کھا رہے ہوں. مگر "سبھ کارج" کے وقت ایک کو میرے پاس چھوڑ کر باقی ورے پرے ہو جائیں.

ان پڑھ نذرانہ کسی کلال کی بیٹی تھی جس کا گھر کمبوہ کٹھرے میں تھا اور ان پڑھ وہاب کی ماں اُسی بھٹی سے دیسی شراب بیچتی تھی جس پر لکھا ہوا تھا "پی لے مصالحہ دار" وہاب کا قانونی اور شرعی باپ کوئی نہ تھا مگر اُسے بھی سب کشتی کی ہمشیرہ علاقی سمجھتے تھے.

نذرانہ میری اتنی خوشامد کرتی تھی کہ حد سے زیادہ. جب مجھ سے بات کرتی تو گویا منکسر مزاجی سے اور تعظیماً اکثر "اچھا جی"، یا "جی اچھا"، کہتی. ایک بار نرگس شہزادی نے اُس سے پوچھا "تو انہیں اچھا جی. اچھا جی. کیوں کہتی رہتی ہے"، نذرانہ پٹ سے بولی. "یہ میرے جی بھی ہیں یعنی دل. اور کیا یہ اچھے نہیں؟ انہیں بُرا کون کہے گا"، یہ مسکت جواب سن کر نرگس شہزادی دنگ رہ گئی.

مجھے شہزادہ پہلی دفعہ نذرانہ نے ہی پکارا تھا. وہی مجھے "میٹھی گلوری ایسا ٹھیسوا" بھی کہا کرتی تھی. بوسہ بازیوں کے ڈھنگ بھی اُسی نے مجھے سکھائے. وہ میرے ہونٹ اپنے منہ میں دبا کر چھوڑنا نہیں چاہتی تھی. اُس نے انہیں گویا پتلے رس کے ایسے میٹھے آم سمجھ رکھا تھا کہ جنہیں لس نہ ہو. ٹپکے سے کیسے ہی نرم و تازہ اور لذیذ آم سہی مگر چوسنے سے پہلے منہ بھینچ کر اُن کا چیپ نکال دیا کرتے ہیں تاکہ گلے میں خراش نہ پیدا کریں اور زبان نہ پکے. مگر یہاں اس پر کبھی عمل نہیں ہوتا تھا. اس نذرانہ نے اپنے ماتھے پر ببر بان بھی چھوڑ رکھی تھیں. اور بدیں وجہ اُس کا ماتھا شاید شگفتگی سے بھی زیادہ خوبصورت ہو. اور

سب سے تو بالضرور خوبصورت تھا۔ میں اب تلملاتا ہوں کہ اے وائے میں نے کبھی ایک مرتبہ بھی اپنے ہونٹوں کی رسائی اس کی بہشت جبیں تک نہ ہونے دی۔

وہ مجھے آہستہ آہستہ اور بار بار "میرا جیا۔ میرا جیا" کہتے ہوئے لپٹ جایا کرتی تھی۔ اور چاہا کرتی تھی۔ کہ کبھی الگ نہ ہو۔ جب لطف اور سرشاری سے جذبات کا مینڈھا اُچھلتا تو وہ جلدی جلدی بولتی "ہائے جی۔ ہائے جی" ایک مرتبہ اُس نے میرے مناقب یوں بیان کئے تھے۔

"لڑکیوں میں تنگنی تھی۔ لڑکوں میں تم ہو۔ مگر دونوں میں کسے زیادہ کہوں؟ تمہیں۔ وہ دکاندار کی بیٹی تھی۔ تم شہزادے ہو۔"

تھیں تو یہ دونوں ہی خوب مگر نذرانہ اریب کا چوڑی دار پاجامہ پہنتی تھی۔ جس کا پہننا اور اتارنا دونوں قیامت ہیں۔ اور وہاب کو غرارے کا شوق تھا۔ جس میں ہزار ہا سہولتیں ہیں نذرانہ کا چوڑی دار پاجامہ جلدی ہی ہمیشہ پھٹ جاتا۔ اور وہ کابلن سے سوئی تاگہ لے کر سی لیتی تو جب گھر جاتی۔ ایک دن مذاق مذاق میں کابلن نے اُسے سوئی تاگہ نہ دیا تو اُس نے پائنچوں میں آلپنیں لگالیں اور مجھ سے کہا۔

نذرانہ: دیکھتے نہیں مجھے آپ نے کیسی مصیبت میں پھنسا دیا۔ اب جب آؤں گی تو غرارہ پہن کر آؤں گی۔

میں: میں اندھا نہیں۔ سب کچھ دیکھ رہا ہوں۔

نذرانہ: توبہ توبہ یہ کیوں فرمانے لگے۔

اُس نے دو غراروں کا کپڑا ماسٹر مدار بخش کو دیا جو ہاتھی خانہ کی پھاٹک اور دہلیز میں بیٹھتا تھا۔ مگر اس نالائق اور وعدہ خلاف درزی نے اُس کے غرارے پندرہ دن تک بھی نہ دیئے۔ اُس کا چھوٹا بھائی طفیل ہر روز دکان پر کھڑا رہتا تھا۔ اور وہ میرے پاس نہ آتی تھی۔

گو اُسکے غرارے سل گئے مگر ان کی سہولتوں سے فائدہ اٹھانے کا موقعہ نہ مل سکا کیونکہ مجھے اتنی بہت سی لڑکیوں کا اندر بنا رہنے سے بے حد کمزوری ہو گئی اور بقول

خالہ جان کے میرا "کماحقہ سامنہ سیپنی سا نکل آیا" اس لئے بحالی اور افزائش صحت کی خاطر مجھے پہاڑ بھیج دیا گیا۔

اب آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ بیجاپوری اور شفقت کے معاملہ میں ایسا پست ذوق کیوں ہوں۔

ان بڑھ لڑکیاں مجھے زیادہ بھاتی ہیں شفقت جو میرے دل میں جم کر بیٹھ گئی اُس کا سبب شاید یہ ہو کہ وہ نذرانہ اور دہاب کی طرح کبھی کبھی گنوارو اور قدیم اردو کے متروک الفاظ بولتی ہے۔

انوپ سنگھ عطار کی لڑکی کشنی اور بھٹی وارنی کی دختر دہاب کی بابت کچھ اور کہنا چاہتا ہوں۔ پہلے بیان آچکا ہے کہ ان کا غیر قانونی باپ حکیم نوشاہی تھا رنگ ان دونوں کا اُسی کی طرح گورا چٹیا تھا۔ آنکھیں موٹی۔ ہونٹ یوں ہی سے اور بدن کھائے پیئے گا۔ آواز بھی دونوں کی کھنکدار تھی اور کان دونوں کے چھوٹے چھوٹے دہاب انہیں چاندی کی بالیاں پہنا کرتی تھی۔ اور کشنی صرف فیروزی آویزے۔ دہاب کے جسم پر کہیں کہیں سنہرا روان تھا مگر کشنی کے سیاہ سے بال تھے۔ کشنی خاص خاص موقعوں پر آنکھیں بند کر لیا کرتی تھی اور دہاب کو دیکھتے رہنے میں مزا آتا تھا۔ دونوں ایک دوسری کے سامنے شرماتی تھیں مگر اور دن کے رُو برو نہیں۔ انہیں خود بھی علم تھا کہ ہم باپ کی طرف سے ایک ہیں یعنی ہمشیرگان علاتی۔

ایک دوپہر کو میں نرگس شہزادی کے پاس ملاقاتی کمرہ میں بیٹھا ہوا تھا کہ دہاب آگئی۔ اُس نے زرد غرارہ۔ چکن کی کُرتی۔ اور آب رواں کی سیاہ چنری پہنی ہوئی تھی۔ کرتی کے نیچے گلابی بنیان جھلک رہا تھا۔ مگر آج وہ ایک ایسی چیز لگا کر آئی تھی کہ دنیا کے زیورات اور زینتیں اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ اور وہ زیور نہیں تھا بلکہ ہر بالے گاگل تھے۔ گاگل کی بہار بس کچھ نہ پوچھئے۔ اُس کے سر پر جو آب رواں کی سیاہ چنری تھی اسے اُس نے گلے سے بڑھا کر مونڈھے پر ڈالتے ہوئے اپنے چنری میں آئے ہوئے مکھڑے کو "بدر الدجیٰ بجالہ" بنا رکھا تھا۔

چھت میں پنکھا چل رہا تھا۔ اُس نے آستینیں کہنیوں تک چڑھالیں اور ہوا کی خاطر اپنے دونوں ہاتھ اوپر کو اس طرح سے بلند کر کے کھڑی ہو گئی جیسے پانی کی گہرائی دکھانے کے لئے پیر اک غجکی لگا کر انگلیاں باہر نکالا کرتے ہیں میں صوفے سے کھڑا ہو گیا۔ اُس کی باہیں یک لخت میری کمر میں آگئیں۔ میری چھاتی گلابی بنیان کے نیچے دو مہین فالسے دبا رہی تھی۔

پھر وہاب مجھے گودی میں لے کر بیٹھ گئی اور میرے ہونٹ نذرانہ کے انداز میں چُومے جانے لگے۔ وہ انہیں اس طرح نذرانہ سے چُمتے ہوئے دیکھ کر خبر نہیں کتنی بار مر مر گئی تھی نجانے کیوں اُس نے اپنی آنکھیں اس سختی سے بند کر رکھی تھیں۔ کہ اُنمیں سلوٹیں پڑ گئی تھیں مجھے علم نہیں ہوا کہ نرگس شہزادی کب کمرہ سے گئی اور معراج کو کب اندر آئی۔ جب معراج کو کب وہاب کا غرارہ اتار رہی تھی تو وہاب نے مجھے اپنے سے لپٹا بھی لیا تھا۔ اس لئے غرارہ کھل تو بخوبی گیا مگر پوری طرح سے اتر نہ سکا۔ وہاب کے ہونٹ میرے ہونٹوں سے بدستور چسپاں تھے۔ میں نے وہاب کو بے ستری سے محفوظ رکھنے کے لئے معراج کو کب کی لٹ اس زور سے کھینچی کہ اُس کا منہ سُرخ ہو گیا اور وہ جگہ چھوڑ گئی۔ اس کشمکش میں میرے ہونٹ وہاب کے منہ سے چھوٹ گئے۔ تو اس کی محویت ختم ہو گئی۔

جاتے جاتے معراج کو کب پنکھا بند کر گئی تھی۔ اس لئے تھوڑے ہی عرصہ میں ہم پسینہ سے بھیگنے لگے۔ وہاب آنکھیں کھول کر پنکھا چلانے کو اُٹھی تو اس کا غرارہ سرک کر نیچے آگرا۔ اُس نے اوپر سے چکن کی کُرتی اتار پھینکی۔ اُس وقت اُس کے نودا علے نور پنڈے پر تنہا گلابی بنیان اور بھی کھل گیا۔

جس وقت ہم خلط ملط ہو رہے تھے اور وہاب کے منہ سے دفورِ جوش میں یہ کلمہ بار بار نکل رہا تھا۔ "ہائے میں مر گئی۔ ہائے میں مر گئی" تو نرگس شہزادی نے ادھ بیچ میں آ کر اس کے منہ پر ہلکے سے چپت رسید کرتے ہوئے کہا۔

"بے تمیز کہیں کی۔ مر کیوں جاتی۔ تُو تو زندہ ہے۔ پہلے قلعہ والوں کے طفل تاتل

کو پر چایا پھر اس کا ست نکالنے لگی۔ اسے کسی جوگا نہ چھوڑنا "

جب کافی دیر یہی برہمی کے بعد دونوں مطمئن اور منجمد ہو گئے تو نرگس شہزادی نے ہماری بے خبری میں مجھے اس سنجم کے ساتھ وہاب کے اوپر سے اٹھالیا کہ جیسے کوئی ہوشیار مالی پودا چکلاتا ہے۔ وہاب اب تک آنکھیں بند کئے پڑی تھی مگر ان میں (آنکھوں میں) اس وقت سلوٹ نہیں تھی۔

یہ جو یوں نرگس شہزادی کو اپنا ملاحظہ کرا رہی تھی۔ تو یا تو اس پر سرور طاری تھا یا شرم۔ اگر حیا ہوتی تو چکن کی کرتی نہ سہی کم از کم اپنا زرد غرارہ پہن لیا ہوتا۔ اس لئے ہو نہ ہو وہ اتنی کیف زدہ تھی کہ جو اُسے بدین حالت سڑک پر بھی پھینک دیا جاتا تو آنکھیں نہ کھولتی۔ اور جب اس نے آنکھیں کھولیں تو مجھے اپنے پاس نہ پا کر دل باختہ اور متوحش ہو گئی۔ اس کے منہ سے یہ بول بے خیالی میں نکل رہے تھے " توڑ گئے توڑ گئے ارمانوں بھرا دل توڑ گئے۔ توڑ گئے . . . . "

اُسی روز شام کو خلاف عادت نہا کر میں تولیے سے بدن خشک کر رہا تھا کہ غسل خانہ میں اچانک رقیہ آ گئی۔ میری برہنگی دیکھ کر اسے اتنا صدمہ ہوا کہ دو وقت تو وہ بھوکی رہی۔ بطور کفارہ ہفتہ بھر کے روزے رکھے۔ اور ایک پندھرواڑے میرا اُس کا سامنا نہ ہو سکا۔

باب ۱۱

الفاظ — معنی

بیہڑ = ناہموار زمین

جھونڈ = اُگے ہوئے پُولے

گگہڑا = ایک پنچ قوم

دیارا = دریا برآمد زمین

محرم = انگیا جو خاص چھاتی پر ہو

لوکاٹی = زرد

کھرہلانا = جماع کرنا

گزک = شراب کے بعد کھانے کی چیز

خم وچم = ناز و انداز

وناہیل = مضبوط قوی ہیکل بیل

مستنر = چھپی ہوئی

کاچھ = دھوتی کا پلہ جسے پیچھے اڑستے ہیں

دوبلدی = دو بیلوں کی گاڑی

پسرہٹہ = پنساریوں کا بازار

رام نومی = رام چندر جی کا جنم دن جو چیت میں منایا جاتا ہے

چیتری = چیت کے مہینہ کی چودھویں رات

اپسرا = پری

انگ لگنا = سینہ بسینہ ہونا

گوپ = سونے کا ہار

الفاظ — معنی

بھج بند = بازوبند

کہروہٹی = تاگڑی

اُدگدرا = نیم پختہ

سورن کایا = کنچن سا بدن

کرشن پکش = اندھیری راتیں

نوچہ = نوجوان لڑکا۔ نوچی کی تذکیر

اوگھاٹ = بے گھاٹ

ناکڑا = بڑی ناک

اپھل = بے ثمر

سپھل = کامیاب

چھلیا = فریب کار

ڈھولن = عاشق

گن گت = برہکھارت کا ہندو تہوار جس میں برہمنوں کی خوب ضیافتیں ہوتی ہیں۔

انبلاپن = بھولے پن کا زمانہ

دودھارا = دریا کی دو شاخ

گرد گھنٹاں = وہ گرو جس کے آگے گھنٹے بجیں

دست برنجن = ہاتھ کی چوڑیاں سونے چاندی کی

پا = پاؤں کی چوڑیاں سونے چاندی کی

الفاظ		معنی
چھب تختی	=	خوبصورتی جسم
ڈانک	=	سنہرا ورق جو نگینہ کے نیچے چمک بڑھانے کو رکھتے ہیں
دھورے	=	کنارے
کلنگی	=	(ہندو) بدنام
دھیر	=	صبر و قرار
کلچھنا	=	بدکار
گج پتی	=	ہاتھی رکھنے والے امیر
دھڈہانا	=	جوبن پر آنا
پورن	=	پورا
لہر بہر	=	رونق
گابھ	=	نیا پتہ
بھوگی	=	زانی
مچاہچ	=	لبریز
ہوڑا ہوڑی	=	تکرار
اُکسنا	=	ہلنا
اگھن	=	نومبر، دسمبر
لڑنت	=	اندازِ جنگ
پرکچ	=	کچائی
الول کلول	=	کھیل، کود مستی
آلا	=	تاق

الفاظ		معنی

ست کھنڈا دستا نزل

گاؤں گورا	=	گاؤں کے گرد کی زمین
گات امنگنا	=	جوانی سے چھاتیاں ابھرنا
گوپ	=	گوپی کی تذکیر
بلمائے	=	روکے
آل	=	ساتھ
چیپا کھانا	=	کسی عورت سے ہم بستر ہونا.
پرنتو	=	لیکن۔اگر
انرتھ شبد	=	مہمل الفاظ
ساکھی	=	سکھی
گاج مارا	=	جس پر خدا کا قہر ہو
گاج	=	بجلی
بندھوار	=	آم کے پتوں اور پھولوں کا ہار جو مالی خوشی کے موقعوں پر دروازہ پر باندھتے ہیں
ادگدرا	=	نیم پختہ
جینا	=	جانی۔یا جان کی تصغیر
سُباس	=	خوش بو (ہندو بولتے ہیں)
گُلی بندھنا	=	سن بلوغ کو پہنچنا
چُھبن	-	بوسہ بازی
پردابا	=	وہ چیز جسے پلنگ کے پایوں تلے رکھتے ہیں

الفاظ	معنی
ادہک	زیادہ
اپاسنا	پوجنا
مرغول	محرابی کٹاؤ
مٹھبہ	بوسہ
اپادھی	ظالم
پران	جان
بائرا مارگ	وہ سڑک جو تیرتھ کو جائے
اترو شا	شمال کی طرف
سماپت	ختم
ککرم	بُرا کام
گردان کبوتر	اپنی جگہ آنے والا
گنگا اترنا	مشکل کام
جھکل ہائی	پُر شہوت
کھیڑا	قصبہ
آگیا پالن	حکم برداری
پردجن	کان چھدوانے کی رسم
چرکا	چھیندے سے پہلے کا نشان
دانتوں چڑھنا	پسند آنا
ساون بھادوں	وہ مکان جس میں چار طرف باریک
چوگھڑ	چوگوشہ صندوقچی درہ جس میں الائچی املتاس بادکھا وغیرہ رکھتے ہیں

الفاظ	معنی
گلہرا	پان رکھنے کا برتن
ڈھکانا	چیز دکھا کر خود کھانا
دِل جُو	محبوب
چار باغ	رومال جس کے چار کونوں پر چار رنگ کے گل بوٹے ہوں۔
بے نمکی	شوخی نہ ہونا
آبِ رواں	بہت باریک ڈوریا
چکلانا	پودے کو مٹی سمیت اٹھانا
قینچی باندھنا	دونوں رانوں تلے دبانا
لڈوا	تصغیر لڈو
نندا سا	(ہندو بولتے ہیں) خواب آلودہ
مینڈھا اچھلنا	ہوا سے دریا میں زبردست لہر آنا (یہ لفظ دو جگہ اسی باب میں آچکا ہے)
ٹھلیسوا	لڑکا
ابیر	عبیر
بھجونا	بھگونا
بروگ	جدائی

باب ۱۲

خریدوفروخت سے فراغت پا کر جب میں ہوٹل لوٹنے لگا تو رکشا پھلوں مٹھائیوں اور تحفوں سے بھری ہوئی تھی. مگر میں مخوف تھا کہ بیجا پوری رقیہ سے مل کر سب راز کھول دے گی. میں نے رقیہ کا نام اس لئے بتایا تھا کہ وہ تو یہاں ہے ہی نہیں. پگلی بیجو کو ٹکریں مارتی پھرنے دو. مجھ سے یہ غلطی بھی ہوگئی تھی کہ میں نے اسے "جو چاہے کروں جو چاہے کہوں" کے اختیار بھی دے دیئے تھے. کیا خیر وہ ابھی تا لیکوٹہ میں جا کر رقیہ سے ملے اور کہے کہ اس سے بیاہ نہ کرنا جس کی ہرزہ داریوں کا یہ حال ہے کہ پچھلے سال تو مجھ میں ایسی روح پھونک آیا تھا کہ جسے میں مہینوں اپنے اندر لئے لئے پھرتی رہی اور آج بھی ہم دونوں بوسہ بازیاں کرتے رہے. پھر شفقت کے اور میرے تعلقات کی دھوم مچے گی اور اس کے بھی کان بھرے جائیں گے. مجھے وعدۂ نصف النہار کی خوشی تو ہو رہی تھی مگر ایسی کہ جیسے فتح ٹرافلگر اور مرگِ نیلسن کی خبریں ساتھ ساتھ آئیں. اور یہ بھی ڈر تھا کہ کہیں بارش کی وجہ سے وعدہ کھٹائی میں نہ پڑ جائے.

انہیں خیالات میں غلطاں پیچاں میں پُل بجراس تک پہونچا تو سامنے سے شفقت آگئی. اُسے دیکھتے ہی میری حالت یہ ہوئی کہ جیسے کسی عمر قید کو مژدہ رہائی مل گیا ہو. رنجیدہ خیالات رفع ہو گئے. بادِ مخالف بادِ موافق میں پلٹ گئی. آسمان سے گرد و غبار ایسا دھویا

گیا کہ جیسے ہفتوں بعد جھڑی کھلی ہے۔
رکشائیں ٹھہر گئیں تو میں نے اُسے سنایا۔ ے

"سامنے سے جب وہ شوخِ دلربا آجائے ہے
تھامتا ہوں پہ یہ دل ہاتھوں سے نکلا جائے ہے"

"بس ختم اور اجازت"

"مجھے آپ زبان دیں"

"کیا ضبط زیادہ بڑھ گیا؟"

"تم غلط سمجھیں۔ لفظی معنوں پہ نہ جائیے۔ زبان دینے سے کوئی اور مطلب نہیں۔ صرف ذرا سی توضیع دتصریح چاہتا ہوں۔ میرے دل میں ایک ڈگڈگا ہے۔ ایک بڑی تشویش لاحق ہے۔ کل بالضرور بڑے زور کا مینہ پڑے گا۔ صبح سے نصف النہار تک موسلادھار بارش ہوگی۔ آپ زبان دیں کہ کل ضرور ——"

"ابھوں لگ ڈگڈگا ہے۔ سنو۔ آندھی آئے مینہ آئے میں آپ کو شمس النہار کے قریب بالضرور خوشخبری پہونچا دوں گی —— اور کچھ"

"بارک اللہ! مجھے ایک تماشہ چہرہ، آلے ہونٹ اور مینہ بھرے رخسار یاد آ رہے ہیں۔"

"کہاں ہو رکہاں دیکھے تھے؟"

"جب سڑک گلینشیئر پر کسی تمرّد اشعار نے برساتی لینے سے انکار کر دیا تھا۔ اور چہرہ اچھی طرح پنجریلا بنا کہ روڑھی روڑھی باتیں کی تھیں۔"

"کیوں یاد آرہے ہیں؟"

"اُس نے میرے ایک تیر بے خطا مارا تھا۔"

اب اُس نے ایک ادائے حیا آگیں سے تھوڑی تھوڑی انکھیاں کھول کر میری طرف دیکھتے ہوئے کہا:

"بڑے لدے پھدے جاتے ہو یہ پھل پھلاری کیسی؟ کیا کوئی تقریب ہے؟"

"جی بھلی سی تقریب ہے۔ کل شمس النہار کے قریب کسی کو ڈالی دوں گا"

"گر قبول افتد زہے عز و شرف"

"جی قبولیت کی رضامندی پہلے سے حاصل کر لی گئی ہے"

"کسی کے سر زبردستی چیپنا چاہتے ہوں گے۔ اس نے شرماشرمی اقرار کر لیا ہو گا۔ پھر خیر آپ بچے خوب۔ ودیدناسی رقیہ ابھی نابالغ ہے اور سیشن کیس۔ اُس کے تو ابھی پھول بھی نہیں جھڑے۔ اگر کہیں اُس سے شادی کر لی ہوتی تو اچھا خاصا مقدمہ بن گیا ہوتا۔"

"یعنی؟"

"وہ اتنی بال کنواری جس کا گلے لگانا بھاری"

"بادی النظر میں نہ ہو مگر وہ بالغہ باسن تو ہے۔ کیونکہ تم سے صرف دو ماہ ہی تو چھوٹی ہوئی۔ تم شبرات کی پیدائش ہو۔ وہ عید کی۔ پر وہ آپ جتنی چرپری اور مصالحہ دار نہیں"

آپ پھر چل نکلے۔ گویا مجھے آپ نے آہے اُوہی کا سالن سمجھ رکھا ہے۔ یا بچھوا یعنی وہ تیز اور چیٹ پٹا اچار جو مرچوں کی زیادتی کے سبب زبان کو جھلا ڈالے"

اس وقت میرے دل میں آیا کہ فوراً کسی نہان خانہ میں لے جا کر اس کے معجز نشان جسم سے محظوظیت کلی حاصل کر لوں۔ ہوا پرستی کا ناوچہ ہزاروں بار غرقِ مئے نشاط ہو ہو باہر نکلے۔ اور میں اس کی نشہ سے چور آنکھوں کو گیلے گیلے بوسوں سے گدلا ڈالوں مگر وہ چوڑیوں کا چھناکا اور بوئے عطر پیراہن چھوڑ کر جانے لگی۔ میں اس کے دونوں ہونٹ پھڑکتے ہوئے رنگا رنگ چہرے پر گلگونی جلوہ گری مہر و مہ کی بوالعجبی دیکھنے لگا۔

وہ بولی۔

"بڑی بے صبری ہو رہی ہے"

"نہایت"

"صبر کا دامن تھامئے"

"اُس کی تو اُسی دن دھجیاں بکھیر دی گئی تھیں۔ جب کسی کی شعلہ رُخی کو برفانی پہاڑوں پر سے آیا ہوا طوفانی مینہ بھی ٹھنڈا نہ کر سکا تھا۔ مجھے تو تمہارا نام ہی سن کر ادبدی لگ گئی تھی۔ اور دیکھ کر تو لوٹ ہی ہوگیا"

"ہڑ ہڑی کا میرے پاس کوئی علاج نہیں"

"ہڑ ہڑی! یہ کیا بیماری ہے؟"

"ہڑ ہڑی عجلت اور جلد بازی کو کہتے ہیں۔ معلوم نہیں آپ کو کیا مطلوب ہے؟"

میں نے اپنا ہاتھ اُس کی طرف بڑھاتے ہوئے جواب دیا:

"اُے لالہ عذار!"

اُس نے کہا:

"آپ تو بٹ ماری اور دست درازی کرنے کو ہیں۔ مگر اس گلستان میں نہیں حد سے گزرنا اچھا"

میں نے الزام سے انکار کیا۔

"نہیں تو۔ آپ کی تو یوں ہی کنوتیاں کھڑی ہو گئیں الٹی مت کے جو ہیں۔ مجھے صرف مصافحہ مطلوب ہے"

اُس نے یہ کہتے ہوئے رکشا چلانے کا اشارہ کیا۔

"اجی رکھئے تفاوت سے ذرا منہ۔ اور تنک پاچھے ہٹئے۔ ابھی طرارے بھرنے ہو بیکوں چڑھنے کا کیا موقعہ کڑھائی میں ہاتھ نہ ڈالئے۔ شرع شریف میں نامحرموں سے مصافحہ جائز اور مباح نہیں۔ نیز کل آپ کا پٹیا پورا کر دیا جائے گا"

"کیا"

"گھر پورا کر دیا جائے گا۔ یعنی پوری تلافی کر دی جائے گی اب میرے لوے نہ آیئے"

"اس لوے بٹیر کو میں نہیں سمجھتا"

"لوے بمعنی دھورے۔ پاس۔ نزدیک۔ نال بموجب صاحبِ فرہنگ آصفیہ

ایک بات کہہ دوں تو سرتاپا جل جل کر راکھ ہو جایئے گا۔ مگر پھول ہر دوار بھیجنے کا انتظام نہیں۔ اس لئے چپ ہوں"

"اگر وہ کل کی خوشخبری کے متعلق نہیں تو ضرور فرمایئے"

"کل کے متعلق نہیں۔ میں آپ کی بابت یہ کہنا چاہتی تھی کہ حال گیا احوال گیا دل کا خیال نہ گیا"

یہ ایک بے ڈھب طعنہ تھا۔ تباہ و برباد ہو گئے مگر بُری عادت نہ گئی۔ اب رکشا حرکت میں آچکا تھا۔

میں نے آسمان کی طرف نگاہ اٹھاتے ہوئے کہا:

"یا مالک الملک"

اور وہ یہ کہتے ہوئے سامنے سے لٹک کر چلدی۔

"اب آپ چھبیلے کبوتر کی طرح مٹہ الال کے گگن کو تکنے لگے۔ اپن کا دل گھبرات ہے۔ جندہ (زندہ) سلامت رہی تو پھیر کبھو ملوں گی"

اس وقت مجھے ایسا لگا کہ جیسے ساون کی مست ہوا جیا اڑائے لئے جائے۔ میرا دل چاہ رہا تھا کہ اس کا کنج لب گھنٹوں، ہفتوں، مہینوں، برسوں، بلکہ صدیوں تک چومتا رہوں۔

اُس کے ناز وادا کی کیا بات۔ اس کی محبوبیوں کے کیا کہنے۔

جب تک میں ہوٹل پہونچا مجھے اس کی ہزل آمیز باتیں برابر یاد آتی رہیں، اور خاص کر مسرت بخش چہرہ جو میرے اتنے قریب رہ گیا تھا ؂

رفتی از پیشِ من، ولقشِ تو از پیش نہ رفت

باب ۱۲

الفاظ	معنی
کان	اردو قدیم ۔ دکھن / کہاں
کدھان	اردو قدیم ۔ دکھن / کب
اجھوں لگ	اردو قدیم ۔ دکھن / ابھی تک
دیدنا سی	ذرا سی
لوٹ ہو جانا	عاشق ہو جانا
اوبدی لگنا	اضطراب ہونا
سیشن کیسی	یعنی وہ کم سن لڑکی کہ اس سے زیادتی کی جائے تو مقدمہ سیشن سپرد ہو۔
چرپری	تیز ۔ جیسے چرپری مرچ

الفاظ	معنی
پھٹیل کبوتر	وہ کبوتر جو اپنے ہم جنسوں سے پھٹ گیا ہو
گگن	آسمان
اپن	ہم
پھیر	پھر
نال	اردو قدیم ۔ دکھنی / ساتھ
جلبل کر	جل جلا کر
ہٹ ماری	اردو قدیم ۔ دکھنی / رہزنی
طرارے بھرنا	فرفر پڑھنا ۔ سرپٹ دوڑنا
بنجریلا	بنجر سے مشتق ہے ۔ یعنی بنجر کھیت جیسا

باب ۱۳

شفقت کے الفاظ دروغ آثار نہیں تھے۔ اور وعدہ مکرّر تھا۔ آثار و قرائن سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ خط آئے گا۔ اور پر آئے گا۔ وہ خود رات بھر میرے ساتھ کھیلتی کودتی اور لاڈ کرتی رہی۔ مانوس ہونٹوں سے نکلے ہوئے غیر مانوس لفظوں (جد۔ کد۔ ابدھر یار۔ بلّے۔ معرکہ آرا صاحب۔ یغمائی صاحب۔ جب لگ دل کرے گا۔ اُنتے۔ کتے وغیرہ) کے مزے لیتا رہا اور سوچتا رہا کہ وہ بھی خوشی میں کتنی اترا رہی تھی۔

رات کے وقت میرے دل میں خیال آیا۔ اس نے کہا ہے کہ کل آپ کی تلافی کر دی جائے گی۔

تلافی تو اس طرح ہو سکتی ہے کہ وہ کل میرے پاس بیجو کی طرح مہکی مہکی۔ بہکی بہکی آئے۔ اور میں ایک آہوئے ختن کو اپنے قبضہ قدرت میں لا کر اندر سے مشک نافہ نکال لوں۔

اور وہ مجھے اپنے لہلہاتے ہوئے بدن کی بہاریں گلشن لوٹ کے بنیان میں سے دکھائے۔

آج میں خزانہ کے گھنٹہ بجانے والے سنتری کے ساتھ جاگ رہا تھا آدھی رات گئے گلیشیر کے پہاڑوں کی طرف سے برفانی آندھی آگئی اور اس ٹھٹھرا دینے والی ہوا کے ساتھ ملحقہ پُرانے جنگل میں گیدڑ۔ بھیڑیئے۔ اود بلاؤ۔ سنگھاڑے۔ لکڑ بھگے۔ صحرائی

بلے ۔ ریچھ ۔ اور لنگور زور زور سے بولنے لگے ان کی آوازیں بڑی دہشت ناک تھیں۔
میں علی الصبح سے ہی شمس النہار کا انتظار دیکھنے لگا گویا سحر سے ہی افطار کی تیاری شروع کر دی تھی۔ بیجو کا کھٹکا اپنی جگہ تھا تو رہے۔ مگر یہ بات ضرور میری سمجھ میں آرہی تھی کہ اگر میں نے شفقت کو بھی بیجو کی طرح اونچا نیچا کہہ دیا ہوتا تو لاکھ منادیاں ہوتی رہتیں اور نگر نگر موسلوں ڈھنڈورے پٹتے پھرتے کہ میں ایسا ہوں اور ویسا۔ وہ مجھ سے باہر نہ ہو سکتی۔ پر کیا کیا جائے۔ اُس سے تو ایک وعدہ تک لینا جوئے شیر لانے کے مترادف تھا۔

یہ شمس النہار کوئی شبِ وصل نہیں تھی۔ بلکہ صرف ایامِ وصل کی پیش رو۔
صبح صبح میں نے باہر نکل کر دیکھا تو ہر طرف بے موسمی ابر چھایا ہوا تھا مڑھیوں والی پہاڑی بادلوں میں کھوئی ہوئی تھی۔

پھر میں برآمدہ میں جھولنے والی آرام کرسی پر جا بیٹھا میں خود ہی دل کو سمجھا رہا تھا "دلِ ناداں تجھے ہوا کیا ہے" ابھی اتنا بڑھنے کا موقعہ نہیں البتہ ہونٹوں سے کچھ رس بھرا مٹھاس مانگ سکتا ہے۔ وہ بھی مالک کی مرضی دے نہ دے۔ فی الحال اگر یہ بھی میسر آجائے تو پو بارہ ہیں۔

یوں ہی دن چڑھتا گیا اور بارش کا یہ حال کہ آج برس کہ پھر کبھی نہ برسے۔
گھٹائیں تھیں کہ سمندر کی طوفانی لہروں کی طرح ایک پر ایک چلی آرہی تھیں۔ اب میں چڑ سا گیا اور کرسی سے اٹھ کر لمبے لمبے تیز قدموں سے برآمدہ میں ٹہلنے لگا جیسے میرے لمبے اور تیز قدموں سے قاصدِ خوش خبر کی سواری میں تیز رفتاری پیدا ہو رہی ہو اور فاصلہ گھٹ رہا ہو۔

مجھے یوں پھرتا ہوا دیکھ کر ذفندب بھرتی ہوئی سونا مکھی آگئی اور کہا۔
"اتنے ۔ تیج ۔ تیج (تیز تیز) نہ چلئے کہیں ٹانگوں میں پیڑیں ہو جائیں اور اس رات کی طرح تھکن۔ سردی بڑی پڑ رہی ہے۔ کہیے تو کوکو لاؤں"
"اس بارش کو کوکو لے جائے تو کوکو لانا"

"اس کا جتن پہلے کئے دیتی ہوں"

اُس نے اپنے سر کے تیل کی پوری بوتل لاکر برآمدے کے ٹبن کی ادلیتوں میں لنڈھاتے ہوئے کہا:

"آپ کو کسی کا انتظار ہے۔ کس کے لئے ٹاپ رہے ہیں آپ؟"

"انتظار تو ہے پر بارش تھمے تو کچھ بنے"

"تو میں جاؤں۔ آپ کے جہان کا خیر مقدم کر دوں گی"

"مہمان کوئی نہیں آرہا۔ خط آرہا ہے"

"شادی کا خط۔ آپ کی شادی کا خط!"

"میری شادی کا خط"

"آپ کی شادی کا خط آپ کے ہی نام کیسے آتا!"

"کچھ ایسی ہی بات ہے۔ جو میرے نام آئے گا"

"اچھا کو کولے آؤں۔ بڑی سخت سردی ہو رہی ہے"

وہ چلی گئی۔ اور میں باہر دیکھ دیکھ کر کہہ رہا تھا "اے بے موسم ابر ستم پیشہ ترحم ترحم" "ے نامہ بر آئے نہ آئے مگر اے بار اِالٰہ۔ تار بارش کا تو ٹوٹے کوئی ساعت کوئی پل

نصف النہار کے قریب عین وقتِ موعود پر اور جب میں بالکل مایوس ہو گیا تو اسی پانی پڑتے ہوئے میں سونا لکھی کو کولئے ہوئے آئی اور ساتھ ہی.

خط مشکین رقم یار دیا۔ میں نے اس کے ہاتھ چوم لئے۔ پھر وہ مزاحار ومال سے اپنے ہاتھ پونچھ رہی تھی.

شفقت کے نستعلیق اور پاکیزہ تحریر میں اپنا نام لکھا ہوا دیکھ کر میرے دل سے دعائیں نکلنے لگیں کہ آفرین بر دل رحم تو۔ یہ بارش۔ یہ سردی۔ یہ ہوا۔ پر پیغام شادمانی پہونچانا تھا پہونچا کر رہی.

ایک طرف نازک زنانہ خط میں لکھا ہوا تھا:

منجانب شفقت جاودانی بقلم خود۔

اوہ تیری جادو رقمی! تیرا نطق اگر گوہر بار ہے تو قلم مشک بار۔ مجوزہ شادی کی قبولیت کا خط اس تکلف سے بھیجا کہ جیسے یہ خود شادی کا خط ہو۔

لفافہ اٹھا کر میں فرطِ انبساط سے گانے لگا۔

بہ دیگراں نوشت بسے نامۂ وفا

بر حاشیہ سلام ہم از من دریغ داشت

اور پھر خود ہی خود کہنے لگا کہ شادمانی اچھی نہیں۔ اور یہ اشعار تو آج جیا کو پڑھنے چاہیئے تھے۔

ادھر سونا مکھی کے ہاتھ میں بھی دو لفافے تھے۔

اُس نے کہا۔

"آپ کے خط کا مضمون تو لفافے سے ظاہر ہے مگر میرا ایک لفافہ تو انعامی معمّہ کے متعلق ہے اور دوسرا ائیر ہوسٹس (فضائی میزبان خاتون) کی آسامی کی بابت۔ معمّوں کے حل تو میں بچپن سے بھیج رہی ہوں۔ آج تک کچھ نہیں ملا۔ شائد ائیر ہوسٹس بن ہی جاؤں۔ وہاں دیگر سہولتوں کے علاوہ میری تنخواہ یہاں سے سہ چند ہو جائے گی۔ پہلے یہی لفافہ کھولوں"

اُس نے لفافہ کھولا اور نامۂ تقرری پڑھ کر باغ باغ ہو گئی۔ اُس نے اپنا منہ آگے بڑھا کر ہونٹ پلیش کیئے۔ اِن سے کون انکار کر سکتا تھا۔ مگر جب اُسے دوسرے بڑے لفافہ میں سے ایک لاکھ پچھتر ہزار روپے کے انعام کا اطلاعیہ ملا تو اُس نے شادی مرگ کے قریب ہوتے ہوئے میرا سر تکیہ پر رکھ کر اپنے لب و دنداں سے میرے ہونٹ فگار کرنے شروع کر دیئے۔ اس کی نسوانیت جواب دے چکی تھی۔

مڑھیوں والی پہاڑی کی طرف سے میرے کانوں میں شادیانوں اور شہنائیوں کی پیہم آوازیں آ رہی تھیں۔ اندیشہ ہائے دور دراز حروفِ غلط کی طرح مٹ گئے تھے۔

جبھی بادل پھٹا۔ سنہری مڑھیاں سورج میں چمک دمک کر گھونگھروؤں کی طرح ہل بج رہی تھیں۔ اور وہیں فضا میں معلق جامۂ عروسی پہنے ہوئے شفقت کا مجسمہ ناچ رہا

تھا۔ نفس کی خواہش تھی کہ میں شفقتی کو بہ رقص عریاں دیکھوں۔ میں خود نفس کی حامی بھر رہا تھا۔

ہم دونوں بے حد بشاش تھے۔ اور ذرا دیر بعد شفقت کا خط پڑھتے ہی میرا ارادہ سونا کھی سے گن گن کر بدلے لینے کا تھا۔

فی الحال میں نے اس کے ہونٹ اپنے منہ میں کر لئے اور اس نے بڑی شیطانی سے اٹھ کر نہایت درندگی کے ساتھ شفقت کا لفافہ اس طرح چاک کر ڈالا کہ جیسے میں اس کی ردائے عفت چاک کر کے کنوار پھل اتار رہا ہوں۔ حقیقت میں مجھے عنقریب شفقتی پر ایسے ہی اختیارات حاصل ہونے والے تھے۔ یعنی میں اُس کے بھی پرزے پرزے اڑا سکوں گا۔ شب عروسی میں ڈاکا زنی سے اول مجھے یہ بات جتانی ہو گی کہ جوڑا ہمارا ہی خوب ہے۔

جس طرح گھڑی کے ڈائل پر شیشہ ٹھیک بیٹھ جاتا ہے۔ اسی طرح ہم بھی خوب میل کھا گئے۔

مگر اس لفافہ میں سے نکلا کیا!

شفقت جاددانی اور عبدالجبار سلمہ، اللہ تعالیٰ کی شادی خانہ آبادی کا دعوت نامہ

یا کھرا۔

میں بستر میں اُٹھ کر بیٹھ گیا۔ میرے چہرے سے ماتم زدگی ظاہر ہونے لگی۔ مگر مست رُو سونا کھی میں اب بھی جوشِ تمنا کی لہریں دوڑ رہی تھیں۔ جب اُس نے دیکھا کہ یا تو میں ایسا زین کسا کسایا کھڑا تھا اور یا اِس بھونڈے پن سے گردن اور کندھے ڈالدئے تو وہ چلی گئی۔

مجھے جاڑا لگنے لگا۔ میں نے کھڑکیاں دروازے بند کر لئے۔ ہول کے مارے مجھے ایسا لگ رہا تھا کہ جیسے کوئی آدم آزار قطبی ریچھ میرا پیچھا کرتا کو اڑوں تک پہونچ گیا ہو یا دشمن مجھے نیچے گرا کر سنگینوں سے بیندھ رہے ہوں۔

ہر طرف سنکھ اور نرسنگھے بج رہے تھے۔ مجھے سخت بخار ہو رہا تھا اور میں

دو لفافوں میں مُنہ، سر، لپیٹے خفقانی حالت میں چلاّ رہا تھا۔

"اوہ شفقت۔ اوہ شفقتی۔ اوہ پتے باز۔ اوہ فریب۔ اوہ سعی بے حاصل۔ اور اے بسا آرزو کے خاک شدہ۔

اسی اثناء میں ڈیبا آیا کہ تالیکوٹہ سے رقیہ بی بی فون پر کہہ رہی تھیں کہ خالہ جان کو آپ کا انتظار ہو رہا ہے۔ میں نے کہہ دیا۔ انہیں تو جاڑے سے بخار چڑھ گیا۔ دو لحافوں میں پڑے ہوئے بڑبڑا رہے ہیں۔

یہ سنتے ہی یہ دونوں ماں بیٹیاں میرے سر پر ایسی اچانک آچڑھیں کہ سونا مکھی جو لحاف کے اندر بیٹھی ہوئی مجھے گرماہٹ پہونچا رہی تھی اُسے سٹر ماکر جانا پڑا۔ اور ہمارے عقلِ کل ملازم فرمار ہے تھے: "حضور آپ کی آمد سے انہیں تسکین ہو گئی۔ اب تو نہ کراہ رہے ہیں اور نہ بڑبڑاتے ہیں۔ ورنہ پہلے تو بُرا حال تھا"، اور ہم چپکے کسی اور سبب سے ہوئے تھے۔

میں نے ذرا سا لحاف ہٹا کر دیکھا تو رقیق القلب رقیہ رو رہی تھی اور خالہ جان چلا رہی تھیں۔

"ارے ڈاکٹر۔ ڈاکٹر"

اِس وقت مجھے رقیہ کی ایک خوش روی یاد آرہی تھی۔ شگنی کے بعد جب میں پہاڑ آکر ٹائیفائڈ (میعادی بخار) میں پڑا تو مجھے ایک بدذائقہ کڑوی اور بدبودار دوا پلا رہے تھے۔ میں ہر چند نہیں پی رہا تھا۔ رقیہ بھی پاس کھڑی ہوئی تھی۔ اُس نے مجھے دکھانے اور پلانے کے لئے اس دوا کی تھوڑی سی خوراک پی لی۔ اُس وقت جو اس کے چہرہ سے تاثر ظاہر ہوئے میں اس خوش روی کو یاد کر رہا تھا۔

اُس نے ایسا کیوں کیا تھا؟ وہیں اور بھی تو تھے۔ والد اور والدہ۔ مگر کسی کو یہ بات نہ سوجھی۔ کیا رقیہ میں عقل کا مادہ اُن سے زیادہ تھا؟ نہیں وہ اُن سے کم سمجھدار تھی۔ پر اُسے میرا خیال اُن سے زیادہ تھا۔ اور اسی لئے اُس نے مجھے دوا پلانے کا

یہ جتن سوچا۔

اُس نے میرے ساتھ بہت رعائتیں کر رکھی تھیں۔ اُس نے مجھے سگریٹ نوشی۔ روزہ توڑنے۔ پلہنڈی کے پاس پوچھاڑی میں بوسہ زدنی۔ اور شگنی کی ملاقاتوں کی سزا سے بچایا تھا۔ وہ ہر وقت میرے لئے صفائیاں پیش کرنے کو تیار رہتی تھی۔ اور اب بھی میرے لیے وہی کھڑی رو رہی تھی۔

میں نے اس کے لئے کچھ بھی نہیں کیا تھا۔ اس نے میرا کچھ بھی نہیں دیکھا تھا۔ اور نہ آئندہ کچھ دیکھنے والی تھی۔

۔بیجو کا تعلق میرے جسم سے تھا۔ رقیہ کا میری روح سے۔ اگر میں خطرناک گٹاؤ سے گر کر مر جاتا تو بیجو بھی ضرور مر جاتی۔ مگر اگر رقیہ کو اس کا پتہ لگ جاتا تو؟ میں شفقت سے شادی کرنے کو تیار رہوں۔ مگر رقیہ کس کے گھر جائے گی؟

جبھی دُبا نے پھر اطلاع دی کہ ”کوئی بیجاپور کی لڑکی رقیہ بی بی کو تالیکوٹہ سے فون پر بلا رہی ہے“ رقیہ جانا نہیں چاہتی تھی مگر خالہ جان نے بھیج دیا کہ ڈاکٹر کو بھی فون سے بلا لے۔

فون پر بیجاپوری تھی۔ وہ تالیکوٹہ پہونچی تھی اور رقیہ کو وہاں نہ پاکر اِدھر فون کرنے لگی۔ اُس نے ”روح“ کا قصہ وغیرہ فون پر ہی دھراتے ہوئے کہا۔ ”طاہر میرا ہے۔ تمہیں یقین نہیں آرہا۔ میں وہیں پہونچ رہی ہوں۔ اُن کے آمنے سامنے بیٹھ کر فیصلہ ہو جائے گا —— “

رقیہ واپس نہیں آئی۔ اور سیدھی بیجاپوری کے پاس پہونچی۔ خالہ جان کو کہلا دیا کہ ڈاکٹر کو لینے جا رہی ہوں۔ ڈاکٹر کو لانے —— اور تنہا —— نہیں اُس کے ہمراہ نرس تھی۔ جس نے رقیہ کو پالا تھا۔ اور ہیڈ خانساماں۔ مگر ڈاکٹر کو سونا کھی لے آئی تھی۔

باب ۱۳

گلشن لوٹ - جالیدار پھولدار کپڑا - فرہنگ متعلقہ

باب ۱۴

جب رقیہ تالیکوٹہ کے ملاقاتی کمرے میں داخل ہوئی تو بیجاپوری نے اُس سے سوال کیا۔

"تم کون ہو؟"

"مسٹر طاہر محمود کی منسوبہ۔"

"منسوبہ! نہیں تم وہ نہیں۔ وہ تو کسی اور پر جھکے ہوئے اعلانیہ بوسہ بازیاں کر رہے تھے۔"

"منسوبہ تو اُن کی میں ہی ہوں۔ رقیہ مولاداد میرا ہی نام ہے۔"

"کیسے یقین کر لوں۔ وہ تو کسی اور پر جھک رہے تھے۔ تم تو چھلکا اُتری لیچی کی طرح ہو یا اُبلا ہوا انڈا اور وہ لال انگارہ تھی۔ آنکھوں کو خیرہ کر دینے والی۔ تم ناخ ہو وہ سیب۔ دیکھوں ہاتھ۔ یہ سفید ہیں وہ حنائی تھے۔ وہ شیرے میں پڑی ہوئی گلاب جامن کی طرح تھی۔ ایسی کہ ہونٹوں سے پھوڑے بغیر منہ میں گھل جائے اور تم تو چھوٹی الائچی ہو۔ دیکھوں تمہاری صورت ــــ کیسا بصیرت افروز برجستہ برجستہ اور ہوشمند آن پہ چہرہ ہے ــــ طاہر تمہارے کیا لگتے ہیں؟"

"میں اُن کی منسوبہ ہوں۔"

"اور کوئی سمبندھ۔"

"میں ان کی بڑی قرابتی ہوں۔ یعنی چچیری اور خلیری"

"تم تو وہ نہیں۔ وہ تو بڑی ہی فتّامہ۔ بڑی فاحشہ۔ بے حیا۔ علامۂ دہر — دھاندل باز۔ ہرجائی۔ کھلاڑا۔ اور طفل مزاج معلوم ہوتی تھی۔ میں نے کسی کو سڑک پر کھلے بندوں علی الاعلان یوں منہ سے منہ ملاتے ہوئے نہیں دیکھا۔ تولیاں تک ایسا نہیں کرتیں۔ اور تم تو جنّی اور مولون سی لگتی ہو۔ طاہر نے مجھے دھوکا دیا۔"

"وہ دھوکا نہیں دیتے"

"تو وہ کون تھی۔ جس پر وہ جھک رہے تھے، وہ اُس کے منہ سے اوپر ہی اوپر لوٹتے پھرتے ہیں"

"اب مجھے کیا معلوم"

"کالی آنکھیں۔ موٹی موٹی۔ بڑی بڑی جیسے دیہاتنوں کی آرسیاں ہوتی ہیں۔ لال انگارہ چہرہ۔ نچنی سی لگتی تھی۔ تم اس کا پتہ لا دو۔"

"کیسے لا دوں۔ کیا خبر وہ کون ہے؟"

"تم اپنا حق چھوڑ دو"

"پر وہ لال مُنہی جو ہے"

"اُس کا میں کیا کروں"

"خیر اس کی بابت بھی دیکھا جائے گا۔ تم اُنہیں کیا سمجھتی ہو؟"

"بہت اچھا"

"یہ اچھی باتیں ہیں"

"وہ اپنے فعل کے مختار ہیں۔ میں محتسب نہیں۔ کئی برس ہوئے میں نے "مفتاح الجنت" میں پڑھا کہ جو کوئی غسل کرے۔ کپڑے بدلے۔ عطر لگائے۔ قبلہ رو ہو کر لیٹے۔ تین سو ایک مرتبہ درود شریف ورد کرے اور ورد کرتے ہی کرتے سو جائے۔ تو اُسے ہفتہ بھر کے اندر خواب میں حضورؐ رحمت اللعالمین کی زیارت نصیب ہو گی۔ میں نے یہ وظیفہ کیا اور مجھے ساتویں شب خواب میں آپؐ کے دوست نظر آئے۔

اور اُن دِنوں وہ آپ کے ساتھ اولڈ کمنڈ میں ہوں گے۔ میں جب کبھی بھی محرم کی مجلسوں میں گیسوؤں والے حضرت علی اکبر کا ذکر سنتی ہوں مجھے اد بداکر انہیں کا خیال آتا ہے ''

''تمہاری منگنی کب ہوئی ''

''بچپن میں ''

''اور وہ تمہارے چچیرے اور خلیرے بھی ہیں۔''

''کیا یہ رشتہ بھی تڑوانا چاہتی ہو ''

''اسے کون توڑ سکتا ہے؟''

''شکر ہے شکر۔ خدا کا ہزار شکر''

''اچھا ہوا جو تم میری بات مان گئیں''

''اب تم میری بات مانو ''

''کیا؟ ''

''تم انہیں فضیحت نہ کرو گی۔ کسی دوسرے سے ذکر نہ ہونے پائے۔ وعدہ کرو۔''

''میں انہیں بدنام نہ کروں گی مگر وہ دوسری جو ہے ''

''اسے ہونے دو ''

''مجھے طاہر کو اُس سے روکنا ہوگا۔''

''روکو۔ مگر طریقے کے ساتھ اور میرے مشورے کے بعد اُسے اِس طرح چیلنج نہ دینا جیسے مجھے۔ جب تعلقات اس حد تک پہونچ جائیں۔ جیسے تمہارے تو پھر شادی ہو ہی جانی چاہیئے۔''

''شکریہ۔ بہت بہت شکریہ۔ میں تو تم سے لڑنے آئی تھی مگر تم تو بڑی صلح جو نکلیں ''

''لفاظت ہو رہی ہو؟''

"نوبتی بخار آیا تھا"

"میرا ارادہ رات کو اُن سے ملنے جانے کا ہے"

"ضرور جائیے"

"تمہاری امّی جو وہاں ہیں"

"میں اُنہیں واپس بلاؤں گی"

"اگر وہ نہ آئیں؟"

"ضرور آجائیں گی۔ میرا ذمہ"

"اور شکر یہ شکریہ۔ یہ کوٹھی کب بنی؟"

"پچھلے سال"

"اور نام ——— تالیکوٹہ"

"نام اسی سال رکھا گیا۔"

"کس کی تجویز ہے یہ؟"

"آپ کے دوست کی"

"اُنہوں نے یہ نام کیوں چُنا؟"

"معلوم نہیں"

"تالیکوٹہ کی خوفناک لڑائی میں مسلمانوں نے میرے آباؤ اجداد کو شکست دی تھی۔ اور وجیانگر کا اختتام ہوا تھا۔ اُنہیں مجھ سے لگاوٹ تھی تو یہ نام زندہ کیا"

"یہ بات تو ہے"

"تم اس کوٹھی کے پھاٹک پر جنگلی سور کی تصویر کھینچوا دو"

"کیوں؟"

"مہاراجگان وجیانگر کا شاہی نشان تھا"

"مسلمان سور کو نجس سمجھتے ہیں۔ آپ کے دوست پھاٹک پر مردنگ بنوانا چاہتے تھے"

"پھر کیوں نہ بنوایا؟"

"والد صاحب نے کہا کوئی سمجھے گا یہاں کلاونت رہتے ہیں"

"وہ مردنگ اس لئے بنوانا چاہتے تھے کہ مجھے یہ باجا از دل مرغوب ہے۔ اور اچھا بجا لیتی ہوں۔ کبھی سناؤں گی۔ تم نے شراب پی ہے؟"

"نہیں۔ ایک مرتبہ آپ کے دوست نے سگریٹ پلانے کی کوشش کی تھی۔ میں نے وہ بھی نہیں پی۔"

"اگر شراب پلائیں تو پی لو گی؟"

"کبھی نہیں"

"مجھے تو وہ زہر بھی پلائیں تو پی لوں"

"اپنا اپنا خیال ہے۔"

"جہاں محبت ہوتی ہے وہاں ایسا ہی ہوتا ہے۔"

"یہ کیا چیز ہے محبت۔ مجھے اس میں شمہ برابر یقین نہیں"

"تمہیں اُن سے محبت نہیں؟"

"میری اُن سے عزیز داری ہے۔ محبت وحبت کو میں نہیں جانتی۔ میں عزیز داری کو محبت سے بالاتر سمجھتی ہوں"

"کیوں؟"

"محبت کیا۔ آج ہے کل نہیں۔ اور عزیز داری ہمیشہ رہنے والی چیز ہے، اسے کوئی نہیں توڑ سکتا۔"

"محبت کو بھی کوئی نہیں توڑ سکتا۔"

"اگر ایسی بات ہوتی تو تم مجھ سے انہیں چھوڑنے کو کیوں کہتیں۔ اگر میں اُنہیں چھوڑ سکتی تھی۔ تو جب ہی تم نے مجھ سے اقرار کرا لیا کہ انہیں چھوڑ دو"

"اس لئے کہ مجھے یقین تھا کہ تمہیں اُن سے محبت نہیں ہو گی۔ یا کم ازکم میری جتنی تو ہرگز نہ ہو گی"

"دوسروں کے متعلق آپ اپنے دل سے فیصلہ کر دینا کون سا انصاف ہے؟"

"کیا تم انہیں چھوڑ سکتی ہو؟"

"میں؟ نہیں۔ نہیں۔ اور تم اتنی جلد یہاں کیوں چلی آئیں؟"

"مجھے ڈر تھا کہ کہیں تم ہوٹل پہونچکر امی جان کے رُوبرو انہیں تشہیر نہ کرو"

"اگر تم نہ آتیں تو ضرور ایسا ہی ہوتا۔"

"نتیجہ؟"

"جیسے کو تیسا"

"کیا تم درگذر نہیں کر سکتی تھیں؟"

"درگذر کون کرتا ہے۔ سکندر نے پورس سے اس لئے آشتی کی کہ حملۂ مگدھ کی صورت میں اُس کا عقب اور خطوطِ رسل و رسائل محفوظ رہ سکیں۔ اور کچھ کمک بھی ملے گی۔"

"تمہارا یہ تطربہ نرالا ہے"

یہ باتیں چل رہی تھیں اور بیجاپوری کا ارادہ اب اٹھنے کا تھا کہ شفقت آگئی۔ رقیہ نے اُن کا آپس میں تعارف کرایا۔

رقیہ :۔ یہ جنوبی ہندوستان کی رہنے والی مس بیجاپوری ہیں۔ اِن کا جنم استھان راس کماری ہے۔

شفقت : راس کماری خطِ استوا سے صرف آٹھ درجے شمال میں ہے چراپونجی میں چار سو ساٹھ اینچ بارش ہوتی ہے۔ مس بیجاپوری تو اس طرح جغرافیہ کا حصہ ہوئیں۔

رقیہ :۔ تاریخ کا بھی ہیں۔ بیجاپوری۔ گولکنڈہ۔ احمد نگر۔ اور برار (دکھن) کی مشہور حکومتیں تھیں۔

بیجاپوری : اور وجیانگر آپ بھول گئیں۔ جس کا شاہی خون میری رگوں میں دوڑ رہا ہے میں ہندو مشاہیر دکھن کی نسل سے ہوں۔ میرے ہی ایک مورث سری

رنگارائے نے ۱۹۳۹ء میں انگریزوں کو مدراس کا قلعہ بنانے کی اجازت دی تھی۔ جب اجودھیا۔ ہستنا پور، کپل وستو۔ پاٹلی پتر، اجین اور مہوبا نہ رہے تو بھارت واسیوں نے دُور دکھن میں دریائے تنگا بھدرا کے پار وجیانگر بسایا۔ اس شہر نے اُن تمام قدیم راجدھانیوں کی روایات ورثہ میں پائیں۔ اِسی طرح قدرت نے مجھے اُن کل روایات کی وارث بنایا۔ جو سیتا۔ دروپدی اور پدمنی سے وابستہ ہیں۔

شفقت :۔ تو آپ تو پورا تاریخ اور جغرافیہ ہیں۔ اور میں شفقت جاودانی ہوں۔

بیجاپوری :۔ کل اِسی وقت میں نے آپ کو بنگالی کتب خانے کے قریب دیکھا تھا آپ کسی عزیز کے ساتھ بے تکلفانہ باتیں کر رہی تھیں۔

شفقت :۔ اچھا بھئی رقیہ ہم چلے۔ والد صاحب رکشا میں بیٹھے انتظار کر رہے ہیں۔ "بہشت سیاحاں کلب" جانا ہے۔ باقی پھر۔

شفقت کے جانے کے بعد بیجاپوری نے رقیہ سے کہا۔

بیجاپوری :۔ یہ تھی وہ۔ آپ جان گئی ہوں گی۔ اب آپ کا کیا مشورہ ہے۔

رقیہ :۔ حالات کا جائزہ لینا چاہیے۔ فی الحال صبر لازم ہے۔

بیجاپوری : صبر کیا خاک کروں۔ صبر ہو چکا۔ یہ تو مجھے چکا ہوا سودا معلوم ہوتا ہے۔ تم تو بیجا وندھیاچل پہاڑ تھیں۔ پورا ل جیسا۔ میں نے پار کر لیا۔ وہ کٹھن ہمالہ ہے۔

اب جب بیجاپوری اس شہ سرخی کے نیچے کہ اس میں روح کیسے پھونکی گئی تھی۔ خطرناک کٹاؤ۔ کاشتکار کے بھٹیئے۔ بودھوں کے غار وغیرہ کا قصہ بالتفصیل سنانے لگی۔ تو رقیہ نے لجا کر اور اُکتا کر کہا۔ آخر مجھ سے یہ تو نہ بیان کیجئے۔ وہ میرے بہت ہی قریبی ہیں۔ اگر منسوب نہیں رہے تو کیا۔ بھائی تو ہیں اور دوہرے بھائی۔

باب ۱۵

انداِم گل پہ ہو نہ قبا اس مزے سے چاک
جو ن خوش تنوں کی تن پہ مسکتی ہیں چولیاں

خالہ جان رقیہ کو بلا رہی تھیں۔ کہ وہ دونوں رات کو ٹھہر کر میری عیادت کر سکیں۔ مگر رقیہ کو بیجا پوری سے اپنی ذمہ داری نبھانا تھی۔ اس لئے۔ اُس نے تنگ کر کے دن چھپے کے قریب خالہ جان کو نالیکوڑ بلالیا۔ اُن کے جانے کے بعد سونا لکھی آ گئی۔ میں آبی رنگ کا لباس شب خوابی پہنے ہوئے غسل خانے سے باہر آ رہا تھا۔ وہ میری مسہری پر ہی بیٹھ گئی۔ میں اُسے لحاف میں لے کر اُس کے دستانے اُتارنے لگا۔ وہ بولی۔

"طاہر میاں۔ آپ کی خالہ زاد بہن کہہ رہی تھیں۔ کہ آپ نے لگاتار تین خواب آور گولیاں کھالی ہیں۔ اس لئے دودھ ضرور پی لینا چاہیئے۔ میں خود ایک پیالہ لے آتی ہوں۔ بجلی بھی گل کر دینی چاہیئے۔ کیونکہ اندھیرے میں نیند اچھی آتی ہے۔ ضرورت کے لئے ہیٹر (گرمالہ) کی روشنی ہی کافی ہو گی"

وہ یہ کہہ رہی تھی۔ اور میں بیٹھا بیٹھا سو گیا تھا۔ اب وہ میرا سر بھنویں اور رخسار لب سہلانے لگی۔ ویسے میں آج تمام دن نہیں سویا تھا۔ اور گذشتہ رات تو کس کی

آنکھ جھپکی تھی۔ خواب میں جہنم کے فرشتے میرے سر پر آگ میں لال کئے ہوئے لوہے کے گُرز مار رہے تھے۔ اور میں کراہ رہا تھا۔ میں اس طرح کراہ رہا تھا۔ جیسے رانی مکھی کو زخمی کر کے چھتے سے باہر پھینک دیا گیا ہو۔ اور منہال اُسے ڈنک مار مار کر ہلاک کر رہا ہو۔

میری آنکھ اُس وقت کھُلی۔ جب میں نے اپنے ہونٹوں سے کوئی برفیلی چیز لگتی ہوئی محسوس کی۔ میں نے فوراً کمرہ روشن کر دیا۔ بیجا پوری میرے لحاف میں ساتھ لیٹی ہوئی۔ ربڑ کی گڑیا کی طرح منہ سے سیٹی سی بجاتی ہوئی کہہ رہی تھی۔

"تم نے بھی تو رستوران میں آئس کریم کھاتے ہوئے میرے ٹھنڈے ہونٹ لگا دیئے تھے۔ میں نے لگا دیئے تو کیا ہوا؟"

"اچھا تو لیکھا بہرا یہ کرنے آئی ہو"

"میں نے اُسے نکال دیا —— تمہیں اِس طرح دیکھ رہی تھی۔ جیسے طوطا، طوطا پری آم کو"

"تم نے اُسے ناراض کر دیا"

"وہ ایسا چہرہ بنائے ہوئے گئی۔ کہ جیسے ویلڈنگ کے وقت پھنکارے مارتا ہوا شعلہ نکلے"

"میں نے تو اُسے کافی دِن سے نظر انداز کر رکھا ہے"

"اور نظر انداز کرنے سے پہلے"

"میں نے اُس کے ساتھ کوئی مذبوحی حرکت نہیں کی۔"

"آج شاید کر بیٹھتے"

"اگر اس کی عیوضی نہ آتی تو شاید"

بیجو میرے لئے تر چناپلی کے خوشبو دار کیلے لے کر آئی تھی۔ اور کنارا ٹرانکور کی بھُنی بھُنی نازہ کوکو۔ اِس وقت اِس کلبۂ احزن میں مجھے اُس کی موجودگی بڑی ہی غنیمت معلوم ہوئی۔ میں نے بستر کا کافی حصہ چھوڑ دیا تھا تاکہ وہ کھُل کر لیٹ سکے۔ اور

آدھا تکیہ بھی اس کی طرف سرکا دیا تھا۔ اس نے جامنی اوورکوٹ اور دستانے کھونٹی پر ٹانگ دیئے۔ وہ ہزاری ساڑھی پہنے ہوئے تھی۔ اور گلہریا جمپر۔ مگر جب وہ میرے پاس تو بدن پر چولی اور نہ پوشی کے سوا کچھ نہ تھا۔ اور وہ نیم بے ہوش تھی۔

میں نے جی کا غبار نکالنے کے لئے اُس سے سینہ بسینہ ہونا چاہا۔ تو اُس نے مجھے پیچھے ہٹاتے ہوئے اپنی مکوہی شال اوپر لپیٹ لی۔ اور تکیہ بیچ میں رکھتے ہوئے کہا:

"دور دُور باش —— پہلے تمہیں ملزموں کے کٹہرے میں کھڑا ہونا ہوگا"

"کس لئے"

"تم نے دروغ بیانی کی۔ تم کسی سے اٹکے ہوئے ہو۔ وہ کون تھی جس پر تم جھک رہے تھے؟"

"شفقت جادوانی —— جس کی شادی کا خط میز پر رکھا ہے"

"ایک خندق تو میں نے پھلانگ لی تھی۔ دوسرا بھرا آپ پٹ گیا۔ اب راستہ ہموار ہے۔ خوشی کے موقعوں پر قیدی رہا کئے جاتے ہیں۔ میں نے تمہیں معاف کیا"

پھر وہ کہنے لگی:

"تم نے ایک اور گناہ کیا ہے۔ وہ نہ بخشونگی"

"کیا؟"

"تم نے مجھے سونا کی عیوضی بنایا۔ یعنی کچھ دیر کو ہوں۔ اور پھر وہ آکر اپنی جگہ حاصل کرلے گی۔ کیا عیوضی کا یہی مطلب نہیں؟"

اس کے چہرے پر شہوت مند ہنسی سے ایک نکھار آگیا۔ اُس نے بستر سے چھلانگ ماری۔ میز سے چھپا ہوا دعوت نامہ اٹھایا۔ اور اُسے پڑھ کر زور زور سے نعرے لگائے۔

رائچور - رائچور - رائچور - جنگ رائچور میں وجیانگر کے والی کرشن دیورائے اعظم نے سلطان اسماعیل عادل شاہ کو مار بھگایا ہے۔ بھگوڑے مسلمان دریائے کرشنا

کو عبور کرتے ہوئے ڈوب رہے ہیں۔ اس یُدھ میں سلطان اور صرف سات سپاہی جان بچا کر لیجا سکے ــــــــ میں یورال ایسا دبندھیا چل پار کر چکی تھی۔ کٹھن ہمالہ آپ سے آپ میرے پاؤں تلے آن گرا۔“

پھر اُس نے بہت زور سے نعرے لگائے:

”وجے وجے۔ وجے“

اور میں ڈرا کہ غلام گردش میں آواز گونج رہی ہوگی۔ وہ تو شکر ہوا۔ کہ اس والے کمرے میں سیٹھ روڈھامل نیٹھم داس کی دھرم پتنی مسماۃ دسوندھن کو کالی کھانسی اٹھ رہی تھی۔ اس لئے اُنہوں نے کھوں کھوں میں کچھ نہ سُنا۔

پھر بیجاپوری نے میرے اُوپر سے لحاف اُتار پھینکا۔ اور میرا لباس شب خوابی پھاڑتے ہوئے بولی۔

”ہندوستان ایک تکونا ملک ہے۔ جس کا دُور پچھم بلوچستان میں کوئی جگہ ہوگی۔ دُور پورب آسام کی پہاڑیاں ہیں۔ اور دُور دکھن راس کماری۔ جہاں کی میں رہنے والی ہوں۔ نام بیجاپوری ہے۔ تم بیجو۔ بیجی کہتے ہیں۔ میری جنم بھُومی ہندوستان بھر میں خطِ استواء سے قریب ہے۔ اس لئے مجھے زیادہ گرم تر ہونا ہوا“

”مگر مجھے تو سخت سردی لگ رہی ہے۔ بخار میں پڑا ہوا ہوں۔ ڈاکٹر نے خواب آور گولیاں کھلائی ہیں“

اس نے پوری کھڑکی کھولدی۔ باہر باجرہ برس رہا تھا۔ ٹھنڈی ہوا میری پسلیوں میں چھید کئے دے رہی تھی۔ میں نے پانی بھرا جگ اُس کے سر پر اُلٹ دیا۔ اس تریڑے سے اُسے سُبکی آگئی۔ دانت بجنے لگے۔

اور میں نے پوچھا۔

”راس کماری کی رہنے والی۔ جو ہندوستان بھر میں خطِ استواء کے قریب ہے۔ آپ کا مزاج تو گرم تر ہوگا۔ تسلی نہ ہوئی ہو۔ تو ایک جگ اُور منگوایا جائے۔“

پھر میں نے اس کا مطہر بدن بڑے ترکی تولیہ سے پونچھا۔ اس میں سے الائچی

کی خوشبو آ رہی تھی۔ کیونکہ چوبی اُور نہ پوشی تک بھیگ گئے تھے۔ اس لئے سب کے سب اتروا دیئے گئے۔

وہ بے ستری میں بڑی ہی کافر سجل معلوم ہوتی تھی۔ وجیانگر کا وِٹھل سوامی مندر آنکھوں میں پھر رہا تھا۔ مگر سردی ہو رہی تھی۔ اُور اُس کے پاس تو اُور کپڑے نہیں تھے۔ اس لئے میں نے اُسے اپنا چوخانہ ریشمی تہبند بندھوا کر اوپر سے بلا آستین کا سُتری بُنیان پہنا دیا۔ اُس کی شوخی ہائی بھٹنیاں کپڑا چھید کر باہر نکلی آ رہی تھیں گلے کا زیتونی موتیوں والا کنٹھا بہار دے رہا تھا۔ اس لباس میں وہ قیامتِ صغرا بن گئی۔ میں چاہتا تھا۔ کہ اُسے اِس دھجا میں دیر تک دیکھتا رہوں۔ اور خاص کر پیٹھ پھروا کر اُس کے حصّہ زیر کمر کا اُبھار۔ اوہ۔ اوہ۔ اوہ ـــــ اُس کے سرین سپاٹ نہیں تھے۔ بلکہ کیسے ابھرواں! مگر وہ سردی سے سوسو کرتی ہوئی دوڑ کر لحاف میں آ گئی۔

کمرہ میں ہیٹر (اگر مالہ) روشن تھا۔ مگر جب بجلی فیل ہو گئی۔ تو اندھیرے کے ساتھ ساتھ سردی بڑھ جانے سے: بچو کو کپکپی چھوٹنے لگی۔ ہم نے آتش دان میں کوئلے دہکا دیئے۔ اُور اِس خوشی کے الاؤ میں اس کا چہرہ بڑا ہی پُراسرار دکھائی دینے لگا۔

وہ لحاف میں ٹڈ کٹڑی مار کر لیٹ گئی اور میرے کان میں کہا۔

"کسی کو خبر نہ ہو۔ کہ: بچی یہاں ہے۔ ورنہ ناحق: بین بدنام ہو جائے گا۔ میرا رقیہ بی بی سے وعدہ ہے۔ کہ آپ کی فضیحت نہ ہونے دوں۔ اُس کا خیال تھا۔ کہ میں آپ کو سرنام کر دوں گی۔ بھلا ایسا ہو سکتا ہے؟"

"اچھا تو رقیہ کو بھی سانٹلیا؟"

"آپ سے وہ اچھی ہے۔ میں نے اُسے اپنا دوست بنا لیا۔ اگر لڑکا ہوتا۔ تو اُس سے شادی کر لیتی۔ رنگ گو ڈھلکا اتری ہوئی اینچی جیسا ہو ـــ مگر شکل تو کچھ کچھ تم سے ملتی جلتی ہے۔"

"اچھا تو ہم خراب ہوئے۔"

"بہت خراب ـــ بات تو اُس نے پہلے ہماری مانی۔ اُس نے تمہیں

چھوڑ دیا۔"

"تم غلط کہتی ہو ——— "

"تو اس نے تمہیں نہیں چھوڑا ؟ - ہیں !"

"بات تو پوری ختم ہونے دو۔ اتنی گھبرا گئیں۔ میں کہنا چاہتا تھا۔ کہ تم غلط کہتی ہو۔ کہ تمہاری بات اُس نے پہلے مانی۔ بات تو تمہاری رسٹوران میں بیٹھے ہوئے میں نے ہی پہلے مانی تھی "

"ہاں ٹھیک ہے۔ بھول گئی تھی۔ اور طاہر اگر مجھے جادو آتا۔ تو دن بھر تو میں گائین گائین ہو کر چھپکلی بنی۔ دیوار پر بیٹھی تمہیں دیکھتی رہا کرتی۔ اور رات کو تم ہوتے اور یہی تمہاری بیجی ۔ یا تم مجھے عینک کی طرح خول میں ڈال کر جیب میں لئے پھرتے۔"

"لیکن تم تو رات کے لگانے کی عینک ہو "

"رات کے لگانے کی عینک بھی ہوتی ہے "

"اگر ہوتی ہے۔ تو تم ہو۔"

"اور تم ——— تم کیا ہو۔ بیجی کے دل کا دل۔ اگر دل کا دل ہو سکتا ہے۔ تو تم وہ ہو۔"

"نہ تم وہ ہو۔ نہ میں وہ ہوں "

"ہم وہ ہیں۔ جو ہیں — طاہری — بیجو۔"

پھر بجلی آگئی ہیٹر روشن تھا۔ اُس نے برقی کیتلی ہن کو چڑھا دی۔ جب وہ سن سن کرنے لگی۔ تو اُس نے ایک رجز کے انداز کا گیت چھیڑا۔

میں نے کہا،

"اسے تو بینڈ۔ بگل اور نرسنگھے کے ساتھ گانا چاہیے۔"

"وجیا نگر کی فوجیں اسی گیت کو گاتی ہوئی میدانِ تالیکوٹہ میں گئی تھیں۔" وہ بولی

کمرہ خوب گرم تھا۔ ہم غالیچوں پہ پاؤں رکھے ہوئے آرام کرسیوں پر بیٹھے تھے۔ پھر میں نے اُسے کرسی سے اٹھا کر پیچھے سے کھینچی پھر کر بستر میں لٹا دیا۔ اِس وقت

اُس کی مفتون نگہ سحر افزا آنکھوں میں حظ جھلکنے لگا۔ برآمدہ کے ٹین پر بڑی زور کی بارش ہونے لگی۔ ہوا کا بے انتہا زور تھا۔ اور پوچھاڑ چوڑے برآمدہ کے باوجود کھڑکیوں تک مار کر رہی تھی۔ اس وقت جب میں نے بیجو کو خواہش سپردگی سے لاچار ہو کر اپنے میں گھستے ہوئے دیکھا۔ تو میری طبیعت بھی بُری طرح للچا اٹھی۔ غم زدگی کے آگے وقف لازم آگیا۔ ادھر میری جوانی الف ہو رہی تھی۔ اُدھر اُسے اچنگ لگ رہا تھا۔

ذہنی الجھاؤ دِل بہلاؤ سے تمام تر رفع ہو گئے۔ سردی کی وجہ سے گتھاؤ میں کیف آیا۔ وہ مجھے قائل کر رہی تھی۔ کہ میں سحر دکن ہوں۔ اور میرے سامنے بنگالہ۔ آسام اور نیپال کا جادو کچھ نہیں۔ وہ عام فرد ختنی اور رہنیرو نہیں تھی۔ اور نہ ہی دساوری مال۔ بلکہ مقوی شباب، شاہ پسند، خوشبو دار چیز۔

نصف شب سے ذرا قبل جب باغ میں رینی بُلبُل بول رہی تھی — تو بیجو نے کہا،

"طاہری —— اب ہمیں سو جانا چاہیئے۔ کیونکہ کل سفر کرنا ہے"

"کہاں کا ؟"

"میرے دل میں کلدہ۔ نینوہ۔ بابل۔ قرطاجنہ اور بازنطینہ دیکھنے کے ارمان ہیں۔ انہیں تو میں نہیں دیکھ سکتی۔ مگر بسا غنیمت اگر تم مجھے کالنجر۔ اسیر گڑھ۔ رنتھنبور۔ چندیری۔ چتوڑ۔ بیدر۔ بھرت پور۔ رہتاس۔ علی گڑھ اور پیر بندا کے تاریخی قلعے ہی دکھا دو"

"ضرور —— مگر دہلی۔ آگرہ۔ اور لاہور کے مغل حصار"

"تمدنِ حاضرہ کے قرب نے اُن سے روحِ قدامت سلب کر لی ہے۔ اس لئے میں وہاں نہیں جانا چاہتی۔ تو کل چلو گے نا —— ضرور"

"ضرور بالضرور۔ بیجی تم نے میرے دل کی بات کہی ہے"

"اب میں تمہارا سنگ کبھی نہ چھوڑوں گی۔ تو ہمیں سو جانا چاہیئے۔ کل سفر کرنا ہے"

"مگر نیند کسے آ رہی ہے۔ ؟"

"آنکھیں بند کر دوں۔ آجائے گی"

میں نے اُس کی آنکھیں بند کرنے کے لئے ہاتھ بڑھایا۔ اُس نے پہلے ہی ایسی شکل بنالی کہ جیسے کسی بلی کو پیار میں آکر جپت دکھائیں اور وہ آنکھیں میچ کر خوخو کرنے لگے۔

ڈاکٹر کی دی ہوئی نیند آور گولیاں تک بے کار ثابت ہو رہی تھیں۔ اور میں سوچ رہا تھا۔ کہ شفقت کے نہ ملنے کی پوری تلافی ہو گی۔ ہم بدستور جاگ رہے تھے۔ ہمیں سنتری کے گھنٹوں کی آواز کا علم تھا۔ پھر کل ہی کی طرح آدھی رات گئے گلیشیئر کے پہاڑوں کی طرف سے برفانی آندھی آئی۔ اور پرانے جنگل کے گیدڑ۔ بھیڑیئے۔ سنگھاڑے لکڑ بھگے۔ ریچھ لنگور اور بن بلاؤ بولنے لگے۔

اِس وقت میں بیجو کو سماوار سے سبز چینی چائے دیتے ہوئے کہہ رہا تھا:

"جہنم کو جنت بنا دینے والی لے —— اور پی"

اُس کی غیر متوقع آمد نے واقعی میرے لئے جہنم کو جنت بنا دیا تھا۔ اگر آج رات وہ میرے پاس نہ ہوتی۔ تو خبر نہیں میرا کیا حال ہوتا؟۔

آج بھی جب اکبری مسجد میں صبح کی اذان ہونے لگی۔ تو ہم جاگ رہے تھے۔ اور پھر اس زور سے بادل گرجا اور بوندیں آئیں۔ کہ مؤذن کی آواز ادھ بیچ میں سنائی دینی بند ہو گئی۔ مگر ہمیں رات گزرنے کا اُس وقت علم ہوا۔ جب صبح کے پرندے سفید ے' چیل، پڑتل، کبل، اور دیودار کے درختوں میں چہچہائے، اور نیل کنٹھ برآمدے میں آکر شور مچانے لگا گھٹائیں اب بھی چھا رہی تھیں۔ باجرہ برس رہا تھا۔ اور بیجو کے مکھڑے کی دونوں در پینیں اب بھی جگمگ جگمگ کر رہی تھیں۔

ہم دونوں گرم پانی کے نلکے تلے کھڑے ہو کر دیر تک نہاتے ہوئے ایک دوسرے کے ہونٹ اور دانت چومتے رہے۔

غسل سے تازہ دم ہو کر جب سیج پر آئے۔ تو دن کی روشنی میں کھیلنے کو دنے لپٹنے چپٹنے کو جی چاہا۔ میں نے اُس کے دونوں ہونٹوں کے علیحدہ علیحدہ بوسے لئے صاف شفاف منہ میں سے چھوٹی الائچی کی بُو آ رہی تھی۔

جبھی ناشتہ آ گیا جس میں کوکو بھی۔ موٹے کاغذ ایسی باریک اور نفیس، روغنی روٹیاں، میٹھا زردہ، مکھن اور اخبار۔

بیجو کی نیت اب میرے پاس سے کہیں جانے کی نہیں تھی۔ میں نے خود اس سے عمر بھر کا پیمانِ وفا باندھا تھا۔ اس کی روئی سی آنکھیں۔ ہنستے ہونٹ۔ دکھنی ہندوانی چہرہ، اور دیوانی محبت میرے واسطے شفقت وقفت سے کہیں زیادہ گراں مایہ تھے۔

ایک مرتبہ اُس نے مجھ سے پوچھا۔

"آپ کچھ آزردہ خاطر ہیں۔ میں اس اضمحلال سے کیا سمجھوں؟"

"کچھ بھی تو نہیں"

"نہیں —— کچھ ضرور ہے جانی"

"کیا؟"

"بتانا آپ کو چاہیئے۔ حکم مجھے ہو رہا ہے —— چہ خوب"

اب میں نے اُسے شفقت کی رو گردانی اور اپنی بے بسی اور بے حالی کا حال سنایا اُس نے پہلے تو بڑی غیر ہمدردانہ روش اختیار کی۔ مگر پھر فرطِ جوش سے بے قابو ہو کر مجھے لپٹا لیا۔ اور بڑے پیار سے میرے تصرف بیجا میں آ گئی۔ مگر جب ہم دونوں کا مکمل ادغام ہو گیا۔ تو میں پھر بھی پڑھ رہا تھا ؎

خوش است بیجو در لیفا کہ جاودانی نیست

اور وہ بار بار شفقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ کہ ایسی دکھ دھندا ڑ بگنی اور باؤ پر آئی ہوئی لڑکیوں کے ہنساوے میں نہیں آیا کرتے۔ دوپہر کے کھانے کے بعد جب گھور گھٹائیں چھنٹ گئیں۔ آسمان نتھر کر سورج نکل آیا۔ پہاڑی جنگلات دھوپ میں دہک اٹھے۔ تو میں نے کھڑکیوں پر سے ٹیپسٹری نما پردے ہٹاتے ہوئے اُس سے کہا۔

"بیجو —— آج مرد نگ پر کچھ سُننے کو جی چاہتا ہے"

"میں تمہاری بن بلائی مہمان ہوں۔ مرد نگ ہوسٹل میں رکھا ہے۔ خبر نہیں میں

خود کس طرح آئی "

پھر وہ آرام کرسی پر بیٹھے بیٹھے آہستہ آہستہ ٹامل کے گیت گاتی اور نیند کے جھوٹے کھاتی سو گئی ۔ میں کچھ دیر تک اُس کی آنکھوں کی طرف دیکھ کر اشعار پڑھتا رہا ۔ وہ ابھی خواب دخمار میں ہی تھی ۔ کہ میں نے اُسے کرسی سے اٹھا کر بستر میں آہستہ سے لٹاتے ہوئے اس کی نیند سے گراں بار آنکھیں بند کر دیں ۔ اُس نے مجھے اپنے پاس لٹا کر گلے میں باہیں ڈال کر آنکھیں بند کر لیں ۔ وہ اکیلی سونے والی کہاں تھی ۔

" میں نے کہا ۔ "

" اُن نارنجی قلعوں میں تمہارا انتظار ہو رہا ہے "

" وہ کہنے لگی "

" ذرا کو سو جائیں ـــــ تیسرے پہر چلیں گے "

پھر اُس نے پہلی بار دکھنی لہجے میں اردو شعر گانے شروع کر دیئے ۔ میں اس کے گانے گاتے سو گیا ۔ اور وہ فضا دار برآمدہ میں کھڑی ہو کر پہاڑی گاؤں دیکھنے لگی ۔

اس کے بعد جب آنکھ کھلی ۔ تو میں نے کھڑکی میں سے دیکھا ۔ کہ ایک مُوچھل آدمی جو رانا پرتاپ کی اولاد سے معلوم ہوتا تھا ۔ اُور اُس نے جودھ پوری پہنی ہوئی تھی بیجو کو زبردستی اٹھا رہا ہے سات آٹھ اور راجستھانی قسم کے لوگ اُس کی مدد کر رہے ہیں ۔ میں دروازہ کی طرف دوڑا ۔ مگر باہر سے چٹخنی لگی ہوئی تھی ۔ میں اندر شور و غل کرتا رہا ۔ پر میرے اوپر تو بیٹھے بٹھائے گویا چھت آن گری تھی ۔ ذرا دیر بعد رقیہ دوڑی ہوئی آئی ۔ اُس نے دروازہ کھولا ۔ میں باہر جانے لگا ۔ تو وہ روکنے لگی ۔ مگر میں نہ رُکا ۔

جب میں چوبی زینہ پر پہنچا ۔ تو دیکھا ۔ کہ وہی گرو وہ بیجو کو اٹھائے لئے جا رہا ہے ۔ نچلی منزل تک پہونچنے سے پہلے وہ تڑپ کر اُن کے ہاتھوں سے نیچے گر پڑی ۔ اس نے اس وقت بھی میرا ہی تہبند اور بنیان پہنا ہوا تھا ۔ اور ان پر میرا ہی الوان بھی ۔ الوان تو اس کے اوپر سے اُتر کر گر گیا تھا اور وہ تہبند اور بنیان میں

حشر برپا کر رہی تھی۔

میرا راستہ یہاں تیسری منزل پر ہی کئی شہدوں نے روک لیا۔ جن میں سے ایک کو میں سیڑھیوں پر لڑھکانے میں کامیاب ہو گیا۔ پھر اُن سات آٹھ میں سے ایک نے مجھ پر پسپتول داغنا چاہا۔ مگر رقیہ نے طاہر ذوالیمینن کی طرح اپنے دونوں ہاتھ جوڑ کر اس کی کلائی پر بڑے زور سے چھتری رسید کی۔ پسپتول زمین پر گر گیا۔ جسے رقیہ نے اٹھا کر ان ساتوں آٹھوں کی طرف کرتے ہوئے لبلبی پر انگلی رکھ دی۔

اَب ایک مجمع نے مجھ میں اور اُن لوگوں میں بیچ بچاؤ کرا دیا۔ بیجو کو وہ لے جا چکے تھے۔ مجھے کمرہ میں پہونچا دیا گیا۔ جو مجھ پر پسپتول داغنا چاہتا تھا۔ اُس کے پہونچے کی ہڈی بالکل ٹوٹ گئی تھی۔

اس کے بعد پولیس آ گئی۔ اور مجھ سے سوال ہونے لگے۔ کہ بیجاپوری میری کیا ہوتی ہے؟ قانوناً وہ میری کچھ بھی نہیں تھی۔ ادھر پولیس کا کہنا تھا۔ کہ وہ سردار زور آور خان (وہی شخص جو رانا پرتاپ کی اولاد معلوم ہوتا تھا) کی نو بیاہتا ہے۔ اُن کی شادی ابھی ہفتہ بھر ہوا بڑے بڑے معزز سرکاری اور غیر سرکاری مدعوئین کے سامنے اِسی پہاڑ پر ہوئی تھی۔ آپ نے اُسے اغوا کر لیا تھا۔ اُس کی پھوپھی نیچے موجود ہے۔ اور یہ لڑکی (رقیہ) آپ کی معاون اور شریک جرم ہو گی۔

"تم کون ہو جی؟" پولیس نے رقیہ سے سوال کیا؛

"یہ میرے حقیقی چچا اور خالہ کے لڑکے ہیں۔ اور اصل میں اُس نے انہیں اغوا کر لیا تھا۔" رقیہ چستی کے ساتھ بولی۔

پھر رقیہ نے تمام واقعات بیان کر دیئے۔

نیچے جا کر پولیس نے بیجاپوری سے استفسار کیا۔ تو رقیہ کی حرف بحرف تصدیق ہو گئی۔

اُس کے موزے، دستانے۔ ساڑھی اور جمپر ابھی تک کرسی پر رکھے ہوئے تھے۔ بلینگنی کوٹ کھونٹی پر ٹنگا ہوا تھا۔ جب وہ انہیں لے جانے لگے۔ تو مجھے ایسا

غم ہوا۔ کہ جیسے وہ دوبارہ بیجو کو ہی لے جا رہے ہوں۔ مگر جب چاند ہی نہ رہا۔ تو چاندنی کیسے رہتی۔

اب میرا ہوٹل میں ٹھہرنا مناسب نہیں تھا۔ رقیہ نے ہوٹل کے بل منگوا کر خود ادا کر دیئے۔ پھر ہیڈ خانساماں نے چھوٹا سوٹ کیس اٹھایا۔ نرس نے اٹیچی اٹھائی۔ اور ہم دونوں بھی اُن کے ساتھ نیچے اتر آئے۔ دیا کو وہیں چھوڑ دیا۔ کہ وہ باقی سامان نالیکوڑہ اٹھوا لائے۔

میں نے "جونسار اور باور ہوٹل" چھوڑ دیا۔ اور بیجو یہیں کہیں کسی کمرہ میں ایک بن مانس کے ساتھ بند تھی۔ جو اُس کے سینہ پر ریتی چلا رہا ہو گا۔ جس کے مجھ پر اتنے دعوے تھے۔ میرا اُس پر کوئی حق نہیں تھا۔ چالاک زور آور نے آج صبح ہی یہاں آ کر کمرے کرایہ پر لئے تھے۔ اور داؤں لگا رہا تھا۔ کہ موقعہ پا کر بیجو کو ستیا کی طرح اڑا لے جائے۔

ہماری منجری۔ حاسد سونا مکھی نے کی تھی۔ جسے بیجو نے کل رات آتے ہی کمرے سے نکال دیا تھا۔

باب ۱۵

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
وجے	فتح۔ جیت	رینی بلبل	رات کو گانے والی بلبل
سانٹھنا	ہم راز بنانا	غیر مترقبہ	بلا امید۔ غیر متوقع
گائیں مائیں ہونا	اِدھر اُدھر ہونا	اڑبنگا	ٹیڑھا
اُچنگ لگنا	شوق کہ کام جلد از جلد ہو۔		

باب ۱۶

تالیکوٹہ کے جس کمرہ میں رقیہ نے مجھے ٹھہرایا وہ لب جھیل کشکولی دوسری منزل پر تھا اور کھڑکیاں جنوب کی طرف جھیل پر ہی کھلتی تھیں۔ برآمدہ شمال میں تھا۔ چارسو جھیل کے ریتیلے کناروں پر اتنے گھنے دیودار کھڑے تھے کہ ساحلوں پر اندھیرا چھایا رہتا یہاں تمام دن اور چاندنی راتوں میں سیلانی اور سیاح شکارا کشتیاں چلاتے رہتے۔ مشرقی باغیچہ کی طرف جو زینہ جھیل میں اترتا ہے وہاں کٹڑے سے تالیکوٹہ کی چھوٹی ملبوٹ بندھی ہوئی تھی۔ جس میں صرف چار آدمی بیٹھ سکتے تھے۔ اسی مشرق میں باغیچہ سے آگے ہٹ کر سائیں بھولے شاہ کی خانقاہ تھی۔ جس کے گرجا نما گو تھک گنبد پر بشہرت عام "دھون سونے" کا کلس چڑھا ہوا تھا۔ یہاں ہر جمعرات کو محفل قوالی لگتی تھی۔ صبح کی اذان سے قبل سلام پڑھا جاتا تھا اور نماز کے بعد۔

مغرب میں ذرا دور سناتن دھرم مٹ تھا۔ جس میں صبح شام گھنٹے بجتے۔ کیرتن ہوتا اور دیوداسیاں بھجن گاتیں۔ میں نے کسی دیوداسی کو نہیں دیکھا مگر میرے تخیل میں ہر ایک رقیہ جیسی تھی۔ من بھاونی۔ چرن چومنی۔ اور روپ ونت۔ تیسرے چوتھے روز کوئی بڑا مہنت آتا۔ جس کے آگے آگے وہ ٹٹر بٹر لگا باجا بجتا جسے بانکیا کہتے ہیں۔

جنوب کی طرف چوگرد دیوداروں سے پرے عطر کا کارخانہ تھا۔ مچھلیوں

ھ کے ذخیرے اور مدھ مکھی بھون (شہد کی مکھیوں کے پالنے کی جگہ) اِن سے آگے کے پہاڑوں پر پانچ چھ میل تک بیلدار گلاب اور دوسرے خوشبودار جنگلی پھول کھلے ہوئے تھے۔

رقیہ بڑی خدمت گزار لڑکی تھی۔ حالانکہ میں کہیں باہر نہیں جاتا تھا مگر وہ لباس خانہ میں رکھے ہوئے میرے جوتوں کو اپنے ہاتھ سے روز چمکائے رکھتی۔ گرم پانی کا ہر وقت انتظام رہتا تھا۔ اور صابن دانی ہمیشہ نہایت صاف۔ میں صبح کو ناشتہ سے قبل غسل کرتا ہوں۔ وہ منتظر رہتی کہ جب میں نہاکر آؤں تو ہر چیز گرم ملے۔ چائے دانی کا غلاف اکثر بدلتا رہتا۔ میری خبر گیری اس طرح سے ہو رہی تھی کہ جیسے میں کوئی بڑی لمبی اور مہلک بیماری کاٹ کر اٹھا ہوں۔ اور مجھے آرام و عیادت کی سخت ضرورت ہے۔

رقیہ نے نرس اور ہیڈ خانساماں کو تنبیہہ کر دی تھی کہ ہوٹل کی ہلاچلی کا ذکر کسی سے نہ کیا جائے۔ اور اُس نے خود اُس کی طرف کبھی اشارہ تک نہ کیا مگر جو واردات سنگین اتنی جلد یکے بعد دیگرے پیش آچکی تھیں مجھ پر ان کا بڑا ناگوار اثر تھا۔ شفقت کا انکار تو میں یہ سمجھتا تھا کہ جیسے محکمہ موسمیات نے کاشتکاروں کو خبر دی کہ کل بڑے زور کا مینہ پڑے گا۔ مگر اگلے دن اطلاع آئی کہ موسمی ہواؤں کا رُخ دوسری طرف پھر گیا۔ اور بیجاپوری کی مثال یہ تھی کہ آبپاشی کا دریا ناکوں ناک بھرا چل رہا تھا کہ دشمنوں نے بند باندھ کر راستے بدل دیئے۔ یہ شعر ظفر کا نہیں ہے بلکہ رتی کے ایک اُمّی شاعر کا ہے جو کہ عذر لعد کہا گیا جو ظفر کے الفاظ میں ہو ایک بیک پلٹ گئی تھی۔ مثال از تاریخ پنجاب۔ بعد رنجیت سنگھ کی اُس کے لڑکے کے سر پر دیوار گر گئی تھی۔ اور وہ وہیں مر گیا تھا۔

میں نے عزلت گزینی اختیار کی ہوئی تھی۔ دن بے نشاط گذر رہے تھے۔ جی ہر وقت بکھرا بکھرا رہتا تھا اور طبیعت ماندی۔ نہ میٹھا میٹھا لگتا تھا نہ سلونا سلونا۔ زندگی سے کیفیت رخصت ہو گئی تھی۔ بیجو کے ساتھ صحبت برہم ہو جانے کا قلق تھا۔

خاندانی رواج کے مطابق رقیہ نہ میرے ساتھ کچھ کھاتی نہ پیتی اور نہ کبھی پاس آکر بیٹھتی۔ اس کے بھیجے ہوئے نئے رسالے۔ تازہ اخبار اور کتابیں پہونچتی رہتیں۔

مگر بجائے اُن کے دیکھنے کے میرا مشغلہ یا تو شفقت کو کوسنے گالیاں دینا تھا یا ہجر کے رنج میں گھلنا۔ اور رقیہ تالیکوٹہ کے برآمدوں چھجوں اور کنگروں پہ بیٹھ کی طرح اچھلتی کودتی پھرتی رہتی۔ اُس نے منتخب غزلیات ولی تافانی مجھ سے منگا کر پڑھنا شروع کر دیا تھا۔

ایک دن جب باغیچہ کے سیب اور نخ کے درختوں تلے پہاڑی چشمے کھیلے کودتے اور شور مچا رہے تھے۔ سورج نکلا ہوا تھا۔ جھیل میں ماہی خورک حواصل اور صحن کی خوبانیوں میں خوش نوا دھوپ چڑیاں بول رہی تھیں۔ اور میں شفقت کی تصویر دل میں لئے گنگنا رہا تھا ؎

دل لیکے میری جان وغا تم نے تو کی
تھی مجھے جستجوئے وفا تم سے جفا تم نے تو کی
غم دیا۔ رنج دیا۔ داغ دیا۔ زہر دیا
خوب بیمارِ محبت کی دوا تم نے تو کی

تو میرے کمرے میں اچانک طور پر بے شان و گماں شفقت چلی آئی۔ ملاگیری شلوار، سنگتری رنگ کوٹ مخطط قمیض اور قوس قزح چنری پہنے۔ اُسے دیکھتے ہی میں تو حق دق رہ گیا اور وہ ملتہب ہو گئی میری طبیعت نے سخت تقاضے شروع کر دیئے میں جان کی ٹکڑی شفقتی کو لمبے لمبے کش لے کر سگریٹ کی طرح پی ڈالتا۔ یا کم از کم لب گزیدہ کر دیتا۔ اگر وہ مجھ سے معانقہ کرتی تو کبھی سینہ اُس کے سینہ سے علیحدہ نہ کر سکتا۔ اور مصافحہ کرتی تو ہاتھ اپنے ہاتھ سے نہ چھوڑتا کہ رقیہ پیچھے سے آکر بولی۔

"اوہو آپ بھی یہیں بیٹھے ہیں"

حالانکہ وہ جانتی تھی کہ میں یہاں نہ ہوتا تو کہاں ہوتا۔

اس کے بعد وہ شفقت سے کہنے لگی:

"جھیل کشکولی کو یہاں سے دیکھیے گا۔ بالکل کشکول کی شکل ہے پرلے پہاڑوں سے ہوا کے ساتھ ساتھ بھیگی بھیگی خوشبو بھی آ رہی ہے۔ بس تمہیں اسی لئے یہاں لائی ہوں"

رقیہ نے اُسے میرے سامنے والا صوفہ پیش کیا مگر وہ اپنی برساتی کھونٹی پر رکھتے ہی

بے تکلفی سے مخمل چڑھی منڈھیا پر بیٹھ گئی۔

رقیہ نے پوچھا

رقیہ : "ہمارے مہمان صاحب کو تو آپ جانتی ہوں گی ..."

شفقت : "جی نہیں[۱]"

رقیہ : "اللہ رے لاعلمی اور لاتعلقی سے

بظاہر نہ جانے نہ جانے

تجھے داغؔ دل جانتا ہے کسی کا

شفقت : کیوں! اور یہ شعر تم نے کیوں پڑھا؟

رقیہ : شعر تو میں نے یونہی پڑھ دیا۔ یاد آ رہا تھا۔ مگر اصل میں میرا مطلب تھا کہ افسوس ہمارے عزیز مہمان کو آپ بالکل بھی نہیں جانتیں۔

شفقت : تم نے کبھی اپنے اِن لواحق کا نام بھی تو بتایا ہوتا۔

رقیہ : خیر: ان کا نام طاہر محمود ہے میرا تو خیال تھا کہ شاید آپ کو اِن سے تقرب حاصل رہا ہو۔

شفقت : نہیں تو۔

رقیہ : کوئی کسی قسم کا ربط و تعلق یا نسبتِ قریب و بعید۔

شفقت : کوئی نہیں۔ کبھی نہیں۔ کچھ نہیں۔

رقیہ : کوئی ہوگا۔ کبھی ہوگا۔ کچھ ہوگا۔ تو اُس سے تم خلاص ہو چکیں۔

اُس نے بجائے رقیہ کو جواب دینے کے میری طرف بطرز استکراہ تیکھی چتونوں سے اِس طرح دیکھتے ہوئے کہ جیسے کسی اور طرف دیکھ رہی ہو کہا:

---

[۱] : اس جی نہیں پر میرے دل میں آیا کہ کیا ٹماٹر کی طرح منہ لال بنائے پھرتی ہے۔ منڈھیا سے اٹھا کر اتنا پھڑاؤں کہ گھنٹوں گال رولتی پھرے۔ اور پوچھوں کہ مسیلمہ کذاب کی بیٹی اس جی نہیں کا کیا مطلب؟

شفقت : اور سرکار اس ناچیز کو مس جاودانی کہتے ہیں۔

"اچھا اب اجازت"

رقیہ : کیوں کیا آج بھی والد صاحب کو کلب سے دیر ہو رہی ہے۔ یا جبار صاحب کو خط لکھتے ہیں۔

شفقت : جو دور ہوتے ہیں انہیں خط لکھنے پڑتے ہیں۔ پر جنہیں کوئی آنکھوں سے لگائے پھرے انہیں پاتی لکھنے کی کیا حاجت۔ تم چاہے ان کے تلوے چاٹو یا سہلاؤ تمہیں اختیار ہے۔ میں جاتی ہوں۔

رقیہ : آنکھوں سے لگائے پھرے۔ پاتی۔ چاٹنا اور سہلانا۔ دیکھئے ایسی گفتگو نہ کیجئے

شفقت : کیوں؟

رقیہ : کوئی ادر کی سی منہ میں رکھ لے گا۔ ورنہ کم از کم عاشق تو ہو ہی جائے گا۔

شفقت : عاشق تو جو ہیں سو ہیں۔ من بھو کی حریص دِل مسوس گِلو ہے اتنا ضبط بھی نہ ہو سکا۔ کہ ہم اتنی دور سے چل کر آئے تھے۔ دو بات تو ملاقاتی کمرے میں بیٹھ کر لیتی۔ گوپی نے گھنیش جی کے چرنوں ہی میں آکر دم لیا۔

رقیہ : اچھا تو لام بندی ہو گئی۔ تم میری ٹانگ لیتی ہو تو میں بھی تیار ہوں۔ باخبر ہوشیار۔ اب تمہاری لٹ دبنے کو ہے۔ اس پہاڑ پر تم نے دلائے لامہ پنچن لامہ کی اچھی بھگتی کی۔ نہیں یوں لپیٹ سپیٹ کر نہیں بلکہ کھول کر یوں کہنا چاہیئے "شفقت تمہاری طرفگی اور جگمگی دیکھ کر تو ہمارے تو تو یہ مہمان کا جیارا نکلا جائے۔ کیسے دم بخود ہو گئے۔ بلکہ تمہیں دیکھ کر لوٹ ہی تو ہو گئے۔ بتاؤ تو اُن کے جھجک رہنے کی کیا وجہ ہے؟"

یہاں وہ لفظ شفقت کھا گئی اور میں نے اُسے گالی دیتے ہوئے دل ہی دل میں کہا۔ ——— یہ تو تو نے اچھا کیا کہ لفظ شفقت حذف کر گئی۔ شفقت تجھے کون کہے گا۔ شفقت کے معنی تو محبت اور مہربانی کے ہیں تیرا نام کلفت ہونا چاہیئے تھا کلفت جاودانی یعنی کلفتِ مدام۔ اگر اس وقت رقیہ نہ ہوتی تو ابھی خلوت کر کے وہ گستاخیاں کرتا کہ یہاں سے سخت شرمسار جاتی۔ اس آئینے سے جسم سے کیا دنیا لبھاتی پھرتی ہے اس کی کرچیں کرچیں بھی تو کر ڈالی جاتیں۔ زہر کوہستان کہیں کی۔

شفقت : دم بخود اس لئے ہو گئے کہ آنا چاہیئے تھا ملکہ کو جلالت الملک طغرل سلطان کے پاس تنہا سنگ چلی آئی ہیں۔ یار دوست کے پاس اکیلا جانا اچھا۔ مولی تڑالے ہیں اچھی بیٹھتی ہے۔ دو ملے تو دل ملا۔ تین ملے تو فتور آیا۔ دو جنوں میں تیسرا جنا حرام کا جنا۔ تم تعلق دار اور ذی حق ہو میں غیر متعلق اس لئے جاؤں۔ خوب گھلو ملو نہیں اچھی طرح سے قافیہ ملاؤ اور پھول پھول کر بیٹھو۔ میں زیادہ مخل نہیں رہنا چاہتی۔ رب کرے اِن کا آسن کبھی نہ اکھڑے۔ اور یہ تمہیں ہر وقت گربتے رہیں۔ رخصت۔ میں پھر کبھی آؤں گی۔

رقیہ : تم تو پہلے ہی راندی گئیں۔ اس لئے اب یہاں کب بیٹھو گی۔

شفقت : جب چاہت بھریاں کسی سے مشرف ہونا چاہا کرتی ہیں تو پہاڑ راہ پیدا کر دیا کرتے ہیں۔

رقیہ : اور بے مراد بولا کر رہ جایا کرتے ہیں۔ اوہ شومیٔ قسمت۔ ناشکری۔ کیا تجھے کچھ نہیں ملا۔ مجھے معلوم ہے جواب دو گی۔ کچھ نہیں۔ پر اب پچھتائے کیا ہوت۔ تم نے بڑی چوک دکھائی ٹینینٹ دکھانے کی جگہ تُرت درشنی ہنڈی بن جانا تھا اس طرح بے ثمر نہ رہتیں۔ سیاپا کرو۔ کھڑے پڑے بیٹھو۔ رانوں پر ہاتھ دے دے مارو عرضیاں گزرانو۔ شاید انہیں رحم آ جائے۔ کبھی تو پڑتی کی زمین کے بھی بھاگ جاگ جاتے ہیں۔ اور تم تو بھلا پہلے ہی سے چلتی ہوئی ہو۔

شفقت : مدرے قدوالی۔ بد اندیش۔ اپنا راس اپنے ہی تک محدود رکھا۔

رقیہ : گرہ جے ہوئے موتی! تو نے تو اپنا کام پہاڑ پر پہنچتے ہی بنا لیا تھا۔ اب نہیں بنے گا۔ چاہے جتنا چھاتی پیٹتی پھر اور چاہے جتنا جی جلا اور جھلا۔ چاہے جتنا پھنپھنا۔ پہلے جتنی مرتبہ ٹانکے کھل چکے تو کھل چکے۔ اب فطرت لڑایا جو دل میں آئے لڑا ٹپس نہیں لگنے گی۔ جتنے دنوں ان کے پہلے پر بیٹھ چکی بیٹھ چکی۔ چاند گہن سے چھوٹا۔ اب اُسے ہالا تک درکار نہیں۔ وہ مجھ پر کتنا طرا جمایا تھا کس قدر اصطفاد دکھائی تھی۔ کوئی قسم کا ربط و تعلق۔ بنسبتِ قریب و بعید؟

کوئی نہیں۔ کبھی نہیں۔ کچھ نہیں ——— جبکہ انہیں پہلے سے گانٹھا ہوا تھا۔ اسے کاش میں پہاڑ پر نہ آتی اور تمہارا نظام عمل مسترد نہ ہوتا۔ اب کسی اور سے ڈ دبے بھرواتی پھرو۔

شفقت چلنے کو اٹھنے لگی۔ تو رقیہ نے پھر کہا۔

رقیہ : اچھا تو تر مچی اُڑ چلی۔ اتنی جلد ٹانڈ الدنے لگا۔ معاف کرنا میں نے جو کچھ کہا بے خیالی میں کہا۔

شفقت : تمہاری خوش خلقی اور نیک کرداری کا بہت سا شکریہ!

رقیہ : تر مچی کے نام پر غصہ آ گیا۔ بھبو کے اٹھنے لگے۔ اچھا نامرادوں کی مراد تشریف رکھئے۔

شفقت : چیونٹی کی شہہ پر لال لڑتے سنا تھا مگر یہاں معاملہ برعکس ہے۔ مہا گورو جی مون برت رکھے بیٹھے ہیں۔ چیلی چانٹی چرُغ رہی ہے۔ سچ ہے جب چٹاخ چڑیا چہچہائے تو بیرا من کیوں بولے۔ کھونٹے کے بل اسی طرح اکڑا کرتے ہیں۔ خوب ٹرّا اپنا دکھاؤ۔ گرو دیو بھی خوش ہو رہے ہوں گے۔

رقیہ : بھئی واہ۔ تم نے ہمارے گراں مایہ عزیز کو خوب محظوظ فرمایا۔

شفقت : وہ کیسے ؟

رقیہ : کیسے کیا۔ آپ نے یہاں اُن کے کمرے میں پدھار کر چلبلا دکھایا۔ چشم سحر کار کے لطیف اشاروں سے نوید جنون دی۔ اور اپنی پُر کشش اور تیکھی چہل بازیوں سے انہیں تار بتار اور پراگندہ کر ڈالا۔

شفقت : تر بتر کر ڈالا!

رقیہ : تازہ ولایت ہو اس لئے زبان بھی نہیں سمجھتیں۔ یا کان میں زیادہ میل جم گیا۔ تر بتر یا گیلا و بلا تو کسی اور مقام پر کرتی ہوں گی۔ یہاں تو تار بتار اور پراگندہ کر ڈالا ہے۔

شفقت : تار بتار اور پراگندہ تو دھرماتما جی کوئی نہیں البتہ اپنا چہرہ چھکے چھوڑے ہوئے

دیسی سنگترے الیسا ضرور پھلائے بیٹھے ہیں۔ کوئی ٹھٹیرا دیکھے تو کہے گھٹیا المونیم کا پیندا دب کر مڑ گیا ہے۔ سیدھا نہ ہو سکے گا۔

رقیہ :۔ اوہو تماشہ خانم! کیسی گوبھی کے پھول کی طرح بکھی جا رہی ہو۔

شفقت :۔ لغت تراش کو مثال دینی نہ آئی۔

رقیہ :۔ مجھے چول سے چول ملانا نہیں آتا۔ اس کی مہارت تمہیں خوب ہو گی۔

شفقت :۔ اور تمہیں چولیں کسوانا آتا ہو گا مگر تم تو جگت گرو جی کے ساتھ میں رہ کر اور کچیائی نکلوا کر بڑی لفاظ لسان گذندہ اور مہا چھاکٹی بن گئی ہو۔ مجھ سے تمہارا مقابلہ نہ ہو گا۔ پر ذرا ہوشیار رہنا۔ کہیں وقت سے پہلے ہی تمہارے پرخچے نہ اُڑا دیئے جائیں کیونکہ ابھی بچہ ہو۔ ٹیان سی جان۔ اور سیشن کیس اوکیلتے وقت وہ بُری بنائیں گے کہ پھٹکا نہ کھاؤ گی۔ مگر اگر جانبر ہو گئیں تو رانوں کو بابوؤں نے ٹکور کرانی پھر دگی اور تب بھی آرام نہیں آئے گا۔ خبر نہیں جان کہاں کہاں سے کسکیگی اور کیا کیا چیز مرکیگی چیسیوں سے حال بے حال ہو گا۔
اوہ نورہ پیٹی یں تو تجھے حمائل شریف سمجھا کرتی تھی پر تُو تو کوک شاستر ہے کیسے پیٹ سے پاؤں نکال لئے۔ بلا ندبھر کی لونڈیا گز بھر کی زبان۔ ظاہر رحمان کا باطن شیطان کا۔

رقیہ :۔ پاک رہ بے باک رہ۔

شفقت :۔ کہیں تمہاری نلے رانی نہ کُھل جائے۔ ایک منتر بتائے جاتی ہوں۔ اُسے جپتے رہنا ہر بلا سے محفوظ رہو گی۔ اٹھتے بیٹھتے پڑھتی رہا کرو۔

نربل کا بل بھگوان —— نربل کا بل بھگوان

رقیہ :۔ سیس اور سکشا دیئے والی گنونت! پہلے یہ بتاتی جاؤ کہ نسخہ آزمودہ ہے یا نہیں۔ کیونکہ طیور کی زبانی مجھ تک یہ خبر اُڑ کر آ چکی ہے کہ آپ باریاب شدہ ہیں۔ یعنی تمہارا لفافہ کُھل چکا ہے اور تم جھڑ پک چکیں۔ اور میں نے یہ بھی سنا

ہے کہ تم عرصہ سے یہ دعا مانگتی پھرتی تھیں کہ "الٰہی غنچۂ امید بکشا"۔ تمہاری یہ دعا حق سبحانہ تعالےٰ نے قبول کر لی اور تمہیں ان کی ٹاپ سہنا نصیب ہوا۔

شفقت :۔ کھُل مندنی۔ جیسے تجھے ان سے کبھی پالا نہیں پڑا۔ سچ سچ بول کیا تو خرچی نہیں گئی! کیا تیرے ابھی تک بڈھا نہیں لگا؟۔

رقیہ :۔ نہیں

شفقت :۔ یہ تو بڑی اچرج کی بات ہے کہ تیرے ساتھ گاڑھا ہتھیائی پر نہیں آیا۔ اور اسے مہمان نوازی نہیں کہتے کہ دانہ نہ گھاس گھوڑا ہیں ہیں کرے۔ سراپا سراپے سے نہ ملا ہو۔ آٹھ پہر سولی نہ رہی ہو۔ ڈانڈا تو ڈانڈے سے مل گیا ہوگا۔ آپس میں مربوط تو رہے ہوگے نہ یہی اشتغال بہم۔ یا یہ بھی نہیں؟۔

رقیہ :۔ نہیں

شفقت :۔ یعنی تو اچھوتی ہے؟۔

رقیہ :۔ ہاں

شفقت :۔ تو نے ان کے بلّم نہیں کھائے؟۔

رقیہ :۔ نہیں۔

شفقت :۔ کبھی کبھار بھی لذّت سے سرشار نہیں ہوئی؟۔

رقیہ :۔ نہیں۔

شفقت :۔ تجھے ایک مرتبہ بھی مالا مال نہیں کیا؟۔

رقیہ :۔ نہیں۔

شفقت :۔ طبل پر ایک بھی چوٹ نہیں پڑی؟۔

رقیہ :۔ نہیں۔

شفقت :۔ مکے میں رہتے ہوئے حج نہیں کیا؟ کون مان سکتا ہے؟

رقیہ :۔ اس سال اور حجنیں بہت آگئی تھیں۔ میں تو مکّہ والی ہوں جب چاہوں حج کر لوں۔ اس لئے پہلے انہیں حج کرنے دیا۔ اور تمہارے تو یوں ہی چھینٹے

لگے جا رہے ہیں. جبکہ تمہیں پہلے ہی فضیلت کا تمغہ مل چکا تھا.

شفقت :. فضیلت کا تمغہ تو اُنہیں ملا ہے اور بار یاب تو وہ ہو رہی ہے جس پر لیوڑ کے لیوڑ چڑھے جا رہے ہیں چہرہ سے خون ٹپکا پڑتا ہے چکنا اور فربہ ہونے کے ساتھ ساتھ انار دانہ بنی ہوئی ہو۔ واہ رے دبنگی ورنہ جب پہاڑ پر تشریف لائی تھیں تو کانٹوں کا ٹوکرا آیا تھا. رنگ میں چھلکا اُتری اور دھوئی ہوئی ماش کی دال ایسی تھیں. اور بی لجالو کا جسم کن سلائی ایسا تھا. سوکھی سوکھی سہمی سہمی تھیں تانتڑی سی. اور تمہارا دُبلا پا دیکھ کر دل کانپتا تھا۔ باہیں ایسی ماڑی ماڑی تھیں کہ کوئی ایک ہاتھ میں لے کر مروڑی دے دیتا۔ پر اب تو کلّے پر کلّہ چڑھا جا رہا ہے. شکل نکلی آ رہی ہے. تم پر انہوں نے خوب دستِ شفا پھیرا.

رقیہ :. مجھ پر دستِ شفا پھیرا تو تم پر دستِ جفا و کفا.

شفقت :. ٹیک نولیس نے میرے خلاف کتنا لام باندھا۔ اف کتنی شورہ پشت اور دُو فنون بن گئی۔ تجھے کیسا پنج پھیلانا آ گیا۔ یہ رواں بدلنا کوئی خالی از علت تھوڑا ہی ہے النگ پر آئی ہوئی ہو. تمہاری نہالے میں کیسا آبِ زلال پڑا ہے کہ کچھ ہی دن میں پھبک گئیں.

رقیہ :. اب اگر تیری آب بگڑ چکی اور تیل نکل چکا تو میں کیا کروں۔ یہ چہرہ کا کساد کچھ اور ہی کہتا ہے.

شفقت :. اور تیری گرہ سی کھل چکی.

رقیہ :. تیرا ڈوڈا ترق چکا. تو نے گُل کھائے ہیں تیرا غنچہ چٹخ چکا.

شفقت :. دھوئے دیدے کچھ تو شرم کر.

رقیہ :. شرم تو کسی کی پردہ دریدگی کے ساتھ ہی ٹوٹ چکی تھی. یعنی جس دن چاند کے ٹکڑے ہوئے تھے. اور کیری سے بجلی نکال کر اچھوُر بنا دیا گیا تھا. خوب کُدائی گئی ہوں گی.

شفقت :. تمہاری بہار باغ تو اِن کے نام کب سے الاٹ چلی آتی ہے.

رقیہ :۔ الاٹ تو ضرور چلی آتی ہے پر ابھی قبضہ نہیں ملا۔ تمہاری بہار باغ گو ابھی تک الاٹ تو نہیں ہوئی مگر کمال ہوشیاری اور چابکدستی سے انہوں نے اُس پر قبضہ جما لیا ہے کیونکہ قبضہ مل گیا تو الاٹمنٹ آسان ہو گی۔ جبھی تو کچے پکے آم چوس چوس کر گٹھلیاں بے شعوری سے اِدھر اُدھر پھینکتے بکھیرتے پھرتے ہیں۔

شفقت :۔ تمہیں دیکھ کر تو مجھے وہ چھوٹا سا درخت یاد آجاتا ہے کہ جس پر کرگس نے بیٹھتے ہی تنا ہلا کر رکھ دیا۔

رقیہ :۔ اور تمہیں دیکھ کر مجھے وہ چڑیا یاد آجاتی ہے۔ جسے جھانپو اور دھوبن کہتے ہیں اور جو دُم بدم دُم اٹھاتی اور گراتی رہتی ہے۔

شفقت :۔ اچھا پلُح بہادر۔ خدا حافظ

رقیہ :۔ "نہ جا نہ جا ابھی اے شہسوارِ حُسن نہ جا۔ سمندِ ناز کی ہم بھی تو شوخیاں دیکھیں۔ پدھارئے پدھارئے جانے کا نام نہ لینا خون ہو جائے گا۔ ابھی دل تو ہمارا بھرا ہی نہیں۔"

شفقت :۔ دِل تو تمہارا یہ بھریں گے اور تم اِن کا بھرو گی۔

رقیہ :۔ میں تو ان کا دل ہمیشہ ہی بھرتی رہتی ہوں۔ میرے تو یہ مہمان ٹھہرے گو باقی ساتی ہیں مگر آج کے دن اور کل کی رات تم اِن کے ساتھ۔

آؤ۔ بیٹھو۔ کھیلو۔ کودو۔ لوٹو۔ بولو۔ سو رہو۔

شفقت :۔ آج کا دن اور کل کی رات بھی اُسی پری کے ساتھ بسر ہونی چاہیئے جس نے اُنہیں بدرِ مُنیر کی طرح قید کر رکھا ہے وہ سرپرستی اور حفاظت ہو رہی ہے کہ جب سے یہاں آ کر اترے دو قدم بھی کہیں نہیں جا سکے۔ سات پردوں میں بٹھا کر مست بہار تُتیاں پلائی جا رہی ہیں اور کو کنی کیلوں سے تواضع ہوتی رہتی ہے۔ انڈے کے شہزادہ کو نظر گذر کا ٹیکہ لگا کر تو کبھی کبھار چھوڑ دیا کرو کہ غریب پہاڑی ہوا کھا آیا کرے۔ کسی کو یوں ٹانگ سے ٹانگ باندھ کر نہیں بٹھایا کرتے۔

رقیہ :۔ اُس کے لئے چھوڑ دیا کروں کہ جس کی پاکدامنی کے چرچے آسمانوں تک میں

ہیں جوان کا نام تک نہیں جانتی۔ اور جسے اُن کے ہاتھوں سڑک کے موڑوں تک پر علانیہ پٹنے پچھڑے تک میں عار نہیں۔ قنات ہی کھینچوا لی ہوتی بظاہر ان سے بدکتی پھرتی ہے۔ جیسے بڑی کھوردلانی اور ٹشتک مارنی ہے مگر ویسے نہانا تک نہیں پڑتا۔ اور نہ بانٹ سامنے رکھواتی ہے۔ واہ رے تیرا اصیل پنا۔ مانتے ہیں تیرا دجل وخلل وبطلان۔ اللہ رے لاتعلقی۔ اوپر سے سوکھی ہو تو اندر سے چویل۔ یوں پلے جھاڑ کر کھڑے نہیں ہوا کرتے۔ سنہرے جلوے کی نہ سہی تو ویسی تم ضرور ان کی کچھ نہ کچھ ہو۔

شفقت :- کیا؟

رقیہ :- ٹیبہ۔ ذرا اپنا ہبلا تھام کر رکھیے۔ اور میں تو انہیں اس لئے نہیں چھوڑتی کہ کئی مہینے سے راہزنیاں کرتے پھر رہے تھے۔

میرے عزیز بڑے تیس مار خاں تہمتن ہیں رستم وسہراب واسفندیار سے بھی زیادہ ابھی کچھ عرصہ ہوا انہوں نے موڑ پر ایک کاروانِ حسن اس صفائی سے لوٹا کہ راستے بند ہو گئے۔ دریں حالانکہ بنیڈ چوک میں گھاگرا پلٹن کے اس کاٹستانی تغموں نے انبوہ کثیر جمع کر رکھا تھا۔

ایسے موقعوں پر راہزنوں کی عادت ہوتی ہے کہ کپڑے تک اتروا لیتے ہیں۔ اور لبیری تک بدن پر نہیں چھوڑتے۔ مگر انہوں نے اوپر اوپر سے ہی لوٹا۔ کپڑے نہیں اتروائے اگر یہ چاہتے تو شکار چاہے جتنا لوٹتا پوٹتا کپڑے اتروا لیتے۔ مگر انہوں نے ایسا نہیں کیا۔ صرف گھنگول کر چھوڑ دیا۔

اور دیکھئے آپ جانتی ہیں کہ بُرے کام کا نتیجہ بُرا ہوتا ہے۔ نیز اتنی جہد سے آدمی کا تھک جانا بھی ہوا۔ اور یہ لش پش ہو گئے یعنی تھک کر چور رہو۔ اس لئے میں نے چاہا کہ انہیں کچھ دنوں آرام مل جائے گا۔

شفقت :- میں تو سمجھتی تھی کہ تم دونوں طالب ومطلوب چڑا چڑی کا کھیل کھیلتے رہتے ہو گے۔ اور تمہارے کوک چڑھنی اترتی رہتی ہو گی۔ مگر تم تو انہیں گھر بٹھا کر راتوں

کو نقب زنی کرا رہی ہو۔

رقیہ :۔ تمہاری سمجھ تو ایسی ہی ہوتی ہے۔ بھلا تم نہیں جانتیں کہ جس نے دن دھاڑے شاہراہیں لوٹی ہوں وہ نقب زنی کا گھٹا گھٹا اور گھٹیا پیشہ اختیار نہیں کر سکتا۔ ہوا کا تھپیڑ و پنجرہ نہیں سہار سکتا۔

شفقت :۔ تو میرا خیال غلط نکلا اور تم انہیں مشق نقب زنی نہیں کرا رہیں۔ بلکہ آرام دے رہی ہو۔ یا بندہ خدا کو اعتکاف میں بٹھا رکھا ہو گا۔ مگر خالی آرام اور اعتکاف سے کچھ نہیں بنے گا۔ ان کی جی بھر کے ٹہل کرو۔ اور خرید میں لا کر موٹا تازہ اور رواج دار کر لو۔ ہاتھ پھیرنا اور کھریرا کرنا بھی فربہی کے لئے مفید ہے۔ کچھ دنوں میں تمہیں ان سے سابقہ پڑے گا۔ سب کھلائی پلائی مل جائے گی۔

رقیہ :۔ جو ایک دفعہ ٹوٹ گیا اُس کا پنپنا مشکل۔ انہیں تو خبر نہیں کون ہاتھ کر کے لے گئی تمام حیاتیں نچوڑ کر خالی پھوک اور پھوٹک چھوڑ دیا۔

شفقت :۔ تو تمہارے ہی حق میں تو اچھا ہوا۔ بوجھل نہیں رہے۔ اب بے ثقل روح القدس کو چڑھی چڑھا کر بازار بازار سیر کراتی پھرا کرو۔

رقیہ :۔ انہیں بازار بازار کی سیر کا شوق نہیں۔ یہ تو رقص اور اسکیٹنگ کے دلدادہ ہیں۔ افسوس اب اُس سے بھی گئے۔ جس نے انہیں جھرکٹ بنا کر چھوڑ دیا۔ اُس کی جوانی کو دعا دیتی ہوں۔

شفقت :۔ میری جوانی کو ؟ کیوں ؟

رقیہ :۔ تمہاری جوانی کو تو میں نے نہیں کہا۔ کچھ ہو گا تو اوپر لے لیا۔

شفقت :۔ ہونا کیا۔ کیوں ناؤ میں خاک ڈال رہی ہے۔

رقیہ :۔ آڑا ترچھا ہونا ہو تو ان سے ہو جیئے جن کے دخل نام بس رہی ہو۔ میں نے تو صرف اتنا کہا ہے اگر کچھ ہو گا۔ تم پھر اوپر لینے لگیں۔ یہ کیا عادت ؟۔

شفقت :۔ تو تم کہتی کیوں ہو۔

رقیہ :۔ اب میں برملا کہتی ہوں کہ ضرور کچھ ہو گا۔ تم پوٹی جا چکیں۔ تمہیں بھتیری مار پڑی

ہے یہ تم پر قابض و متصرف و دخیل رہ چکے ہیں۔ اور تم نے بھی ان سے کیا کہیے کیسی کیسی گڑیاں اٹھائیاں ہیں اور سننا چاہتی ہو تو اپنے پوست کنندہ حالات ادرسن لو۔ تم پر معمولی کُھر چا کُھرچی کرنے والا ہل نہیں بلکہ بڑے بڑے دندانوں والا ٹریکٹر چلا ہے۔

شفقت :۔ سنائے جاؤ۔ تمہارے سنانے سے کیا ہوتا ہے

رقیبہ :۔ تمہاری کنی دبتی ہے۔ تمہارا بھڑمبا کھلتا ہے

شفقت :۔ میری توبہ ہے الٰہی میں کیسے مجھیلے میں پھنس گئی۔

رقیبہ :۔ اب نہیں۔ خبر نہیں کب سے پھنسی ہوں گی۔

شفقت :۔ رقیبہ شیطان میرے کان اور نہ جھنّا۔ آسمان پھٹ پڑے گا۔ اب جانے دے۔

رقیبہ :۔ الفیاحِ خاطر کو دُور کرنے کے لئے رو ڈالو۔ اور جانے کون دیتا ہے بس ایک دفعہ پھنس جائے راضی ہی بنا دیتے ہیں۔ اور شیطان وہ جو شیطانی کرے۔

شفقت :۔ میں

رقیبہ :۔ نہیں کوئی اور

شفقت :۔ نہیں میں ہی۔ میں شیطان ہوں۔ مجھ سے باتیں نہیں کی جا رہیں۔ مجھے ہلکارا جا رہا ہے۔ میرا منہ کسی بہت ہی ان گھڑ جھانوے سے رگڑا جا رہا ہے اور میرے سر میں پچپڑ ٹھوکی جا رہی ہے سجھے سالا جا رہا ہے آتنا اتہام اور شقاوت میں نے جو تمہارے پاس آنے کا قصور کیا تھا اس کی کافی سزا مل چکی۔ اس نامطبوع گفتگو سے تو بہتر ہے کہ لاحول پڑھو تاکہ میں دفع دفان ہو سکوں۔ جتنا کھارنا ہو پھر کھار لینا۔ میری گرد اچھی طرح اُڑ چکی۔

رقیبہ :۔ سبکیاں کیوں لینے لگیں اور میرے سامنے کیوں گھگیانی ہو ان کا دامن پکڑ کر پہلے سر اور منہ لجاؤ اور پھر رقت آمیز لہجہ میں ناصیہ سائی کرتے ہوئے مناجات گاؤ ے بادشاہا جرم ما را۔ درگزار۔ شائد جوارِ رحمت میں جگہ مل جائے۔ جن کی تو نے تھا سہاری ہے انہیں سے کشائش کرا۔ یہی تجھے پار لگائیں گے۔ کا ڈکاڈ سے

یوں ہی خلاصی پاؤ گی۔ احیاء یوں ہی نصیب ہوگا۔ بہتر ہوتا جو پہلے اپنا حلالہ کرا کر آتیں۔ محلل بہت مل جاتے۔ مگر تم ایسی پامال کنندہ عالم لڑکی کو گانٹھ میں باندھ کر پھر کون کھوتا۔ خیر اس کے بھی جتن ہو ہی جاتے۔ مگر تم کہتی ہوں کہ اپنی کشایش اور جاں بخشی اِن ہی سے کرا۔

شفقت :۔ گلو خلاصی۔

رقیہ :۔ جو چاہے سمجھ لو۔

شفقت :۔ تمہیں یہ حلال کر کے رکھ دیں گے۔

رقیہ :۔ اور تم زہرِ ٹنسک کھا کر مر جانا مگر تم تو اپنا جھٹکا کرا چکیں۔

شفقت :۔ پینا پینا اور تیز چاقو کھلا ہوا موجود ہے ابھی اٹھا کر اپنے اندر بھونک لو۔

رقیہ :۔ پینا پینا اور تیز۔ تو اُس وقت تھا جب تم اِسے ہُنج سے اپنے اندر بھونکتی تھیں۔ اب یہ کس کرم کا رہ گیا ہے احتیاطی اور کثرتِ استعمال سے تو ذوالفقار تک کی دھار گر جاتی ہے۔ اب تو یہ اتنا کُند ہو گیا کہ پھل اور دستے میں فرق باقی نہیں۔

شفقت :۔ (خلوئے ذہن کے ساتھ) کیوں

رقیہ :۔ کہا نہیں کہ بے احتیاطی اور کثرتِ استعمال کے سبب باڑ گر گئی۔

شفقت :۔ بے احتیاجی!

رقیہ :۔ اگر تم بے احتیاج ہوتیں تو اتنا کثرت استعمال نہ ہوتا۔

شفقت :۔ (پھر مکمل خلوئے ذہن کے ساتھ)۔ گنوار دستہ کو بینٹا کہتے ہیں۔ احتیجا است! احتیجا است! احتجاج!

رقیہ :۔ ذرا چلا کر احتجاج کرو تاکہ آسمان مدد کو جھک آئے۔

شفقت :۔ چل ٹوری زیادہ زمین آسمان کے قلابے نہ ملا۔ دیکھو تو کیسی ڈھڈو کی طرح بول رہی ہے۔ ساپن۔ اس کڑکھائی زبان کی اک ڈھمک بند کر زیادہ مت ڈنکار۔ یہ آواز دلی خنگہ کو ہی اچھی لگتی ہوگی۔ اور مجھے کیوں گھور رہی ہے۔

رقیہ :۔ گودتا تو تجھے اور ہوگا۔

شفقت :۔ پانڈ کہیں کی۔

رقیہ :۔ چل ٹرحل۔ لب چنخنی۔ سٹلو۔ لبڑ خندی۔ خوش غلاف۔ چڈو۔ اب بھی ذرا پینتیرے بدل اور چندرا کر دکھانا۔ کھابڑی آج وہ تیرے ٹماخ ٹھسے کیا ہوئے۔ ورق بکھری اب وہ تنبرا کراراپن کہاں گیا۔ لعنت جھاڑنی! اڑاتی کیوں نہیں؟ شہدی اور بے ہودی۔ دغیلی۔ حرآفہ۔ پھر چھکار۔

متکبر شفقت چندرا کر تو کیا دکھاتی اور اُس میں کراراپن کہاں ہوتا اور وہ تور دالنی آرہی تھی۔ اُس کے بھبنگے اڑ رہے تھے۔ اُس کے دونوں لبوں پر اِس وقت خشکی دوڑی ہوئی تھی۔ اور اُس کا چہرہ اُس بھگوڑے اور شرم آلودہ لکہ ابرداں ایسا تھا کہ جس کو آتا دیکھ کر مسخرے دیہاتی تو شور مچائیں کہ برسے گا برسائے گا کوٹھی دھان بھرائے گا۔ مگر وہ کیونکہ خالی خولی ہو۔ اِس لئے بجائے بوندوں کے سُوکھے کھیتوں پر کہ بیز میں آئے ہوئے کوے کے چھریدرے پروں ایسا سایہ ڈالتا ہوا فرار ہو جائے۔

وہ اُٹھ کر ایسی بھاگی کہ جیسے کوہ سری کی اُترائی سے بلا بریک کا موٹر ٹھیلہ چلا آرہا ہو۔ بھاگتے ہوئے اُس نے گردن نیچے جھکائی ہوئی تھی۔ اُس کا آگے کا قدم پیچھے پڑ رہا تھا۔

رقیہ اُس کے پیچھے بھاگی اور چھتے کی طرح برآمدے میں کھینچ کر لاتے ہوئے ٹنچارا:۔

رقیہ :۔ جو غرفہ کی بات سُن کر بھاگے گا اُسے روک لیا جائے گا۔ بکڑا کر کیوں چلنے لگیں تمہاری تو مٹک چال مشہور ہے۔ لپ لپ نہ کرنا۔ تمہیں ڈر کس کا۔ اور اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر ایمان سے قسم کھاؤ کہ تم اُن بندھا موتی ہو۔

شفقت :۔ میں اُن ٹُلے بوجھ تلے کھڑے ہونے کو تیار ہوں یعنی جھوٹ بولوں تو بوجھ مجھ پر گر جائے۔

رقیہ :۔ صرف دل پر ہاتھ رکھ کر قسم کھا لو کہ تم بے تقصیر ہو۔ سفینۂ عصمت نہیں۔
شفقت :۔ (مسکینیت سے) میرا دل کوئی قرآن تھوڑا ہی ہے۔
رقیہ :۔ اس لئے کہ وہ سیاہ ہو چکا؟
شفقت :۔ (عاجزانہ) جو کچھ تم کہو سچ ہے۔ میں جھوٹی اور سیاہ دل ہوں اور جو اقرار کراتے ہوں وہ بھی کرا لو۔
رقیہ :۔ گھوڑی سوار کو گرا کر بھاگی جا رہی تھی۔ مگر پکڑی گئی۔
شفقت :۔ کچھ اور بھی کہہ لو۔ وہ بھی سُن لوں گی۔
رقیہ :۔ گھوس نے بنئے کی دوات روشنائی پی کر سو کھا دی۔ پھر صوف نکال دوڑی۔ مگر پیٹ اپھرا ہوا تھا۔ اس لئے کچھ دور چل کر رہ گئی
شفقت :۔ گھونی کچھ اور
رقیہ :۔ تمہارے اگواڑے اور پچھواڑے میں بیٹھک لگ چکی۔
شفقت :۔ لگ چکی لگ چکی لگ چکی۔ سو بار اور ہزار بار لگ چکی۔ قبلے کی طرف ہاتھ اٹھا کر کہتی ہوں کہ جو تم نے کہا ہے وہ ہو چکا۔
رقیہ :۔ مجھے کوئی بات پس غیبت کہنے کی عادت نہیں ہے۔
شفقت :۔ نہیں ہے۔ نہیں۔ تم تو حسنت جمیع خصالہ ہو۔ اور میں سیہ کار بدبخت۔

میں بھی برآمدہ میں ہی پہونچ گیا تھا۔ شفقت کی حالت اُس قاتل جیسی تھی جو کسی قومی ہیرو کو بھرے مجمع میں گولی مار دے اور پکڑا جائے۔ اُس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ جنہیں وہ بوندوں کے بہانے رومال سے پونچھ رہی تھی ملاگری شلوار کے پائینچے بھیگ کر بدشکل بن گئے تھے جن میں اُس کی ٹانگیں پتلی اور کمزور نظر آ رہی تھیں۔ اُس کے دانت سردی سے بج رہے ہوں گے۔ جنہیں چھپانے کے لئے اُس نے اپنے ہونٹ بمشکل بھینچ رکھے تھے۔ اُس کی حالت دیکھ کر ہر کسی کو رحم آتا۔ مگر رقیہ چھوٹم چھاٹا سے بڑھ کر شاید دست و گریبان ہونے کو تیار ہو۔ شفقت کے رخسار چپکا کھائے ہوئے گل یاسمین سے پرے ہو رہے

تھے۔ وہ در و دیوار پر نظر ڈال رہی تھی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ جیسے وہ برآمدہ میں اس لئے نہیں لائی گئی کہ بارش میں نہ بھیگے بلکہ ٹھوکریں کھانے کے لئے۔ اور ذرا ٹھہر کر شفقت گویا آگے ہاتھ پیچھے پات رکھے ہوئے پھر گولا دھار برستے مینہ میں نکل گئی۔ اگر وہ ٹھیری رہتی تو تھوڑی دیر میں اس کی آنکھیں رو رو کر ٹیسو بن جاتیں۔

چھما چھم مینہ برس رہا تھا۔ تیز ہوا چل رہی تھی۔ پرند تک پناہ کے لئے برآمدہ میں آ بیٹھے تھے۔ مگر شفقت جاودانی اپنی برساتی تک تالیکوٹہ میں چھوڑ گئی تھی۔ شفقت کے سر پُر غرور میں میری خالہ جائی نے خوب کس کس کر انکس مارے تھے اور منہ پر کھینچ کھینچ کر طمانچے۔

اس کے جانے کے بعد اندر آ کر رقیہ نے کہا۔

"ہوا لگنے لگی۔ چاند ناسا ہو گیا"

"یہ گھٹا پٹی کیوں؟ تم دونوں میں تو بڑی رفاقت تھی۔ اور اُس نے تو دِل ملا کر تم سے رشتہ بدا ہوا تھا"

"تھا۔۔۔ مگر یہ نکمی واکڑ وا اور مدمغ ہے۔ قرآن کے الفاظ میں بڑی متاعِ غرور اور آپ کو شاخِ زعفران سمجھتی ہے۔ میں اس کی رگ رگ سے واقف ہوں۔ پرسوں دلبری سے کیا کہتی ہے کہ رقیہ تو اُن کی یعنی آپ کی خاص دار اور کاسہ لیس ٹھیری۔ یہ میرا بھی پلینتھن نکالنا چاہتے تھے۔ مجھ سے جو تحفہ وصول کرنا بڑے دھسکی ہیں۔ پر میں نے بھی وہ پچا بنایا اور وہ ٹچنیاں دیں کہ بھلی کے بجنے ہوتے تو بایں نہیں تھی یا دہ نہیں تھے۔ میں نے انہیں چٹکیوں میں اڑا کر رکھ دیا تھا۔ مگر وہ بڑے ہی ہینز اور کرم ہین ہیں۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت کچھ افترا باندھا۔۔۔ میں تو کچن بیٹھی تھی کہ یہ آئے تو اُس کا بڑا پا اور چیرا پن نکال کر رکھ دوں۔ اُس کا چونڈا منڈوا دوں بلکہ اس پر کتے چھپٹا دوں آخر ہوا نا اس کا یہی حال کہ جیسے زیادہ لاتیں کھا کر مُرغ بجھا جاتا ہو۔

دھسکی! اس نے کیسا مکروہ لفظ استعمال کیا تھا۔ میں نے بعد کو اُس سے دریافت کیا کہ شفقت جادوانی۔ تم ایسی زنِ شستہ کیسے بازاری لفظ بولنے لگیں۔ کیا ہم بازاری ہیں؟ تو اُس نے جواب دیا ــــ وہ ہوں گے ــ یعنی وہی نواب ہاہا۔ اور میں تمہیں تو کچھ نہیں کہہ رہی ۔ بُرا ہوا جو مجھے اس کا مترادف یاد نہ رہا۔ وہ تو دھتیے اور لینے ہیں اور ٹکسال کے کھوٹے۔"

میں نے کہا:

"لاحول ولاقوۃ"

"اس نے ایک دن اُس سے بھی بُری بات مجھ سے کہی تھی۔ آپ کو سنانا نہیں چاہتی"

"سنادو کوئی مضائقہ نہیں"

"مجھ سے بولی ــــ ہونولولو جانتی ہو ــــ میں نے کہا، ہاں، یہ جزیرہ ہوائی کا دارالحکومت اور مشہور امریکی تفریح گاہ ہے دوسری عالمی جنگ میں جاپان نے اس پر اچانک حملہ کیا تھا۔ اُس نے میرے رخسار پر چار انگلیاں اوپر سے نیچے کو ہولے سے کھینچ کر آہستہ سے چپت لگاتے ہوئے کہا، نہیں، نہیں۔ رقیہ۔ میں تو ہونولولو انہیں کہتی ہوں جو دھسکی اور لیتے ہیں۔ ہونولولو"

اس کے فوراً ہی بعد سوال کیا ــــ لڑکی کو اردو میں کیا کہتے ہیں؟ میں نے جواب دیا ــــ ترکی یا ترکیہ۔ وہ بولی ۔ نہیں نہیں۔ ٹرکی کو اُردو میں فیل مرغ کہتے ہیں۔ یعنی وہی بڑے دِن کے تہوار پر کرسٹانوں کا کھاجا۔ جو مور کی طرح پَر پھیلائے رکھتا ہے آپ کے ہونولولو فیل مرغ بھی ہیں اور ان کے پھیلے ہوئے پنکھ رُوپ دار لڑکیوں کے لئے اندرجال اور کسوتِ عیاری ہیں۔

اسی وقت میرے دل میں آیا تھا کہ اس نے تو میرے منہ پر آہستہ سے چپت مارا ہے مگر میں اسے لتیا کہ ہزار سیڑھیوں کے زینہ سے لڑھکنیاں کھلاتی ہوئی نیچے بھیج دوں۔

ایک دفعہ بولی۔

شفقت :۔ دل ایک کام کو چاہے ہے۔ سنو اور ہنسو

رقیہ :۔ سناؤ

شفقت :۔ دو قبیل مرغ نہیں۔ طوطا ہئیں۔ امیر تیمور گورگانی نے سلطان بایزید — پلدرم کو پنجرہ میں موند لیا تھا۔ انہیں بھی کوئی مُوندے۔ اور وہ پنجرہ کی چھت میں لٹکتے ہوئے ٹین ٹین ٹیں ٹیں کیا کریں۔

پھر رقیہ نے مجھے بتلایا کہ باوجود اس قدر طول کھینچنے کے وہ آج یہ تسلیم کرنے کو تیار نہ تھی کہ اُس کا آپ کے ساتھ کوئی کسی قسم کا ربط و تعلق یا نسبت قریب و بعید رہی ہو۔

یہ گفتگو سُن کر میں نے اپنی خالہ زاد بہن سے کہا :

"رُکّی — ذرا دینا اپنا ہاتھ"

"کس لئے ؟ کیا مصافحہ کیجئے گا ؟ یہ نامحرموں سے نامشروع ہے"

"نہیں میں تمہارا ہاتھ تبرکاً و تیمناً دونوں ہاتھوں میں لے کر چوموں گا۔ کُشتی برابر نہیں رہی۔ تم نے اُسے پچھاڑ دیا ہے"

اِس پر وہ بچشم تر و تبسم بلب بھاگ کھڑی ہوئی۔ میں اُس کے پیچھے صحن عبور کر کے مردانہ خواب گاہ کے دروازہ تک گیا۔ وہ ملاقاتی کمرہ میں جا کر ریکارڈ بجانے لگی۔ اور میں بارش کے پانی کی چھپ چھپاہٹ سن رہا تھا —

یہ چاند وہ نہیں ہے گھر جائے جو گہن میں
چمکے گا یہ تو جا کر تاروں کی انجمن میں

میں سمجھ گیا کہ چاند کا مشار الیہ میں ہوں۔

رقیہ کے انداز فاتحانہ تھے۔ اور میری رگِ مسرت زور زور سے پھڑک رہی تھی۔ ایک دشمن کا ہاتھ تو میری عم زاد اور خالہ زاد نے چھُری مار کر بے کار کر دیا تھا۔ اور دوسری بدخواہ پر گویا سخت سردی میں برفیلے پانی کی پچکاریاں چھوڑی تھیں۔ میں سوچ رہا تھا

کہ یہ ہماری مومنا چومنا اور مانو سی رقیہ بھی بڑی گھنّی اور بڑی ہی گئی ہوئی ہے۔ میں تو اسے بہت سمجھا تھا مگر اُس نے تو بڑے بڑے نیک کپڑوں کے پیچھے چھپا رکھے ہیں۔ تھوڑے سے دِن ہی پہاڑ پر رہ کر یہ کیسی صحت مند گول گول سی اور پُر رنگ نکل آئی ــــ اِس کا بدن کیسا گدگدا سا گیا ہے۔ اس کا کٹیلا پن سجداری اور اچپلیاں کوئی میرے دل سے پوچھے اُس کا حُسن اسنہزا اب مجھے ہاتھ کر کے لے گیا تھا۔

میری طبیعت بُری طرح بہکا دی گئی تھی۔ اُس کے لب زیریں کی دو چار ہلکی ہلکی چسکیاں لینے کو مضطرب تھا۔ ہاتھ اس کے پرسی ہیں جیسے مکھڑے کو سہلانے کے لیئے بڑھنا چاہتے تھے۔

یہ لڑکی تو جتنی نیچے تھی اتنی ہی اوپر۔ شفقت اگر شمشیرِ برّان تھی تو یہ دو دھاری تلوار۔ یہ کچھ دوال نہیں۔ اسے کون انٹی پر چڑھا سکتا ہے یہ کس کا طعمہ بن سکتی تھی۔ یہ اگر چاہے تو دوسرے کی کوکڑی سی کھینچ کر رکھ دے۔ یہ دنیا کی ازحد اَدق بشکل ترین۔ بے حد چٹ پٹی دھجیلی اور لچیلی لڑکی ہے۔ شفقت کا درجہ اس کے مقابل کاغذی بادام کا تھا۔ مگر اس کی گری ایسے مضبوط اور محفوظ خول میں تھی کہ جس کو آہنی ہتھوڑوں کی ہزاروں ضربیں بھی نہ توڑ سکیں۔ جادوانی کسی صورت اس سے ٹکر نہیں لے سکتی تھی۔ وہ انیس ۱۹ تھی یہ اکیس ۲۱ اور بڑی عف۔ وہ بجلی تھی یہ بجلی بسنت وہ گانٹھ تھی۔ یہ گڑ گانٹھ یہ تو اس کے دمڑے کر سکتی ہے۔

اس تاریخ سے رقیہ نے میرا گھارا کرنا شروع کر دیا۔ وہ مجھے کمال حسین دراک اور قیامت شریر معلوم ہونے لگی۔ پر وہ اتنی چوکنی چوکس اور مستعد تھی۔ باوجود اس درجہ تابع داری اور اخلاص مندی کے میں اُسے شفقت کی طرح "او وہ جان" کہہ کر مخاطب نہیں کر سکتا تھا۔ اگر ایسا کہہ تا تو اس کی اطاعت اور فرمانبرداری چھپر پر رکھی رہ جاتی۔ رقیہ نے میرے دل میں پنجے۔ بتدریج گاڑ دیئے تھے۔ سورج کی بے شور و شر دھوپ نے مسافر سے وہ کمبل اترو ا دیا تھا جسے تیز و تند ہوا علیحدہ نہ کر سکی تھی۔

اس کی اور میری ماں حقیقی بہنیں تھیں اور میرا اور اس کا باپ سگے بھائی۔ اگر دو

عزیز آپس میں شادی کرنا چاہتے تو اس سے زیادہ قریبی رشتہ مل نہیں سکتا تھا۔ میرے عیوب اُسے مونڈھوں کے فرشتوں جتنے معلوم تھے۔ چند واقعات کی تو وہ واحد شاہد تک تھی۔ وہ جانتی تھی کہ بیجا پوری میری بیوی بن کر رہی۔ شکنی سے میں نے کچھ نہ کچھ ضرور کہا۔ اور سونا لکھی کم از کم میری ہم لحاف تو ضرور تھی۔ اِس سے آگے واللہ عالم بالثواب شفقت کے ساتھ میں نے واہیات پنا کرنا چاہا مگر اُس کے رویہ میں کوئی فرق نہیں۔ خواہ میری شادی شفقت سے ہو گئی ہوتی یا میں بیجو کو گھر ڈال لیتا۔ یہ جیسی تھی ویسی ہی رہتی۔

تو ایسی وفادار لڑکی کو جو ساتھ ہی خوش مزاج بھی ہے۔ مجھے چھوڑنا نہیں چاہیئے۔

گو اس میں مجھے پرستاری اور ارادت مندی کا جذبہ معلوم نہیں ہوتا اور جو بات تھی بطریق اذعان تھی۔ اُس نے صرف ایک مرتبہ میری طرف ذرا بھری بھری نگاہ ڈالی تھی۔ یعنی دکاندار کے عطر اور تحفے دکھانے پر لجا کر بغل ہوتے وقت۔ اس کے بعد اس نے ذرا کو بھی میری طرف کبھی نہیں دیکھا تھا۔ اُسے مجھ سے محبت نہیں معلوم ہوتی تھی۔ اُسے صرف عزیز داری اور فرض کا پاس تھا۔

وہ ماری بڈاری سی نمانی نمانی رقیہ اب کیسی دل لگی باز اور جارحانہ لڑکی بن گئی تھی اگر شفقت کو فولاد تصور کر لیا جائے تو رقیہ نے اُسے اہرن پر پیٹ پیٹ کر پنّا بنا ڈالا تھا۔ اور پھر وہ مہدی سوڈانی کی جلی ہوئی ہڈیوں کی طرح منتشر کر دی گئی تھی۔ اُس رات شفقت کے لئے بستر کا تارہ تارہ کانٹا بن گیا ہوگا۔ مگر میں مسرتوں کے ہم کنار تھا۔ مجھے وہ منزل مل گئی تھی کہ جس تک پہنچنا گلگشت تھا۔ کٹھن نہیں۔

میری نیند مہینوں کے بعد پوری ہوئی تھی اور میں سویرے جاگا تھا ورنہ دن چڑھے اٹھا کرتا تھا۔ آج سر میں گرانی نام کو نہیں تھی بلکہ طبیعت کو ہشاش بشاش پا رہا تھا۔ دل میں آ رہی تھی کہ کھڑکی سے جست لگا کر کشکولی میں طولاً عرضاً کنارہ بکنارہ تیرتا پھروں۔ اور کیوں نہ پھروں؟

آفتاب تازہ پیدا بطنِ گیتی سے ہوا
آسمان ٹوٹے ہوئے تاروں کا ماتم کب تلک

باغیچہ میں تھانون کے پاس خالہ جان ٹہل رہی تھیں اور تسبیح پڑھتے ہوئے مالیوں کو ڈپٹا جا رہا تھا۔

مطالعہ کا کمرہ باغیچہ کی طرف ہے۔ اس میں رقیہ قرآن شریف پڑھ رہی تھی جو آبنوسی رحل پر رکھا ہوا تھا۔

جب میں اُس کے قریب پہونچا تو اُس کے لبوں پر یہ آیت تھی۔

" آدمی کو ٹھیکری جیسی کھنکھناتی (یعنی بجنے والی خشک) مٹی سے پیدا کیا۔" (سورۃ رحمان رکوع نمبرا)

میں نے پوچھا:۔

" کچھ پلے بھی پڑ جاتا ہے یا طوطے کی طرح پڑھتی رہتی ہو "

قرآن پڑھتے وقت میرے دھیان میں یہ آیت ہمیشہ رہتی ہے۔

" اور وہ کہ جب اُن کو اُن کے رب کی آیتوں کے ساتھ نصیحت کی جاتی ہے تو ان پر بہرے اور اندھے ہو کر نہیں گرتے "

" خدا کے کلام کا سمجھنا از حد مشکل ہے "

" تحقیق ہم نے سمجھنے کے لیئے قرآن کو آسان کر دیا ہے۔ سو کوئی ہے جو نصیحت پکڑے خدا خود فرماتا ہے "

" تم جیسی گلستاں دبوستاں لڑکی کو دیکھتے ہوئے کون یقین کرے گا کہ اس کا خمیر کھن کھن کرتی ہوئی مٹی سے ہے "

" ایسا خیال سوئے ادبی ہے۔ اِنّ اللہ علیٰ کُل شیئًا قدیرا۔ بے شک خدا ہر شے پر قادر ہے "

" یہ آیت مجھے یاد نہیں تھی "

" جو کوئی قرآن پڑھ کر بھول جائے قیامت کے دِن اُس کی آنکھیں بٹم ہو جائیں گی "

" لیکن تمہیں دیکھ کر مجھے ایک بھولی ہوئی آیت یاد آگئی۔ فتبارک اللہ احسن الخالقین۔ مجھے تمام قرآن نہیں بھولا۔"

"تو پھر بالکل بے بصر تو نہیں ہوں گے مگر بینائی میں کچھ کچھ فرق آجائے گا"

"حجتہ الاسلام صاحبہ کیا یہ آپ کے اپنے فکر و نظر کا استدلال ہے؟"

"یہ میرا استدلال نہیں۔"

"تو کشف و وجدان ہو گا"

"نہیں! اس پر امت کا اجماع ہے اور تمام مدرسہ ہائے شریعت اِس پر متفق ہیں"

پھر پھول آگئے اور رقیہ انہیں سجاتی ہوئی پھرنے لگی۔

(رقیہ قرآن حافظ ہے اور تجوید کی ماہر بلکہ نہایت عمدہ قاری ہے۔ ریڈیو پر جو قرأت پڑھتے ہیں وہ اُس سے اچھا پڑھتی ہے۔ یعنی ایسا اچھا کہ سن کر چلتا دھارا رُک جائے۔

اگلی صبح حسب معمول تلاوت کرتے ہوئے وہ پڑھ رہی تھی۔ اللّٰہ نور السمٰوٰات والارض۔ اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔ اُس کے نور کی مثال اُس طاق ایسی ہے کہ جس میں چراغ روشن ہو۔ وہ چراغ شیشۂ قندیل میں ہے۔ وہ شیشہ قندیل گویا کہ تارہ ہے وہ چراغ ایسے درخت مبارک زیتون سے روشن کیا جاتا ہے کہ جو نہ مشرق میں ہے نہ مغرب میں۔ نزدیک ہے کہ اس کا تیل آپ سے آپ روشن ہو جائے اور اگرچہ اس میں آگ نہ لگائی گئی۔ نورٌ علیٰ نور)

یہ آیت مبارک سن کر مجھے بیجو یاد آگئی۔ گویا زنگ خوردہ لوہے کے ہم رنگ ملبے محترطی مندر میں کڑوے تیل کا دیا ٹمٹما رہا تھا۔ اور دوسری طرف مثلِ شمع حرم میری عم دخالہ زاد رقیہ تھی۔ نور و ظلمت کا خوب مقابلہ ہو رہا تھا۔ ایک جانب حضرت معین الدین چشتی رحمی کرامات الٰہیہ تھیں اور دوسری طرف ہندو جوگی کے شعبدے اور جادو۔ جھوٹی کہیں کی بیجو ایک شہدہ کی بیوی ہے اور ان میں کی ایک کہ جنہوں نے بیجاپورہ میں قرآن کی بے حرمتی کی تھی۔ مسجدوں کو ڈھایا تھا اور مسلمان عورتوں کی عصمت دری کی تھی۔ خنزیر کے گوشت اور شراب کی دلدادہ اور اُن مہاراجگان کی نام لیوا کہ جن کا شاہی نشان سوٗر تھا۔ قرطبہ۔ غرناطہ۔ استنبول۔ قاہرہ قیروان اور بغداد اُسے کبھی یاد نہیں آتے جب دیکھو اجودھیا۔ ہستنا پور۔ پاٹلی پتر۔ اجین

اور مہوبا کا ہی ذکر رکھتی ہے۔ شفقت کیسی ہی بُری ہو اس سے وہ بھی اچھی ہے۔
اسی نے ایک مرتبہ نفرتی لہجہ میں کہا تھا۔

"مسلمان! جھوٹ کھانے والی قوم۔ لبِ سڑک مٹکا رکھا ہے۔ ہر کس و ناکس آیا۔ گڑوم سے تاملوٹ ڈبویا۔ پانی پیا اور بچتا پھر اُسی میں ڈال دیا۔ ان کے یہاں بھائی بہنوں سے بیاہے جاتے ہیں۔ کیا چچیرے اور موسیرے بھائی بہن نہیں ہوتے؟ لگن میں آم بھگو کر چاروں طرف بیٹھ جاتے ہیں۔ اور جھوٹے ہاتھوں سے نکال نکال چوستے رہتے ہیں۔ حیدرآباد میں ہماری دعوت تھی۔ کوئی مولوی بھی آیا ہوا تھا جس نے کئی کے آگے کا شوربہ جمع کر کے پی لیا کہ سنت ہے یہ سنت بھی کیسی گھناؤنی ہے۔ اُس نے کھانے کے بعد ہاتھ بھی نہیں دھوئے داڑھی سے پونچھ لئے۔ یہ بھی سنت ہوگی۔ مسلمان کا دوسرا نام مٹر بھنگی ہے"

جب سالم میں فرقہ وارانہ فساد ہوا تو امیر کبیر تاجر عزیز پنکھے والا کی دختر اہل ہنود نے اغوا کر لی۔ اس کو شروع میں تو سٹہ والوں کے گھیر میں لے جایا گیا۔ جہاں دیوالی کے دنوں میں اس پر یوں بازی لگائی جاتی رہی کہ "جسے بھگوان جتائے وہ پنکھے والی کو پائے" مگر جب اس پر چپقلش اور لڑائیاں ہونے لگیں تو اُسے کبلوں والے باغ میں ناگوں کے سپرد کر دیا گیا۔ وہاں پندرہ بیس اور اغوا شدہ مسلمان لڑکیاں تھیں۔ جنہیں سلسلہ میں داخل کر کے برہنگی پر مجبور کیا گیا تھا۔ ان مصیبت زدگان کی بازیافت پر مسلم اخباروں نے اداریئے اور اداریہ نما نوٹ لکھے اور شہر کے مسلمانوں نے ہڑتال کی۔ بیجو نے اس وقت میرا دِل اس طنزیہ سے جلایا تھا۔

"ہری جگ قوم کو اب فضا میں تند بگولے دکھنے لگے۔ علاؤالدین نے پدمنی سے خضر خان نے دیول دیوی سے۔ باز بہادر نے رُوپ متی سے کیا کیا تھا؟ مغل ممالک محروسہ کی ہندو شہزادیاں کیوں دہلی اور آگرہ میں لائے تھے؟ کیا ان کے یہاں رشتوں کی کمی تھی۔ وجے ہملا۔ اور ایرو نا تو اب بھی زندہ ہیں۔ اگر مقبولن۔ رسولن۔ اور تلو ایسے الاچی والے سٹہ گھر اور کبلوں کے باغ میں ہو آئے۔ تو کیا قیامت برپا ہو گئی۔ آپ یوں ہی پیٹ پکڑے پھرنے لگے۔"

کیا بیجاپوری مجھے اتنا بدتربیت یا صاحب زندقہ سمجھتی تھی۔ کہ اُس کا یہ بڑا نافوڑہ پیدا نہ کر سکے گا؟ میں نے ناگلا دیوی کی طرح اُس سے بول چال بند کر دی تھی مگر جب اُس نے مردنگ پر گایا تھا تو مجھے پہلے تو ہنسی آئی تھی اور بعد کو میں خود بخود دیو لنے لگا تھا۔

رقیہ ابھی قرآن پڑھ ہی رہی تھی کہ اس کی نرس گورکھا زنانہ ہسپتال کی کسی نرس کو میرے پاس چھوڑ کر چلی گئی۔ میں اُسے کمرہ میں لے آیا جہاں وہ ہمکلام ہوئی۔

"جناب۔ کماری بیجاپوری نے آپ کو سلام کہلا کر بھیجا ہے"

"میرا سلام بھی اُن سے کہہ دینا"

"جناب سلام کے یہ معنی نہیں"

"میرے یہاں سلام کے یہی معنی ہیں"

"جناب میں آپ سے صاف صاف عرض کئے دیتی ہوں"

"آپ کو صاف صاف فرمانے کی ضرورت نہیں"

"جناب وہ تو صرف آپ کی یاد سے زندہ ہیں"

"آپ کا تعلق پیشہ ڈاکٹری سے ہے۔ اِس لئے بجائے یادوں اور جنتر منتر سے زندہ رکھنے کے غذاؤں اور دواؤں سے کام لیجئے۔"

"جناب غذاؤں اور دواؤں کے ساتھ ساتھ دماغی آسائش بھی بڑی زود اثر ہوتی ہے"

"تو کسی کو یاد کرنے سے کون روک سکتا ہے"

"جناب عالی۔ روک تو کوئی نہیں سکتا مگر خالی یادیں کافی نہیں۔ کبھی کبھی تو مدعا بھی سامنے آنا چاہیئے"

"ایک بیوی کا مدعا اُس کا شوہر ہے۔ دوسرا نہیں"

"جناب یہ تو آپ بجا فرما رہے ہیں۔ مگر اُن کا تو بُرا حال ہے"

"بُرا حال اس سے زیادہ اور کیا ہوگا۔ کہ ہسپتال داخل ہے"

"جناب اُس نے تو کہلا کر بھیجا ہے کہ"

زمیں کا عرشِ بریں سے سلام کہہ دینا

آپ جا کر اُسے اپنی صورت دکھا آئیں "

"اُس کے پاس میری تصویر ہے "

"جناب اُسے تو میں نے بھی دیکھا ہے۔ اور خالی تصویر سے کام نہیں چلا کرتا۔ تصویر اپنی جگہ ہے "

"تو میں بھی پھر اپنی جگہ ہوں "

"جناب میں اُس سے شرط لگا کر آئی تھی کہ آپ کو ضرور ساتھ لے کر آؤں گی "

"آپ اپنا فرض بجگہ ادا کر چکیں۔ گواہ تعلیمی ایسا ہی ہونا چاہیئے "

"جناب میں گواہِ تعلیمی نہیں۔ گواہِ بے لوث ہوں۔ اگر آپ تشریف نہ لے چلے تو میں بھی ہسپتال نہ جاؤں گی۔ "

"اس کا تعلق مجھ سے نہیں۔ اِس کی گفت وشنید اپنے محکمہ سے کیجئے "

"جناب تو میں اُن سے کیا کہوں؟ "

"جو آپ کو کہا گیا ہے "

"جناب وہ تو آپ نے مجھ سے کہا ہے۔ اُن کی عرضداشت کا جواب آپ نے نہیں دیا۔ "

"انہوں نے سلام کہلا کر بھیجا ہے۔ سلام کا بدلہ سلام ہے۔ بلکہ اپنے دونوں ہاتھ سر کے اوپر اٹھا کر ڈنڈوت کر کے اُنہیں میری طرف سے سات سلام کہہ دینا "

"جناب آپ اُن سے کیوں رُکے ہوئے ہیں؟ "

"میں اُن سے رکا ہوا ہی نہیں بلکہ کسمسایا ہوا ہوں۔ "

"جناب آپ تو اُس کے دم دم میں دم رہے ہیں اور وہ تو بیٹھی ہوئی آپ کی آس تک رہی ہے "

"آس نہ ٹکے۔ آس تج دے "

"جناب یہ تو اُن کے لئے ازغیبی دھکا ہو گا۔ کس آرزو سے تو آپ کو بلایا ہے۔

اور آپ آرزو مٹائے دے رہے ہیں۔"

"اس ضمن میں مزید گفت وشنید عبث ہے"

"جناب وہ تو آپ کے لئے بڑی کوفتہ سی رہتی ہیں"

"ہسپتال میں پڑی ہوئی ہے۔ سو فتنہ ہے۔ بیکاری میں ایسا ہو ہی جاتا ہو گا"
"جناب اُن کی آشفتہ طبعی بے معنی نہیں"

"میں معنی دریافت نہیں کر رہا"

"جناب اب میں نفس الامر کی طرف متوجہ ہوتی ہوں۔ کلب بہشت سیاحاں میں راج کمار بہادر سردار زور آور خان کی طرف سے بین الاقوامی پولو کے کھلاڑیوں کا خیر مقدم ہے اس لئے وہ دو گھنٹہ کے لئے ہسپتال سے غیر حاضر رہیں گے۔ وہ فرما رہی تھیں کہ بس میرا ذرا یہاں آنا کافی ہے آپ اٹھ کر ساتھ ہو لیں گے۔ یہ کیا ہوا۔ کوئی تو پیغام کہلا بھیجئے"

"پیغام ہو تو کہلا بھیجوں"

"جناب نہیں بھی ہوتا تو کسی کا دل رکھنے کے لئے یوں ہی کہلا دیا کرتے ہیں"

"اس کھوٹ اور ملاوٹ کا آپ کو اختیار رہے مجھے یہ فن نہیں آتا"

"تو میں کچھ کہوں بھی؟"

"کہنا آپ کو ہے۔ دریافت مجھ سے کر رہی ہیں۔ اُن سے کہہ دیجئے کہ ہمالہ بہت بلند ہے۔ یہاں سے ایک جست لگا دیں دھیاچل پہ جا بیٹھے۔ اور دوسری جست میں راس کماری۔"

"یعنی وہ یہاں نہ ٹھہرے"

"ٹھیر کر لے گی کیا؟"

"بس اُسے مر جانا چاہیئے"

"یہ مشورہ اُسے آپ دیجئے۔ کیونکہ آپ کے پیشہ کے عین مطابق ہے"

"اُسے تو آپ کا اتنا خیال نہ ہے کہ آپ حکم دیں تو راج کنور بہادر کو کبھی کا چھوڑ دیں۔"

"کیوں چھوڑ دیں؟ اور میں کیوں ایسا حکم دوں؟"

"جناب وہ تو آپ کے متعلق عجب خوش فہمی میں مبتلا ہیں۔ اور آپ کا رویّہ یہ ہے"

"میرا رویّہ یہی ہونا چاہیئے"

"کیوں جناب؟"

"مجھے سردار زور آور خان سے ڈویل لڑنا منظور نہیں۔ جس طرح اُسے ہر آن وجیا نگر کا دھیان رہتا ہے اس سے کچھ کم مجھے بھی خاندانی وجاہت کا لحاظ ہے۔ میں زور آور خان اور اس کے شہدوں سے اس بارے میں نبرد آزمائی نہیں کر سکتا۔ اس کی شادی ہو چکی۔ شادی کے بعد اس پر اُس کے خاوند کا حق ہے۔ پہلے میرا یا کسی اور کا بھی ہو سکتا تھا"

"جنبہ سائی سے منہ‌گی کا یہ کوئی کافی جواز نہیں"

"تو آپ کے خیال میں میں تماشہ بننے کے لئے اکھاڑے میں اتر آؤں۔ مجھے کہنا تو نہ چاہیئے وہ تو ہمیشہ کی بے شرم ہے"

"معاف کیجئے جناب مجھے بھی کہنا تو نہ چاہیئے۔ ورنہ راج کنور صاحب اُن کے ہونٹ چومتے ہیں تو اُنہیں پوری طاقت استعمال کرنی پڑتی ہے وہ اُن سے رضامند نہیں وہ اپنے خیالات میں آپ سے ہاتھ اٹھا چکی تھیں۔ جو شادی ہو گئی ورنہ ایسا نہ ہو سکتا"

"اب بھی مجھ سے ہاتھ اٹھا لے"

"مگر اب تو آپ اُسے مل چکے ہیں۔ نہ دیکھا تو نہ دیکھا۔ جب دیکھ لیا تو پھر صبر کہاں۔ اور لگی بُری ہوتی ہے"

"یہ لڑکی جو باہر قرآن پڑھ رہی تھی۔ میری اِس سے نسبت قرار پا چکی ہے۔ میں نے اِسے فراموش کر رکھا تھا۔ اب اِسے فراموش نہیں کروں گا۔ دیکھا اِسے دیکھ کر درود پڑھنے کو جی چاہتا ہے۔ اور اُس کے خیال سے کانوں میں سنکھ بجنے لگتے ہیں"

"یہ تو بہت کم عمر معلوم ہوتی ہے۔"

"اتنی کم عمر نہیں جتنی معلوم ہوتی ہے"

"یہ اور ہے وہ اور۔ کماری بیجاپوری میں جو بات ہے وہ اِس میں نہیں۔ اور جو اس میں ہے وہ اُن میں نہیں"

"وہ متھرا۔ کاشی۔ پریاگ اور جگن ناتھ ہے یہ یثرب وبطحیٰ۔ وہ پونچھ والے ہنومان اور سونڈ والے گنیش کی سمرن پڑھنے والی ہے۔ یہ مظہرِ نورِ خدا"

"جناب وہ تو مسلمان ہے"

"اُس کی مسلمانوں کی خو بُو نہیں"

"میں اُن سے جا کر کہہ دوں گی کہ آپ کسی صورت نہیں مانتے"

"اُسے سمجھا دینا کہ سردار صاحب کے ساتھ دل لگا کر رہے"

"جس کا دل اُس کے پاس نہ ہو وہ دل لگا کر کیسے رہ سکتی ہے"

"یہ وہ جانے اور اُس کا دل"

"جناب آپ کو اُس سے کوئی سروکار نہیں ہوگا"

"نہیں"

"کبھی نہیں"

"کبھی نہیں"

"یہ آپ نہیں کہہ سکتے۔ انسان کی طبیعت ہے۔ ہمیشہ یکساں نہیں رہتی۔ اس میں اُتار چڑھاؤ ہیں"

"میری طبیعت اُس سے اُتر چکی۔ اب مجھے اُس سے رغبت نہیں"

"بس اب میں اور زیادہ آپ کو تنگ نہ کروں گی۔ مجھے یہ خیال نہ تھا ——

اجازت"

"اجازت"

باب ۱۶

الفاظ — معنی

لمبوت = قسم کشی
دھون = وزن جو دس سیر کے برابر ہوتا ہے
پٹھ = نوعمر بکری
جگمگی = زرق برق
چھینٹا = صورت
گرجا ہوا موتی = وہ موتی جس میں بال آجائے۔
ٹاپ سہنا = مصیبت
گاڑھا = لڑائی کا مست ہاتھی
اچرج = تعجب
اساڑھ = صحبت بد
النگ پر آنا = گھوڑی کا مستی میں آنا
دبنگی = موٹی تازی عورت
پھبکنا = پودے کا ہرا ہونا
ادکیلنا = بٹی ڈورے کے بل کھولنا
بڈھا لگنا = کھودنے کا کام شروع کرنا۔ نقب لگانا
گنونت = ہنرمند
سنہرے جلوے کی = وہ بیاہتا بیوی جسے پنچوں کے سامنے بیاہ کر لائیں۔
دھبلا = بے قطع زنانہ پاجامہ

الفاظ — معنی

کھورولا = چوپائے کا اگلے پاؤں مارنا
نہانا = (مصدر) دودھ دوہتے وقت گائے کی ٹانگیں باندھنا۔
پشتنک مارنا = پچھلی ٹانگیں اٹھا کر لات مارنا
دجل = سچائی چھپانا
ثیبہ = زن شوہر دیدہ
چسنا = نچڑنا
دوڑا = گھر کا کھانا
کساد = بے رونق
جھرکٹ = وہ کہ جس کی رونق کثرت مباشرت یا فکرات سے جاتی رہے۔
پلوٹنا = نوچنا
آڑا ترچھا ہونا = بگڑنا
ناؤں میں خاک ڈالنا = جھوٹی تہمت
انواسنا = یعنی کورے برتن کو کھنگالنا
گھنگھولنا (عورت) الٹ پلٹ کرنا
ڈھڈو = یہ ایک بے ہنگم آواز والا پرند ہے
گودنا = طعنے دینا
ولی فنگہ = مربی

الفاظ	معنی
چٹکا	تیز دھوپ
خوش غلاف	تلوار جو آپ میان سے نکلے
عورت	جو آپ کپڑے اتارے۔
سالنا	لکڑی میں سوراخ کرنا
کھارنا	شیر جنگل میں کھارتا ہے
پچر ٹھوکنا	مینخ ٹھوکنا۔ تکلیف دینا
اڑانا	بھینس اڑاتی ہے
گھوس	بڑا چوہا
گھونی	گربہ مسکین
تھا سہارنا	مصیبت برداشت کرنا
پانڈ عورت	عورت بلا پستان
کاؤ کاؤ	مصیبت
کھابڑی	آزاد تباہ حال عورت
بچھتا	لڑائی میں پٹا ہوا زخمی بٹیر
گدگدانا	فربہ ہونا
طعمہ	شکاری پرند کا کھانا
دراک	ذہین
تکو	بتول کا بگاڑ ہے
الائچی دانہ	بازاری لوگ کم سن معشوق کو کہتے ہیں
ہری چگ	ہری ہری گھاس چگنے والا

الفاظ	معنی
گواہ تعلیمی	پڑھایا ہوا گواہ
جھلہ	چمڑے کا پنجہ جس پہ باز وغیرہ کو بٹھاتے ہیں
پھنپھنانا	سانپ پھنپھناتا ہے
گربنا	پودے کو پولا کرنے کے لئے کھودنا
جیارا	جی
جگمگی	زرق برق
آس تکنا	منتظر
آس تجنا	ناامید ہونا
کسی سے رکنا	خفا ہونا
کسمسانا	اکتانا
کساد	بے رونقی
ثیبہ	زنِ شوہر دیدہ
پرسی مَن	نام غیر ملکی پھل بے حد شیریں اور سرخ ہوتا ہے
بانٹ	گائے کے سامنے دوہتے وقت رکھتے ہیں
استحصال	EXPLATATON
ہلکارنا	کتے کو ہلکارتے ہیں
چونڈا (نفرت سے)	سر کی چوٹی
دم دم من رمنا	بال بال من بسنا
لگ مانترا	عاشق
بھرمیا کھلنا	راز افشا ہونا

باب ۱۷

اسی دن عصر کے بعد جب میں شام کی چائے سے فارغ ہو چکا تھا۔ رقیہ سونا مکھی کو لئے ہوئے میرے کمرے میں آئی۔ اور اُسے بٹھا کر آپ چلی گئی۔ کہ چائے بھجواتی ہوں۔

رسمی علیک سلیک کے بعد سونا نے کہا۔

"طاہر میاں۔ آپ تو بڑے سندر استھان میں رہتے ہیں۔ یہ دکھنی جس سے جھیل دشا کے پردے لہلہا رہے ہیں۔ میرے وطن سے ہو کر آتی ہے۔ میں اس ڈانگ پار گاؤں میں جامی (پیدا ہوئی) تھی۔ باپ تحصیلدار تھا اور بڈھا کہ مگر جنم نامرد۔ اس نے اولاد کی خاطر میری ماں سے نیوگ کرایا۔ اور رات کو ایک گجات کے پاس بھیج دی۔ جو ایسا چکنا چپڑا تھا۔ کہ ناحال ان چھیڑ ٹھکرانی اُسی رات سے اُس کے ساتھ گاڑھا پریم کرنے لگی۔ اور تحصیلدار کے گھر واپس نہیں ہوئی۔

ماں اور یہ گجات۔ بیاہ کے لئے بھانوری نہیں پھرے تھے۔ بلکہ یوں ہی پیار محبت سے رہنے سہنے میں پیدا ہو گئی۔ مجھے پانچواں برس تھا۔ کہ ماں تپ میں مر گئی۔ نیوگی باپ کہیں چلا گیا۔ اور ماموؤں نے ڈاکٹر کے ہاتھ بیچ دی۔ وہ پال پوس کر مجھ سے بیاہ کرنا چاہتا تھا۔ اور اس نے مجھے پڑھائی لکھائی۔ وہ مجھے جھپان میں ساتھ بٹھا کر سیر کرایا کرتا تھا۔

ڈاکٹر سوت والے موڑ پر گھوڑے سمیت کھڈ میں گر کر مر گیا۔ جبھی سے وہاں لکھا ہوا ہے —— گھوڑے اور سواریاں پہاڑ کی طرف —— پیدل دوسری طرف —— میں دوبارہ گاؤں چلی گئی۔ جہاں میرے خود ماموں جایوں کے ہاتھوں میری مانگ چری۔"

"وہ کس طرح!"

"سناتی ہوں"

گاؤں لوٹنے کے بعد جب گرمیاں آئیں۔ پیوندی آڑوؤں کے پیڑ پھلوں سے لدے ہوئے تھے۔ خوبانیاں خوب پک رہی تھیں۔ تو میں کسی کو خبر کئے بغیر گیو نکھ سوت پر نہانے گئی۔ مگر معلوم نہیں، میرے ماموں کے سب سے چھوٹے بیٹے کو جو ناٹھا مگر ناٹا تھا، کیسے پتہ چل گیا۔ وہ کنارے آکر بالکل ننگا میرے سامنے کھڑا ہو گیا۔ میں نے شرم کے مارے دوسری طرف منہ کر لیا۔ اور نہاتی رہی، میرے اوپر کوئی کپڑا نہ تھا، وہ دوسری طرف اُسی طرح آ کھڑا ہوا"

"یہ تو تم سنا چکیں، یہ بھی تو بتاؤ کہ پھر تمہیں نروان نصیب ہو گیا؟"

"میرے عمبروں کی چتلی گئو چر کر رات کو گھر واپس نہیں آئی تھی۔ اس لئے وہ اُسے ڈھونڈنے نکلے تھے"

"میں یہ دریافت نہیں کرتا"

"اور کیا؟"

"میں یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ تمہیں نروان بھی نصیب ہوا۔ کہ نہیں؟"

"نروان! ہاں سب سے چھوٹے سے۔ کفر گوئی نہ کیجئے"

"اچھا یہ بتا دیجئے۔ کہ بات بنی یا نہیں؟"

"نہیں مگر اُن دونوں میں جو بڑا تھا۔ اُس نے اس سب سے چھوٹے کو یوں کرتے ہوئے دیکھ لیا۔ وہ سمجھا کہ میرا اس سے کچھ سلسلہ ہے۔ اس لئے رات کو سب سے بڑے نے آکر مجھے اشدھ کر دیا۔ وہ چھ سات دن تک آتا رہا۔ جب

اس کی خبر منجھلے کو ہوئی تو وہ بھی آنے لگا۔ مگر میں نے جب سے اُس نلٹے کو سوت پر دیکھا تھا۔ وہ برابر یاد آ رہا تھا۔ اصل میں اُس کی بڑی جگہیں یاد آتی تھیں۔ کسی طرح اُسے بھی خبر ہو گئی۔ اور وہ بھی آنے لگا۔ مگر اُس نے کئی دن تک صرف چکھا چکھی ہی رکھی تھی۔ یعنی صرف کچی پپیشیاں حالانکہ دوسرے اپنا سبق دہرانے تہرانے کے عادی تھے۔ پھر اِن کے دِن مقرر ہو گئے۔ آج ایک کل دوسرا پرسوں تیسرا۔ پر میں سب سے چھوٹے کی منتظر رہتی تھی۔

اس گاؤں میں وہ اکیلا جنٹلمینی میں قدم رکھتا تھا۔ گوری۔ گوری۔ ابھرواں چندر کانت رانوں پر اُس کی گنڈیریدار نیکر بڑی بھلی لگتی تھی۔ وہ اسٹاکنگس نہیں پہنتا تھا جو گھٹنوں تک آتی ہیں۔ بلکہ جراب جس سے اُس کی پنڈلیاں آدھی سے کچھ کم ڈھکی رہتیں۔ جرابوں کو کھنچی رکھنے کے لئے وہ گیٹس لگاتا تھا۔ مگر سب سے زیادہ مجھے اُس کا ننگا ہونا یاد رہتا تھا۔ کیونکہ وہی ان تینوں میں آدھک بھوک آدھاری نکلا۔ بال اُس کے سنہرے ہونے کے ساتھ ساتھ گھنگریالے تھے۔ جیسے تمہارے۔ تم نے یہاں آکر نیکر نہیں پہنی ویسے ہی لگتے۔ اُس کے تمہارے ہی جیسے ہونٹ تھے چھوٹے پر شریر۔ ناک بھی ایسی ہی تھی۔ جیسی تمہاری۔ آخیر میں پہنچ کر ذرا کو بیچی دے کر اور ہچکچا کر پھر اٹھتی ہوئی سی“

”ناک مجھ جیسی کسی کی نہیں ہو سکتی“

”رقیہ بی بی کی ہے“

”اُس کی ہی تو ہے۔ کیونکہ وہ ہمارے خاندان سے ہوئی۔ ماں اور باپ دونوں کی طرف سے“

”اُس چھوٹے والے کی بھی عین مین تمہارے ہی جیسی تھی“

”اُس کی چھاتی پر بال تھے۔ کہ نہیں؟“

”نہیں“

”میری چھاتی پر تو ہیں“

"بالکل نہیں ہو سکتے - اچھا بہت ہیں یا کم؟"

"بہت کم"

"یعنی نہ ہونے کے برابر اسی لئے اگر میں نے بالکل نہیں کہہ دیا تو کیا غلط؟ ایک بات بھول گئی - اُسے کاٹنے کی عادت تھی - اور میں نے اس کا نام "کاٹو" رکھ دیا تھا - وہ اس نام سے چڑنے لگا - تو میں اُسے ہر تو ٹا کہنے لگی - وہ میرا چوکا (اگلے چار دانت) بہت چوما کرتا تھا۔"

"اور یہ بچکنے ہونٹوں کا تلیا یا چہرے پر ماتا کے یہ دو تین داغ نہیں"

"نہیں — وہ تمہارے جیسا باریک بین نہیں تھا"

"تمہارے تو کاٹنے کو جی چاہتا ہے"

"کہاں"

"کہاں کہاں نہیں"

"اور مجھے تمہیں نیکر پہنانے کو جی چاہتا ہے"

"کیوں"

"چکنی چکنی بے بال رانوں پر براجے ہوئے سوا دو یجائے گی - اور اسی طرح جراب پہنا کر گیٹس لگوانا چاہتی ہوں تاکہ تمہاری آدھی سے زیادہ پنڈلیاں بھی کھلی رہیں"

"ہمارے گھرانے میں کسی کو گھٹنے کھولنے کی اجازت نہیں - زنانہ میں تو اِس طرح کوئی طفل ملازم تک بھی نہیں جا سکتا - کھلے گھٹنے دیکھنے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے"

"مگر میں تو انہیں کھول کر دیکھوں گی"

وہ میری پتلون کا پائنچہ اٹھا کر پنڈلیاں اور رانیں کھول کر گھٹنوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولی:

"یہ گھٹنوں پر پٹیوں ایسے نشان کیا ہیں؟ اس کے بھی ایسے ہی تھے"

میں اُس کا چہڈار گلابی گھگرا ہٹا کر بدلہ لینا چاہتا تھا - مگر ہاتھ ابھی پنڈلیوں تک ہی پہنچے تھے - کہ وہ اٹھ کر کھڑی ہو گئی - اِس سے اور موقعہ مل گیا - اور میں نے گھگرا اٹھا

کہ اس کا جسم دُھر کولھوں تک کھول دیا۔ وہ جھٹ اپنے آپ کو ڈھک کر بیٹھ گئی۔ میں نے دریافت کیا۔

"کیا تم لوگ زیر جامہ نہیں پہنتے؟"

"گھگرے کے نیچے نہیں پہنا جاتا"

"کیوں چُبھتا ہے یا کاٹتا ہے؟"

"چُبھتا ہے نہ کاٹتا ہے —— رواج نہیں"

وہ قال و مقال کر رہی تھی۔ اور میں اُسے دیکھ رہا تھا۔ اُس نے بیچ میں مانگ نکالی ہوئی تھی۔ اور بھارت کی رسم کہن کو تازہ کرنے کے لئے گدّی پیچھے زرباف والا جوڑا بندھا ہوا تھا۔

مینڈھیوں تک کے بال پہاڑی فیشن میں زرد ریشمی رُومال سے ڈھکے ہوئے تھے کانوں کی طرف نگاہ جاتی تو وہ بالوں کے پس منظر میں ایسے لگتے کہ جیسے سیاہ مخملی ڈبے میں چاندی کے اُجلے ہوئے زیور سجے ہوں اور کنٹھی گھونگچیوں سے دُگنے بڑے ناپالی موتی گلے میں بات بات پر ہل رہے تھے۔

اَب سورج غروب ہو گیا تھا۔ مٹ میں سنکھ اور گھنٹوں کے ساتھ ساتھ دیودائیاں گانے ناچنے لگیں۔ پورب کے پہاڑوں پر سے طوفان اور بادل چڑھا آ رہا تھا۔ جھیل کشکولی میں کشتیاں تیزی کے ساتھ کنارے لائی جا رہی تھی۔ پھر بارش کے مقدمۃ الجیش ہوا نے چھوٹتے ہی لب ساحل دیوداروں کو بُری طرح جھڑجھڑانا شروع کر دیا۔ جھیل میں موجوں آئے سمندروں کی طرح گہری گہری جُھریاں پڑی ہوئی تھیں۔ مسہری کی چادر اُڑا کر سونا پر آ گری شیشے کا بڑا گلدان فرش پر گرتے ہی ٹوٹ گیا۔ میں اور سُونا کھڑکیاں بند کرتے پھرنے لگے۔ جب ہم الگ صوفوں پر آ بیٹھے تو ہوا سے دروازہ کُھل گیا۔ میں اُس کی چٹخنی لگا کر سونا کے صوفے پر آ گیا۔ وہ جھجک کر بولی۔

"دریں اثناء اگر وہ آ جائیں"

"کون؟"

"بی بی رقیہ"

"اُسے بڑے اچھے موقعہ پر آ ہر جانا آیا. اور پھر اُسے مغرب کی نماز پڑھنا ہے۔ وہ نہیں آئے گی۔ اُس میں ایثار بدرجہ اُتم ہے۔"

"چائے؟"

"چائے بھی نہیں آئے گی. میں تمہارے کھانے کو کہلوا دوں گا"

"دیر ہو جائے گی۔"

"یہیں سو جانا —— شام کے مہمان کو گھر سے نہیں بھیجا کرتے"

"پروائی چل رہی ہے۔ آج میگھا ضرور برسے گا۔"

"اور تم یہاں ضرور ٹھہرو گی. کیونکہ موقعہ بھی ہے دستور بھی ہے"

"نہیں"

میں نے یہ شعر پڑھتے ہوئے کہا کہ ؎

آئے ہو آج تو رہ جاؤ صنم رات کی رات
لیلۃ القدر سے بہتر ہے ملاقات کی رات

اُس کے ہاتھ اٹھا کر پہلے ناخن دیکھے. اور پھر معانقہ طلب نظریں اس پر ڈالنے لگا۔ وہ بولی:

"اگر بہت زور کی بارش ہونے لگی۔ اور میں رات یہاں ٹھہر جاؤں تو تب"

"اچھا اب یہ اور تب وہ"

"وہ کیا؟"

"جو تم سمجھ رہی ہو وہ"

"چائے ضرور آئے گی"

"اگر کمرہ بند دیکھا۔ تو لباس خانے میں رکھ کر چلے جائیں گے۔ یہاں کا یہی دستور ہے۔ آؤ پہاڑن جی ٹھنڈا کریں"

"ٹھنڈ تو ویسے ہی ہو رہی ہے۔ دھان کے کھیت کانپ رہے ہیں"

"سردی سے؟"

"ہاں"

"نہیں، ہوا سے"

"کالے بادل کے اندھیرے سے ڈر کر چڑیا بولنے لگیں۔ جھٹاس کی تیاریاں ہیں۔ مندر کے سنہرے کلس اور گیند کے پیچھے بڑی بھچنگی گھٹا تلی گھڑی ہے"

"تُلی رہنے دو ۔۔۔ اب تم چکر مکر چھوڑو گی کہ نہیں؟"

"شوالے میں سادھو ڈورُو بجانے لگے"

"بجانے دو"

"اچھا میں رات کو یہیں ٹھہروں گی"

"ٹھہرو گی؟"

"نہیں رات کو نہیں ٹھہر سکتی"

"نہیں ٹھہر سکتیں"

"نہیں ۔۔۔ میں تو تم سے یوں ہی وداع ہونے آئی تھی۔ پھر ہم کہاں اور تم کہاں۔ ہوائی جہازوں کی ملازمت ہے۔ سات سو روپے تنخواہ۔ الاؤنس۔ خوراک۔ لباس اور رہائش علاوہ۔ تقرر جہاں ہو سکتا ہے۔ میلان میڈرڈ۔ پیرس۔ جینوا۔ بنکاک"

"اور وہ ایک لاکھ پچھتر ہزار کا انعام"

"کراس چیک آگیا تھا۔ اُسے حساب میں جمع کرا لیا۔ دو تحفے لائی ہوں۔ یہ مندریاں۔ ایک تمہاری دوسری دلہن رقیہ بی بی کی"

"ان میں اول کون سی ہے"

"دلہن کی"

"تو میں ناقص چیز نہ لوں گی"

"ناقص تو نہیں"

"ایک تیسری بھی ہونی چاہیئے"

"کس لئے "

"بیجا پوری کے لئے جسے تم نے پکڑوایا تھا "

"اور مس جاودانی کے لئے نہیں "

"اب تم نے ہمیں ناراض کر دیا۔ ہم تمہیں سزا دیں گے۔"

"کیا اب اُس کا ذکر تک پسند نہیں ؟"

"تمہیں سزا ملنی چاہیئے "

"بتاؤ کیا ؟ - یہ کہہ دیجئے جو آپ چاہیں "

"جو میں چاہوں "

"سزا ملزم کی مرضی سے نہیں دی جایا کرتی۔ اس لئے اختیار صرف مجھ کو ہے ـــــ ہے ؟"

"نہیں "

"اب تمہاری نہیں چلے گی۔"

"اس لئے۔ کہ میں آپ تمہارے پاس چل کر آئی ہوں "

"اچھا تمہیں سزا نہیں دیتا۔ مگر تم نے مجھے اچھی تو کہہ ہی ملنے کا تحفہ تو دیا ہی نہیں۔ اگر ہے۔ تو دو "

"اس کا تو مجھے خیال ہی نہیں رہا۔"

"اِس کا میں خود خیال کروں گا ـــــ مینہ آ گیا۔ چھما چھم برس رہا ہے ـــ پیار کی بارش ہونی چاہیئے ـــــ وداع ہونے آئی ہو۔ خبر نہیں کہاں کی کہاں جاؤ۔ میلان میڈرڈ۔ پیرس۔ جنیوا۔ ہنکاک۔ ہوا سے باتیں کرو گی "

"وہ نماز پڑھ چکی ہوں گی۔ چائے بھی ابھی نہیں آئی "

میں نے گودی میں ڈال کر اس کے خوش ساخت ہونٹ دانتوں تلے کر لئے۔ جس سے اُس کا بوستان افروز چہرہ روشن تر ہو گیا۔ وہ مواصلت آمادہ نگاہیں چھپلا کر مجھ پر ڈالتے ہوئے بولی۔

"غیر شائستہ تیزی اچھی نہیں۔ آنا وُ لاسو باڈلا۔ جھٹ پٹ کی گھانی۔ آدھا تیل آدھا پانی۔ ٹھہریئے بڑا اُپکار ہو جائے گا"۔

"کیا؟"

"میں اپوتر (ناپاک) ہو جاؤں گی۔ ادھیراج میری جات کے ہوتے تو میں تمہارے ساتھ گندھرپ کر لیتی۔ تم تو منحتون ہو"۔

حدِ فاصل عبور ہونے کو تھی۔ تیر بہدف ہو جاتا۔ یعنی بدی بدی میں جادو اثر اور نشاط خیز الحاق۔ اُس کے سینہ کے خزانے لوٹ مار کے لئے حاضر تھے۔ اور وہ تڑپھڑا بھی نہ رہی تھی۔ مگر کھانچا پڑا۔ چائے آ گئی۔ اور دروازہ کھولنا پڑا۔

وہ بے تعلق سی بیٹھ کر اپنی چوٹی کے زرناب پھندنے کو ٹھیک کرتے ہوئے کہنے لگی:

"اچھا ہوا"۔

"کیا؟"

"اُتر ہری (بادِ شمال) نہیں چلی جو برف کے ملک سے آتی ہے ورنہ جاڑا بڑھ جاتا"۔

رقیہ کی انگوٹھی کم از کم تخمینے سے پانچ ساڑھے پانچ ہزار کی ہو گی۔ اور جو اتنا قیمتی تحفہ لائے اُسے الغاروں پڑتے پانی میں نہیں نکالا جا سکتا۔

سونا بہت مصر تھی۔ کہ اُسے کسی طرح جونسار اور باور ہوٹل پہنچایا جا سکے۔ مگر پہنچایا کیسے جاتا؟ پانی چڑھے ہوئے تھے۔ نزدیک ترین رکشا اسٹینڈ یہاں سے دو میل گھنٹے گھر پر تھا۔ اور ایسی بے پایاں بارش۔ برفیلی ہوا اور ہڈیوں کی گلی تک جما دینے والی سردی میں کون رکشا لینے جاتا۔ علاوہ ازیں سونا کے خزانوں پر کوئی چور تو پڑ نہیں رہے تھے۔ کہ جن کی پہرہ داری کے لئے وہ جاتی۔ اور ضرور جاتی۔ پر ابھی تک یہ طے نہیں پایا تھا۔ کہ وہ تا لیکوٹہ میں ٹھہرے گی۔

رات کے کھانے پر بڑے گوشت کے شامی کباب تھے۔ ہنٹر بیف۔ مرغ کا میوہ دار قورمہ اور مرغ ہی کی سہ گوشتہ بریانی۔ میٹھے شیرمال۔ بٹیر کا بھنا گوشت زعفران میں رنگی ہوئی رومالی سویاں مزعفر۔ پرول اور مٹر کی ترکاری۔ کٹے ہوئے ٹماٹر کوتھمیر۔ پیاز۔ ادرک۔ سلاد۔ جس پر لیمو نچوڑا ہوا تھا۔ شہد میں پڑے ہوئے شاہی ٹکڑے انناس کی پڈنگ۔ چاندی کی طشتریوں میں دیسی مٹھائیاں قلاقند۔ گھیور۔ برفی۔ پیٹھا اور پھلوں میں سردہ۔ انگور اور آم۔

سونا نے کباب اور ہنٹر بیف نہیں کھایا۔ دونوں کتاب رو، زیبا سرشت لڑکیاں اور میں آمنے سامنے بیٹھے تھے۔ رقیہ کا حسن آسمانی تھا۔ پہاڑن کا شیطانی ہسبوق الذکر قرآن کی طرح احترام کے قابل تھی۔ اور دوسری شبا تروز چوسنے چبانے کے لائق۔ ابھی بڑے زور کا مینہ پڑ رہا تھا۔ برآمدے کے ٹین سے ریل گاڑی جیسی گنجار آرہی تھی۔ ملازم جو دوسرے کمرے سے کھانا لاتے تو سردی سے کانپتے ہوئے۔ اس لئے سوناتا لیکوٹہ میں شب بسر کرنے والی تھی۔ پر ابھی تک یہ طے نہیں پایا تھا۔ کہ وہ کہاں سوئے گی۔ مگر یہ فیصل شدہ امر تھا۔ کہ میرے پاس نہیں۔ تو پھر اُس کے ٹھہرنے سے فائدہ۔

مہمان کا بستر مردانہ خواب گاہ میں لگایا گیا۔ رقیہ بھی آج وہیں سو رہی تھی۔ مگر تھوڑی دیر بعد اُس کا بستر چلا گیا۔ کیونکہ خالہ جان نے اُسے کبھی الگ سونے کی اجازت نہیں دی تھی۔ پھر مجھے کہلا دیا گیا۔ کہ مردانی خوابگاہ میں کچھ پڑھنے کو بھیج دیں۔ کیونکہ وہ تنہا سو رہی ہیں۔

"رقیہ" میں نے کہا۔ "دھینہ بھاگ ہے۔ دھینہ بھاگ"۔

جب سونا پڑ گیا۔ تو میں نے اٹھ کر مردانہ خوابگاہ کے دروازے پر انگشت شہادت ماری۔ دروازہ نہ کُھلا۔ تو مجھے فکر ہوئی کہ یہ صبح تک نہ کھلے گا۔ کیونکہ سونا سے کوئی بات طے نہیں ہوئی تھی۔ زور سے میں دھمدھما نہیں سکتا تھا ——— اکیلی لڑکی

—— دوسرے کا گھر —— رات کا سماں —— برکھا کا زور —— کیا خبر کون کھٹکھٹا رہا ہے؟ —— مگر بعض دفعہ دو روحوں میں بلا کسی توصل کے رابطہ پیدا ہو جاتا ہے اور سونے والی کے دل نے اُسے بہ اصرار بلیغ سمجھا دیا۔ کہ یہ انگلی جو کواڑ پر پڑ رہی ہے۔ صرف طاہر کی ہے۔ اور کسی کی نہیں۔

دروازہ کھُل گیا۔ سونا نے مجھے دیکھتے ہی پوچھا:

"یہاں آنے کی تکلیف کیوں گوارا کی؟"

"آنا تو نہیں چاہتا تھا۔ یعنی جس طرح آپ ٹھہرنا نہیں چاہتی تھیں —— مگر آنا پڑا"

"نہ آتے"

"آتا کیسے نہیں۔ اکیلے میں طبیعت گھبرا رہی تھی۔ تم میرے ساتھ چل کر سوؤ"

"میں؟ رقیہ کو بلا لو"

"بلا دو —— مگر میں تمہیں زحمت نہیں دینا چاہتا۔ یہیں لیٹ جاؤں گا"

"ابتری پھیلانے کے لئے"

"خدا نہ کرے"

"تو اور دل میں کیا سمائی ہے؟"

"دل میں تو کچھ نہیں سمائی مگر طبیعت بہت بری طرح بھٹک رہی ہے"

"کب سے"

"جب سے تم میری ٹانگوں میں مٹھیاں بھرتیں بھرتیں بن تیتر کی طرح اُڑ گئی تھیں۔"

پھر وہ سبھاس چندر بوس کی آزاد ہند فوج کا قومی گیت گانے لگی ہے

باس سے بھرپور ہوائیں جیون میں رُت لائیں

بھارت نام سُبھاگا ——

سامنے بستر لگا ہوا تھا۔ کمرے کو معطر کرنے کے لئے خبر نہیں کتنے مشمومات

خرچ کئے ہوں گے۔ سفید ریشمی چادر کے پلوؤں پر رنگین انگوری بیل کڑھی ہوئی تھی۔ اور بیچ میں ہسپانیہ کے قومی کھیل جنگِ ترگاؤ کے سین تھے۔ پائینتی عطرِ حنا میں بسا ہوا چھچھاتا دگدگاتا عروسی لحاف پڑا تھا۔ اور سرہانے اس شعر والا تکیہ۔

مگر بستر کی سردار تو پہاڑن بنی ہوئی تھی۔ جس نے میری کھٹ کھٹ پر مسہری سے کود کر دِن کا لباس پہن لیا تھا۔ اُسے اِس میں کیسے نیند آسکتی ہے۔ اگر اُسے سونا تھا۔ تو صرف ادھ کھلی رانوں والا زیر جامہ اور بلا آستین کا بنیان پہن سکتی تھی۔ بلکہ یہ بھی نہیں۔

"فی الحال بارش کا زور ٹوٹ چکا تھا۔ بوند بوند برس رہی تھی۔ اور ہوا کے زور سے سڑکِ گلیشیئر پر کھڑے ہوئے کئی پرانے دیودار گر چکے تھے۔

جب میں نے کھڑے کھڑے ہی اُس کے نیچے اوپر کے ہونٹ باری باری سے چُومے تو اُس نے شکائتی انداز میں کہا۔

"مجھے رقیہ بی بی سے شرمندہ نہ کیجئے"

مگر جب افراط کاری کا زور ہو۔ تو کون کسی کی سنتا ہے۔ اندرونی طور پر وہ خود گداختنی ہو رہی تھی۔ اور ادھر نفس کا سفاک دیوتا اُسے سرِ نیزہ رکھنے کو دم بدم تیار ہو رہا تھا۔ اُس کا چہرہ تو سہارن پور کے گلابی مائل پیوندی لوکاٹ ایسا تھا۔ باقی جسم کچے ناریل کی طرح جیسا سفید اور وہ بے حد مستی میں آئی ہوئی تھی۔

اب مردانہ خوابگاہ میں دو مخالف ریلوے انجن ٹکرانے کو تلے ہوئے تھے اور پانی بھی گویا آبشارِ نیاگرا کی طرح چادروں پڑ رہا تھا۔ حسن و بہار اور وصل و شباب موجیں مارنے کو تھے۔

رقیہ جاگتی ہوئی پڑھ رہی ہو گی ؎

اے مہ تو ہم کو تجھ سے الفت دیرینہ ہے

شفقت کا کچھ پتہ نہیں تھا۔ بیجو کو راج کنور نہ ورہ آور خان جھٹک چھاڑ رہا ہو گا

اوہ بیجو جانی!

دونوں یوں ہی کب تک کھڑے رہتے۔ جبھی کے جبھی اُس کا چنڈرا گھگرا فرش پر اس طرح لاچار پڑا ہوا تھا۔ کہ جیسے کسی غازی کے ہاتھوں کوئی کافر مُوا پڑا ہو۔ بیجو دیکھتی تو کہتی مہاراج رام راج کا سر حسین نظام شاہ نے جُدا کر دیا۔ یہ دھڑ ہے۔ زیر جامہ نہ چُبھتا ہے نہ کاٹتا ہے۔ مگر پہاڑنیں اِسے پہنتی نہیں۔ نقرئی رنگ کے اونچے قمیض اور بنیان کا بھی ازالہ ہو چکا تھا۔ یہ دونوں مسہری کے تکیہ پہ تھے۔ اُجلی کایا کی لاغر میانی کو بھرے بھرے کولہوں کا اتصال خوب بڑھا چڑھا کر دکھا رہا تھا۔ آخر الامر وہ لاڈ میں آکر اُدھلا پڑی۔ ہم ایک جان ہو جاتے۔ مگر احیاناً میری نظر میز پہ گئی۔ جہاں قرآن شریف رکھا تھا۔ مجھے بیقراری سی ہونے لگی۔ اُس نے کہا۔

"آپ کو اُچھو چڑھ گیا؟"

"نہیں"

"تو ململا سے کیوں رہے ہیں؟"

"کلام پاک سامنے رکھا ہے۔ اس کی موجودگی میں آرزو نہ نکال سکوں گا"

"کس لئے"

"افتادِ طبع اور ماحول کا اثر ہے"

"تو پھر اِسے کہیں چھپا دو"

میں قرآن مجید کو الماری میں بند کر کے سونا کے پاس آگیا۔ مگر نشاط انگیزیاں اب بھی ادھ کچری رہیں۔ میں دوبارہ بستر سے اٹھا اور جھما جھم برستے ہوئے پانی میں سے گزرتے ہوئے کتاب اللہ کو اپنے کمرہ میں رکھ آیا۔

اس وقفہ میں پہاڑن کپڑے پہن کر آرام کرسی پہ بیٹھ چکی تھی۔ اس نے مگراپن شروع کر دیا۔ اور کرسی سے اِس طرح چمٹ گئی کہ جیسے کوئی بے شرم وزیر باوجود ووٹ عدم اعتماد پاس ہونے کی جگہ نہ خالی کرے۔

اور انجام کار

صبح رقیہ کو تلاوت کے لئے قرآن کی ضرورت ہوئی۔ اُس نے آپ جا کر مردانہ خوابگاہ کا دروازہ آہستہ سے کھولا۔ سونا مکھی رات بھر کی نیند پوری کر رہی تھی۔ قرآن نہ میز پر ملا نہ کہیں اور۔

میں خود چائے کے وقت حسبِ معمول نہا کر تیار بیٹھا تھا۔ اگر سوتا ہوا ہوتا تو ملازم تجسس کرنے لگتے کہ یہ رات کو کیوں جلگے ہیں۔ انہوں نے ہی "چھوٹی بی بی جی" کو جا کر خبر دی کہ قرآن میرے کمرے میں رکھا ہے۔ رقیہ نے قرآن میرے پاس سے نہیں اٹھوایا۔ نہ میں نے اُس کے پاس بھیجا۔ وہ اس نقل و حرکت کی وجہ تسمیہ معلوم نہیں کر سکتی تھی۔

باب ۱۷

الفاظ	معنی
بھوگ آدھاری	کثرت مباشرت کرنے والا
آدھک	زیادہ
ہرنوٹا	غزالہ - ہرن کا بچہ
چھٹاس	موسلا دار بارش
گندھرپ	عشقیہ شادی

باب ۱۸

شفقت کے آنے کے دس دن بعد اور ہلا چلی سے پچیس دن پیچھے مٹ میں جھنڈے کا میلہ لگ رہا تھا۔ خلقت جمع تھی۔ پہاڑی رنگ برنگ کی چھڑیاں لئے ڈھول بجاتے ہوئے آ رہے تھے۔ سورج نکلا ہوا تھا۔ نرس شفقت والی مُنڈھیا پر بیٹھی ہوئی تھی۔ رقیہ اور میں الگ الگ گاؤ تکیوں پر سہارا لئے ہوئے نیم دائرہ نما بلند شہ نشین پر —— ہم تینو میلہ دیکھ رہے تھے۔

پھر یک لخت بادل گھمنڈ آیا۔ اور دھوپ میں بارش ہونے لگی۔ صحن میں الگنی پر کپڑے سوکھ رہے تھے۔ نرس کو انہیں سمیٹنے کے لئے جانا پڑا۔ یوں رقیہ اتفاقیہ اکیلی رہ گئی۔ ورنہ اُس کا وطیرہ یہ تھا۔ کہ کبھی میرے پاس تنہا نہ آتی۔ اور نہ ہی کبھی آمنے سامنے مشافہتہ" بیٹھتی۔ ہمارے مختلط ہونے کا سوال ہی نہیں تھا۔

اس وقت مٹ کے شوالہ میں پہاڑی دیوداسیوں نے بڑا مست اور سرشار کن بھجن اور ناچ شروع کیا۔ رقیہ مجھے انہیں میں کی ایک دیوداسی معلوم ہونے لگی۔ دکھنی پربت پر میلوں پھیلے ہوئے بیلدار گلاب اور جنگلی پھولوں سے مسافت طے کر کے طویل و عریض سطح آب سے گزر کر آنے والی ہوا نے کمرہ مہکا رکھا تھا۔ جھیل پر کھلنے والی کھڑکیوں کے سوسنی پردے تھرتھرا رہے تھے۔ اور باہر موتیوں ایسے

پروں والے کستورے ٹرٹر کرتے ہوئے اُڑ رہے تھے۔

شوالہ کے صحن میں پھرنے والے سادھوؤں کا لباس گیروا تھا۔ وہ بھوج پتر کی ہمیشہ کھُلی رہنے والی چھتریاں لگائے کھڑاؤں پہنے کھٹ کھٹ کرتے سُرخ نیلے اور سنہرے جھنڈے تلے پھر رہے تھے جس کا کپڑا پورے تھان کا ہوگا۔ کچھ فقیروں کے پاس بہنگیاں تھیں۔ جن کے پلڑوں سے لگا کر ڈنڈی تک زرق برق غلاف چڑھا ہوا تھا۔ ایک پلڑے میں مورتی رکھی تھی۔ اور دوسرے پلڑے پر ٹال بج رہا تھا۔ رقیبہ اِن پر بیلنس رہی تھی۔

میں اُس کے چمن بے نظیر چہرے کی طرف دیکھنے لگا۔ وہ بڑی خوش کار اور سجیلی نظر آئی۔ چھلکا اتری ہوئی لیچی یا اُبلا ہوا انڈا اُسے کون کہہ سکتا تھا۔ وہ تو گل کا گل بنی ہوئی تھی۔ بلکہ گلِ نورسنہ۔ ہلکی ہلکی۔ خنداں۔ چنا ہوا بینگنی ڈوپٹہ کندھے پر ڈالے۔ اریب کا گلناری پاجامہ پہنے۔ جس پر طلائی پازیب چڑھی ہوئی اِترا رہی تھی۔ عنابی کرتی اور طاؤسی رنگ کا بلا آستین سویٹر زیبِ بدن کئے۔ اور کاسنی جرابوں پر چمکدار سیاہ گرگابی پہنے۔ اُس کے گلے میں جامنی دولڑا تھا۔ اور وہی نازک نازک ہاتھ جن کی دوہتّی میرے دشمن کے لئے فوری شکست کا سبب بنی تھی۔ باریک باریک شربتی چوڑیوں سے کھچا کھچ بھرے ہوئے تھے۔ اور اندھیری ابرِ سیاہ دُنبالہ دار چوٹی میں زری کا تابندہ موباف پڑا ہوا تھا۔ کیا بتاؤں وہ کیسی لگ رہی تھی۔

اُس کے سینہ پر جو علیحدہ علیحدہ مسرتوں اور لذتوں کے دو مستقر تھے۔ اُن کا احساس مجھے آج ہی ہوا تھا۔ اتنی لامنتہا دل فریبیوں کے ہوتے ہوئے بھی اُسے کفر سامان نہیں کہا جا سکتا تھا۔ وہ کلام پاک کی سورۃ رحمان۔ حٰمٓ کٓھٰیٰعٓصٓ۔ والیل اور والضحٰی تھی۔ اُس کا حسن باوجود دلکش بہار ہونے کے مستی وسکر و عاشق کشی سے پاک تھا۔ وہ واقعی سحرِ حلال تھا۔ اور شگنی۔ کشنی۔ وہاب۔ بیجو۔ سونا مکھی اور بالکہ شفعت بھی۔ یہ سب کی سب سحرِ حرام تھیں۔

اُسے دیکھتے ہوئے پلکارے بھر کے لئے بھی آنکھ جھپکانا دشوار تھا۔ کیونکہ اِس

عرصہ کے لئے بھی کیوں اُس کی دید سے محروم رہے۔ اُس کا یہ سبھاؤ دیکھ کر میں بے تمیزی سے اُس کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

"تم تو آج کل ربڑ کی گیند کی طرح گدّے ٹپّے کھاتی پھرتی ہو۔ اُور رکی (اُس کا پیار کا نام) کیا تم غازہ لگانے لگیں؟"

رومال گال سے رگڑتے ہوئے۔

"لو یہاں کچھ بھی نہیں"

"پوچھن کا مجھے یقین نہیں۔ چہرہ مبارک کو ذرا اب مجھے دیکھنے دیجئے"

"آپ کو نہیں دکھاؤں گی۔"

"دکھانا پڑے گا"

"کیوں دکھانا پڑے گا"

"اس لئے کہ اسے دیکھ کر میرا وجدان بیدار ہو جاتا ہے"

"میں تو ہرچند نہیں دکھاؤں گی"

"چتون چڑھا کر بڑا سا منہ کیوں بنا لیا۔ جیسے کوئی اکھٹو کھٹا آم چوس رہی ہو"

"ان تلوں تیل نہیں"

"تیلی نکال لیتے ہیں"

پھر میں نے اس کا پہونچا پکڑتے ہوئے کہا:

"ان ہاتھوں کو کنچن روپ ہی چھوڑ دیا۔ ان کا کیا قصور۔ کیا مہندی نہیں جڑتی؟ حنا کا چہچہا عجب رنگ لاتا"

اُس نے دوسرے ہاتھ سے پہونچا چھڑانا چاہا۔ مگر گرفت سخت تھی۔ اس لئے کاٹنا چاہا۔ میں نے اس کی کلائی چھوڑتے ہوئے شکایت کی۔

"کٹ کھنی رُکی۔ مجھے تم پر مخصوص استحقاق حاصل ہے۔ اگر تم مجھ سے منسوب نہ ہوتیں۔ تو تمہارے ڈھاٹی دے دیتا۔"

اُس نے پھر منہ بگاڑتے ہوئے جواب دیا:

"مجھے آپ کی ٹیڑھی بینکی باتوں اور ارادہ ہائے فاسد سے ڈر لگ رہا ہے۔ آپ کو بے لگام ہو جانے کی عادت ہے۔ اور آپ فاؤل زیادہ کھیلتے ہیں،،

"میں تو تمہیں فاختہ بے نوا۔ کم سخن۔ صالح۔ نیک بخت۔ سعادت آثار۔ نرم اور ملائم سمجھتا تھا۔ مگر تم تو بڑی نا استوار۔ فتنہ نشان۔ حیرت خانہ۔ بے فیض۔ ابخل۔ نا فرمان بردار۔ حجتی اور بے دید لڑکی ہو،،

"خوب صلواتیں سنائیے۔ گھڑ گھڑ کے گالیاں دیجئے۔ مغلظات کی فرہنگ آصفیہ ختم کر دیجئے۔ جو آپ کی دم سازی نہ کرتے۔ اور آپ کی پٹیوں میں نہ آئے۔ اُسے آپ نا استوار۔ فتنہ نشان۔ اور بے دید ہی کہیے گا۔ میں ابر تر نہیں،،

"سوکھا بادل تو میں نے کبھی نہیں سُنا۔ البتہ ابر رواں سُنا ہے۔ اُس میں کوئی سیل نہیں ہوتی۔ تم دغا باز ہو،،

"آپ بُت باز ہیں۔ اور بدنیت بھی "

"اچھا کٹھور اور شیوہ بیان لڑکی ایک بات سنو،،

"اس وقت آپ کی طبیعت بپھری ہوئی ہے۔ سودا اچھل رہا ہے۔ شرارت پر آئے ہوئے ہیں صورت غاصبانہ سی ہو رہی ہے۔ اس لئے یہ موقع کوئی بات سُننے سنانے کا نہیں،،

"تم تو نہایت خاکساری اور بے عذری دکھاتی پھرا کرتی تھیں۔ جیسے تمہیں میری کسی فرمائش سے سرمو انحراف نہ ہوگا۔ مگر تم تو میکھین نکالنے لگیں۔ مجھ سے سرتابی جائز نہیں کیونکہ میرا تم پر استحقاق ہے تمہیں سمعنا و اطعنا کا سبق خوب اچھی طرح یاد ہونا چاہیئے،،

"آپ تو جب خوش ہوتے۔ جو میں آپ کے ساتھ لیلیٰ مجنوں کا کھیل کھیلتی پھرتی،،

"جب تو ہمارا رواں رواں آپ کو دعا دیتا "

"مجھے آپ کی دعائیں مطلوب نہیں "

"اور کس کی مطلوب ہیں،،

"آپ اپنی "

"آپ اپنا علاج نہیں ہوا کرتا"

"علاج نہیں ہوا کرتا ہوگا۔ دعا ہو سکتی ہے"

"پسینہ پسینہ کیوں ہوئی جا رہی ہو؟"

"نہیں تو"

"ہیں تو تمہیں بڑی سیر چشم سمجھتا تھا"

"جی ہیں طوطا چشم ہی اچھی"

"سیر چشم کا نقیض طوطا چشم نہیں۔ دانہ زدہ ہے۔ یعنی خسیس کنک۔ لئیم الطبع تم بڑی اکھڑ۔ سڑیل۔ اور بدلگام ہو۔"

"بجا فرماتے ہیں آپ"

"تم سے کوئی امید خوش دلی نہ رکھتے۔ دلفزائی تم سے کوسوں دور ہے۔ ناعاقبت اندیش کہیں کی!"

وہ اٹھنے لگی۔ تو میں نے اُسے اپنا مخطط الوان بلیش کرتے ہوئے کہا:

"یہ اوڑھ لو۔ کہیں سردی نہ لگ جائے"

وہ کسی مرد کا کپڑا اپنے اُوپر کہاں لے سکتی تھی۔

پھر میں نے اُس کا خرمائی رومال چھین لیا۔ اور بیجو کی طرح کہنا چاہتا تھا۔ کہ

"رکی ذرا کو لانا اپنے ہونٹ۔ یہ اپنا مبیم لعل اور طراوت بخش رخسار"

مگر پہلے تو وہ چھوئی موئی کی طرح سکڑی۔ اور پھر ایک ہی پلکارے میں اس کے ابرو تن گئے۔ وہ سرو کی لچک دکھاتی ہوئی لجا کر بھاگنے لگی۔ تو میں نے اُس سے کہا۔

"اب تمہیں نہیں پکڑوں گا۔ صرف ایک بات سنتی جاؤ"

"فرمائیے"

"کچھ اَور حسین ہو گئے آپ

یہ بات نہ تھی ستم سے پہلے"

"سن لیا۔ اب جانے دو۔"

"بس ایک بات اور"

"اچھا"

"یاد ہے جب جیٹھ کی چاندنی میں سفید سفید بستر بچھے ہوئے تھے۔ گھڑونچیوں پر کاغذی کسوروں والے گھڑے۔ مولسری۔ گلِ شبو۔ اور گلِ چاندنی سے صحن مہکا ہوا؟"

"یاد ہے"

"یہ بھی یاد ہے جب شبنمی میں بیٹھے ہوئے طاق جفت کھیلا کرتے تھے؟"

"یہ بھی یاد ہے۔ اور تمہاری چلبلاہٹ بازی بھی یاد ہے۔ مجھ سے کھیل میں کبھی نہ جیتا گیا۔ مگر آپ کبھی نہ ہارے۔"

"یہ بھی یاد ہے کہ ستون دار مہتابی میں پھرتے ہوئے تم اپنے سائے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا کرتی تھیں کہ اوہو میں کتنی بڑی!"

"یہ بھی یاد ہے"

"یہ بھی یاد ہے۔ ہم چھت پر سے موسمی رَد کے کنارے ریت کے سفید سفید تودے دیکھا کرتے تھے۔ اور نظر کو ایسا معلوم ہوا کرتا تھا کہ جیسے یہ دُور سے لیا ہوا۔ اہرام مصر کا فوٹو ہو۔ ایک طرف شمال میں ڈھاکہ تھا۔ اور پھر دشت پوش پہاڑیاں۔ تم پوچھا کرتی تھیں۔ اس ریت پر بھی کوئی چڑھا ہے۔ میں بتایا کرتا تھا۔ کہ ہاں۔ جب جھڑیاں لگتی ہیں اور گڈریوں کے باڑوں میں خشک زمین نہیں ملتی۔ تو ان تودوں پر ریوڑ بیٹھا کرتے ہیں۔ تمہیں یہ یاد ہے؟"

"یاد ہے"

"یہ کہو مجھے یاد ہے۔ وہ ذرا ذرا۔"

"مجھے یہ یاد ہے وہ ذرا ذرا۔ مگر یہ تذکرے کیوں ہو رہے ہیں؟"

"اس لئے۔ کہ میں سوچتا رہتا ہوں۔ کہ اُن دنوں تم کتنی سادہ دل تھیں۔ اور اب آکر کیسی چاتر چہل گرہلی اور زہر کی چھری بن گئی ہو۔ پر قدرت نے تمہارا قد ہی نہ ٹیکا

کر دیا۔ یہ سقم ورزشوں کے ذریعہ دُور کیا جا سکتا ہے۔ تم لمبی ہو سکتی ہو۔ میں اس میں تمہاری مدد کر سکتا ہوں۔ مجھ سے سیکھ لو تم ایسی چند ورزشیں ـــــ آؤ ابھی کچھ عملی سبق پڑھا دوں"

"ورزشیں! سلام ہے۔ آپ تو کسی اور بات کے درپے نظر آتے ہیں۔ چہرے سے فکرِ ناثواب اور جارحیت کا بیّن ثبوت مل رہا ہے۔ شائد آپ اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔ کہ میں آپ کے جارحانہ عزائم سے واقف نہیں؟"

"تم لڑکی نہیں۔ تتّیا مرچ ہو۔ اور ڈاڑھ تلے دبا کر سُرمہ بنا ڈالنے کے قابل کچل ڈالنے کے قابل"

وہ چھوٹ کر بھاگ گئی۔

رقیہ بڑی جاندار لڑکی تھی۔ اور اُسے معلوم تھا۔ کہ ایسے موقعوں پر دڑھ رہنا چاہیئے کیونکہ کمزوری دکھانا جارحانہ حملوں کی دعوت ہے۔ اُس کا پکڑ کر قابو میں رکھنا جنگلی بلی کا حریر و پرنیاں میں گھٹڑی باندھنا تھا۔

جاپانی بنٹم کا یہ غمزہ چالاک مجھے ہاتھ کر کے لے گیا۔ ذرا دیر بعد اُس نے نرس بھیجی۔ کہ رومال دے دو۔ میں نے اُسے ٹال دیا۔ کہ ہوا اڑا کے لے گئی۔

اب اُس نے مجھ سے پورا پورا کنارہ کر لیا۔ اور بے التفاتیاں شروع کر دیں۔ گویا سب تعلقات القط ہو گئے۔ دن بھر میں نے اُسے نہیں دیکھا۔ اس گھر میں بلکہ دنیا میں اب سوائے رقیہ کے دم کے میرے لئے کچھ باقی نہیں رہ گیا تھا۔ اِس لئے میں اُس کی نامہربانگی اور ناروا داری سے تلملا اٹھا۔ اُس کی رس بتیاں سننے کو طبیعت پھڑک رہی تھی۔

تیسرے پہر میں نے اِس نادہندلڑکی کو ایک عطر بیز کاغذ پر صرف یہ لکھ کر بھیج دیا۔

یہ بدنصیب نگاہیں سلام کہتی ہیں

از :۔ مسلوب الاغتیار

اس نے مسلوب الاغتبار کے نیچے تیر کا نشان بنا کر قرآن کی آیت لکھ دی۔

(مسلوب الاعتبار و اللہ یحب المتطہرین)

اللہ پاک صاف رہنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ میرا نام طاہر ہے۔ طاہر مطہر متطہرین ایک ہی مادے سے ہیں۔ اور اُن کا مشتق بھی ایک ہی ہے۔ اس لئے یہ میری جانب لطیف اشارہ تھا۔ میں نے واللہ یحب المطہرین کے نیچے دوسرا تیر کھینچ کر لکھا۔

(فیہا سُرُ ومرفوعہ) (اس کے درمیان بلند تخت ہیں) یہ سورۃ الغاشیہ کی آیت ہے۔ جب رقیہ قرآن حفظ کیا کرتی تھی۔ تو لفظ سُرُرُ ادا کرتے ہوئے۔ اس کے ہونٹ کے ہلتے۔ تو مجھے ہنسی آیا کرتی تھی۔ اب مزا آتا ہے یہی لفظ "سُرُرُ" قرأت سے پڑھوا پڑھوا کر اُس کی تضحیک کیا کرتا تھا۔ بعد میں میں نے اُس کا نام ہی "سُرُرُ" رکھ دیا۔ اور وہ اِسے سن کر رونے لگتی تھی۔ سورۃ رحمٰن کی آیت "مدھامتان" کو بطور نعرہ کھڑے ہو کر پڑھتے ہوئے ہم دونوں اس طرح اُچھلا کرتے تھے کہ جیسے اونچی چھت کو ہی تو ہاتھ لگا آئیں گے۔

اب شفقت کا نمبر میری آنکھوں سے گر گیا تھا۔

شام ہوئے بادل پھٹ گئے۔ یہ چودس کی رات تھی۔ اور جمعرات کا دن جھیل کشکولی میں شکاروں پر بیٹھے ہوئے ہزارہا مرد وزن چاندنی میں گا بجا رہے تھے۔ دھوم دھام نصف شب تک جاری تھی۔ کہ میں نے غرفہ بند کر لیا۔ میں سوچ رہا تھا۔ کہ یہ "رکی" خدا اِسے غارت کرے۔ یہ بھی کسی کام کی نہ نکلی۔ بھلا اگر یہ میرا کہا مان جاتی تو اس کا کیا بگڑ جاتا۔ میرے منہ سے یہ بول نکل رہے تھے ؎

جب نیند ہی نہ آئے تو اور کیا میں کرتا
سوتے ہوئے اٹھا کر بلوا لیا ہے اُن کو

مگر رقیہ کو تو اگر حضرت جبریل بھی بلانے جاتے تو نہ آتی۔ پھر میں سو گیا۔ میرے خواب میں رقیہ آئی۔

میں نے چھوٹتے ہی کہا:

"دِل ستانم!"

"یہ کسے خطاب کیا جا رہا ہے؟"

"جو دل ستاں ہے ——— یعنی تم"

"اب تمہارے پاس ٹھہرنے کا دھرم نہیں رہا۔ چلیں اب یہاں سے۔"

"اجازت نہیں"

"کس کی؟"

"ہماری"

"کیسے روکئے گا"

"جا کر دیکھئے۔ آج مجھے تمہارے متشرع پنے کی دھجیاں اڑانی پڑیں گی"

"مجھے پہلے ہی اپنے عدم تحفظ کا احساس ہو گیا ہے۔"

وہ جانے لگی۔ تو میں نے کھچی بھر لی۔ بجائے چھوٹنے کی کوشش کرنے کے۔ وہ صرف تلملانے لگی۔ اُس کا ارادہ بھاگنے کا نہیں تھا۔

ابھی خواب چل ہی رہا تھا۔ کہ دروازے پر دھیمی دھیمی دھمک معلوم ہوئی۔ ایسا لگتا تھا۔ کہ جیسے کوئی بہت دیر سے کھٹکھٹا رہا ہو۔ اور اس ڈر سے کہ اوروں کو خبر نہ لگ جائے۔ ہاتھ بہت ہلکے پڑ رہے تھے۔ اُدھر پیر بھولے شاہ کی خانقاہ میں ابھی تک قوالی جاری تھی۔ ے

مرحبا آج کی شب صلِّ علیٰ آج کی رات
وصلِ محبوب ہے منظورِ خدا آج کی رات

میرے دماغ میں ایک سماں سا بندھ گیا۔ کیونکہ اوّل تو وہ خواب اور پھر یہ برمحل قوالی۔ میں سمجھا کہ واقعی ے

وصلِ محبوب ہے منظورِ خدا آج کی رات

اور رقیہ پہنچ گئی ہے۔ پر دروازہ جو کھولا تو رقیہ نہیں۔ بلکہ دُبا نکلا۔ مجھے بڑی ناامیدی ہوئی۔ اور جھلا کر پوچھا۔

"اس وقت کیا کام ہے؟ کیوں آیا؟"

"آپ کو بی بی بُلا رہی ہیں"

"کون بی بی؟"

"جی اپنی بی بی"

"خالہ جان؟"

"جی نہیں۔ بیگم صاحب نہیں۔ بی بی"

"کون سی بی بی؟"

"جی رقیہ بی بی"

"جھوٹ۔ جا"

"جی نہیں۔ وہی بلا رہی ہیں"

"کہاں"

"اپنے کمرے میں۔ جہاں وہ سوتی ہیں"

"کیوں بُلا رہی ہیں؟"

"جی بُلا رہی ہیں۔ جلدی کیجئے۔ دبے پاؤں۔ کسی کو خبر نہ ہونے پائے"

"تجھ سے کس نے کہا؟"

"نرس آئی تھی"

"کب"

"اجی ابھی ابھی۔ میرے کوارٹر میں بیٹھی ہے"

"کہدے میں نہیں آتا"

دیا چلا گیا۔

اور میں سخت متحیر تھا۔ کہ رقیہ کی جان پہ کیا بن گئی؟ کہ اتنی بلبلا رہی ہے۔ کہ مجھے آدھی رات بلایا۔ کیا اُس کی پاک دامنی بھی محض شعبدہ تھا؟ اُس کا ایمان اور میرے ہاتھوں نقب زنی! میرے لئے اور لڑکیاں بہت۔ بیجو اور سونا کھی گئیں۔ تو جائیں شفقت نہیں مل سکتی تو کیا؟ وہ میری عم زاد اور خالہ زاد ہے۔ کیا اُسے اتنا بھی مترشح نہیں ہوا کہ

اس سے شادی کروں گا۔ اتنی تو بھولی نہیں۔ مگر صبر کہاں سے لائے۔ اُس میں اور بیجاپوری میں کیا فرق؟ ہاں اتنا فرق ضرور ہے کہ یہ خم در خم ہے اور وہ صراطِ مستقیم۔

یہ سوچ ہی رہا تھا کہ نرس آگئی۔

"طاہر میاں آپ کو بلبیا بلا رہی ہے۔ رُکی"

"رُکی بلا رہی ہے؟"

"چلے جائیے۔ دیکھئے وہ اپنی خوابگاہ میں نہیں۔ وہاں نہ چلے جائیے گا۔ سوتی وہیں ہے۔ اپنی امی کے ساتھ۔ اس وقت وہ آپ کو مردانی خوابگاہ میں ملے گی۔ جہاں آپ کے چچا جان سویا کرتے تھے۔ دیا بھی آپ کو کہاں بھیج رہا تھا۔ میں نے کہا کچھ، سمجھا کچھ۔ اور میری بلبیا کو بی بی کہنے لگا۔ بھلا وہ ٹُنکنی سی جان ابھی بی بی کہلانے کے لائق ہے"

"میں نہیں جاؤں گا"

"تو پھر وہ یہاں آجائے؟"

"نہیں۔ یہاں نہ آئے"

"آپ کی مرضی"

وہ چلی گئی اور جلد لوٹ کر پھر مجھ سے کہا،

"رکی کہتی ہے۔ کہ آپ کو یقین نہیں آرہا۔ لائیے اپنا خط لکھنے کا پیڈ جس پر آپ کا نام چھپا ہوا ہے سالم کا سالم دے دیجئے۔ اور اپنا ہی قلم۔ یہاں اس پہ کچھ لکھ کر نشانی کر دیجئے؟"

میں نے جواب دیا۔

"مجھے اس کی حکم برداری کی حاجت نہیں"

وہ صرف قلم اٹھا کر چل دی

تھوڑی دیر بعد سمجھتا گیا ہوں۔ کہ میرے پاس وہی دو تیروں والا پرچہ واپس آ رہا ہے۔ جو تیسرے پہر رقیہ کو بھیجا تھا۔ سُرخ کے نیچے یہ عبارت لکھی ہوئی تھی۔

جان عالم کیا قیامت ہے آپ کیوں نہیں آجاتے۔ اب بدنصیب لگا ہوں کو

سلام کہنے کی حاجت نہیں رہی۔ ذرا کی ذرا کو دبے پاؤں مردانی خوابگاہ میں آجائیے۔ بہتر ہے۔ کہ ربڑ کے تلے والا جوتا پہن کر آئیں۔ امی کی نیند بڑی نخرہائی ہے پتہ کھڑکنے سے بہ جادہ جا۔ پھر لاکھ منت کیجئے دور کھڑی ہوئی چڑاتی رہے گی۔ یہ تو آپ کو علم ہے کہ جلالیہ کی پوری آبادی میں مرغیاں پل سکتی ہیں۔ مرغ کوئی نہیں پال سکتا کیونکہ اس کی بانگ سحرگاہی سے امی جان کی نیند خراب ہوتی ہے اور کتا تو ایک بھی نہیں۔ جو رات کو بھونکے۔ آپ کی آمد کا انہیں پتہ لگ گیا۔ تو قیامت برپا کر دیں گی۔

تحریر بالکل تازہ تھی۔ اور میں رقیہ کا خط پہچانتا تھا۔

میں پھر بھی نہ گیا۔ اگر آنا تھا۔ تو اس طرح طاسے ڈھپرے بجوانے کی کیا ضرورت تھی! چپکے سے چلی آتی۔ کوئی بھی نہ جانتا۔ اور دوپہر کیا ہو گیا تھا۔ جو اب رنگ مچانے آرہی ہے۔

نرس چلی گئی۔

گویا اب پیغامبریوں کا اختتام تھا۔ میں رقیہ پر شفقت سے بھی زیادہ لعنت بھیج رہا تھا۔ کہ وہ پاؤں کے انگوٹھے پر چلتی ہوئی ننگے پاؤں خود وارد ہو گئی۔ دل میں چھلیں بھرے مگر اوپر اوپر سے متین بنی ہوئی۔ وہ ہانپ رہی تھی۔ اُس کا سانس اکھڑا ہوا سا لگتا تھا۔

اُس نے اپنا جادو بھرا جسم ایک ہمہ یک رنگ سبز لوئی میں چھپا رکھا تھا۔ مگر گلِ سرخ چہرے کی یہ شان تھی۔ کہ کرے سجدہ جسے بتخانہ چین اگر اس ملبوس میں وہ کہیں بازار چلی جاتی۔ تو سودا اسلف بکنا بند ہو جاتا۔

میں شرم کے مارے زمین میں گڑا جا رہا تھا۔ وہ آرام کرسی گھسیٹ کر بالکل میرے پاس بیٹھ گئی۔ اور خوش دہند چہرے پر ایک نظر رُباخندۂ گلبن آشکارا کرتے ہوئے کہا۔

"رومال لینے آئی ہوں۔ پر وہ تو اڑ گیا۔ دوپہر سے آپ کی کوئی خبر نہیں آئی تھی۔ اس لئے خوف تھا۔ کہیں آپ بھی نہ اُڑ گئے ہوں۔ اس پہاڑی ہوا میں اچھے اچھے اڑ جاتے ہیں۔ پچھلے سال سیاحوں کے ہوسٹل کا پورٹین گلیشئر میں جا بہا تھا۔

اچھا آج رات کیا انعام دیجئے گا؟

"کیسا انعام؟"

"دو دوست مل رہے ہیں"

"کون دوست"

"جو دو دوست ہیں"

"میرا کوئی دوست نہیں"

"وہ دوست ایسا نہیں۔ کہ اس سے ملا نہ جائے۔ "دُور دیس سے پنچھی آیا" ملئے گا تو تڑپ کر نہ رہ جائے گا۔ یہ سب ظاہر داری ہے۔ دوست سے مل کر کون خوش نہیں ہوتا"

"مجھے کوئی خوشی نہیں ہوگی۔ مہربانی فرما کر میرے پاس سے چلی جائیے"

"ورنہ آپ کو کیا کیجیئے گا"

"خالہ جان کی نیند خراب کرنی ہوگی"

"آئے ہائے۔ خدا کے لئے انہیں نہ جگا دینا۔ مجھے اور سبھی گھر والوں کو ذبح کروائیں گی۔ اور آپ عمر بھر کے لئے کسی قابل نہ رہیئے گا۔"

"ابھی تم نے مجھے کسی قابل چھوڑا ہے"

"ابھی تو آپ سب قابل ہیں"

"اچھا تو آپ بیٹھئے میں یہاں سے جاتا ہوں"

"اتنا غصّہ"

"اور کیا کروں؟"

"مردانی خوابگاہ میں چلیئے جہاں ابّا جان سویا کرتے تھے۔ وہاں کوئی نہ آئے گا۔ وہ جگہ زیادہ محفوظ اور یک طرفہ ہے۔ ہیٹر سے گرم اور لخلخے سے معطر کر کے آئی ہوں۔ بخورات سے بھی کام لینا پڑا۔ بستر گرم ہے اور بجلی کی روشنی میں دہکتا ہوا سرخ مخملی لحاف اندر سے کنڈی اور بینڈا لگا کر بیٹھئے۔

دودھ سے زیادہ سفید برفانی شہد اور شہد سے زیادہ شیریں زمستانی آم اور دوسرے پھل چُنے ہوئے ہیں۔ کچھ پینے پلانے کا بھی ٹھکانہ کر آئی ہوں۔ جلد چلئے دیر میں اندھیرا ہو جاتا ہے خوشی کی گھڑیاں برق پا ہوتی ہیں۔

اُس عیش نگاہ کا نقشہ اس کاغذ پر بنا کر لائی ہوں۔ یہاں پھُلوں کی میز ہے یہ دو کرسیاں ہیں۔ اُور دیکھئے۔ گویا یہاں بستر میں لیٹی ہوئی ایک لڑکی آپ کا انتظار کر رہی ہے۔ واللہ ے

وصل کی شب ہے نہ ہونے دیجئے تا حشر صبح
مرغِ زرین فلک کے آج شہپر توڑ ئیے

"جیسا تم سمجھتی ہو۔ میں ویسا نہیں"

"میں تو آپ کو ویسا ہی سمجھتی ہوں۔ جیسے آپ ہیں۔ بلکہ اُس سے بھی کچھ زیادہ یعنی دودھ کا دودھ۔ میں سمجھتی ہوں۔ کہ آپ کا مقام قاب قوسین سے بھی آگے ہوگا۔ آپ اللہ لوگ ٹھہرے۔ مگر شائد کبھی کبھار اسفل السافلین کی سیر بھی فرما لیتے ہوں گے"

"آپ جیسا سونا سکند ہونے کا دعویٰ میں نے کبھی نہیں کیا"

"دیکھئے زیادہ ناک بھوں نہ چڑھائیے اور کسی کا دل دکھانے سے آپ کو کیا مل جائے گا۔ کوئی کب تک آرزو مارے بیٹھا رہے؟ ے

مت ستا ظالم کسی کو مت کسی کی آہ لے
دِل کے دکھ جانے سے ظالم عرش بھی ہل جائے ہے

"بڑا ہی بازارو۔ عامیانہ، مُبتذل۔ اور گنوار شعر پڑھا ہے"

"جناب عالی۔ میں کوئی نقاد نہیں۔ اور نہ میرے پاس "دلی تا فانی" کا انتخاب ہے۔ مگر یہ میں ضرور جانتی ہوں۔ کہ کسی کا دل توڑنا اچھا نہیں۔ اور پھر ے

آخر کبھی تو عقدۂ دل وا کرے کوئی

"چلئے چلئے۔ سب کام ٹھیک ہو جائے گا۔ ایسا کنج تنہائی پھر میسر نہیں آئے گا۔ باور کیجئے۔ کہ وہاں کسی کو نہ آنے دوں گی۔ صبح تک جو چاہے کیجئے۔ مزے ہی مزے ہیں"

"مجھ سے یہ بے مصرف باتیں نہیں سنی جاتیں۔ اِس فضولی سے کیا فائدہ؟"

"ہائے"

یار کے گھر یار آیا۔ کیا تواضع کیجئے

اگلا مصرع مُشکر ہے۔ بھول گئی۔ بہت ہی بے ڈھب تھا۔ اب یاد آگیا۔ بہت ہی بے ڈھب ہے اگر سنا دیا۔ تو آپ کے ہاتھوں مار پڑنے لگے گی۔

اے زبان خاموش۔ شیطان کے کان بہرے"

"میں ایسی تواضع سے باز آیا۔"

"دیکھئے صاحب۔ کہیں بعد کو افسوس نہ ہو گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں"

"مجھے کچھ افسوس نہ ہوگا۔"

"اب ذرا سنبھلئے۔ آپ کے بازو پھڑکنے کو ہیں۔ دِل و دیدہ کی عنان کشی ہوا چاہتی ہے۔ بھلا اگر آپ کو —— کوئی بیجو جیسی گرم گرم خوشگوار۔ بہشت رو۔ فراخ دل پستہ بادام۔ اور مشک و عبیر ہندنی سی لڑکی بلائے —— کچھ اور تعریف کر دوں۔ یعنی ایسی لڑکی جو آپ کو دیکھ کر بے تال منجیرے ناچے۔ اور جو ایسی مٹھائی ہو۔ کہ بلا چاندی کے ورق چمکے۔ اور ہونٹوں تک پہونچنے سے قبل منہ میٹھا کر دے۔ تو پھر بھی جائیے گا یا نہیں؟ اس بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ کیا پھر بھی کوئی مضائقہ ہوگا؟"

"میں پھر بھی نہیں جاؤں گا۔"

"تو کیا وہ اچھی نہیں لگتی اب؟ کبھی تو وہ آپ کے بہت من لگتی تھی"

"فاحشہ کہیں کی"

"بیجو یا میں؟"

"بیجو"

ایسا نہ کہیے یاری اور مہمانداری پر حرف آجائے گا۔

تو صدقے اترنے چاہئیں کیونکہ آپ کی مضروب فیہ۔ مقتولِ جور۔ آپ کا انتظار کر رہی ہے۔ چنا دانتوں تلے آنا چاہتا ہے۔ جائیے۔ جائیے جلد جائیے۔ بلکہ

پانچوں ہتھیار لگا کر جائیے "

"میں معمہ بازیوں کا عادی نہیں "

"تو میرا منہ شکر سے بھر دو۔ اوہو۔ جھنڈے لہرائے جانے چاہئیں۔ توپیں داغی جانی چاہئیں۔ آتش بازیاں چھوٹنی چاہئیں۔

"یہ کیا کہہ رہی ہو؟"

"یہ کہہ رہی ہوں کہ تالیکوڑہ میں تاریخ جغرافیہ آیا بیٹھا ہے "

"میں کچھ نہیں سمجھا "

"آپ بڑے ناسمجھ ہیں "

"ناسمجھ تو تم ہو "

"کیوں؟"

"اپنی کم عمری اور ناداری کے سبب۔ جبھی تو اسکول کی طالبات کی طرح تاریخ جغرافیہ کی باتیں ہو رہی ہیں "

"بھلا آپ کسی "دور دیس کی رہنے والی" کو بھی جانتے ہیں؟"

"میں کسی "دور دیس کی رہنے والی" کو نہیں جانتا "

"ہندی کی چندی کرنی پڑے گی۔ کسی مرد نگن کو تو جانتے ہوں گے "

"مرد نگن کیا؟"

"پچھا دجن ——— بیجو کو نہیں جانتے آپ؟"

"اس کے جاننے نہ جاننے سے کیا ہوا؟"

"ہوا یہ کہ وہی تو دنیا میں ایک تاریخ جغرافیہ لڑکی ہوئی "

"دفع کرو اس کو "

"وہ تو کب سے آئی بیٹھی ہے۔ مگر دفع ہونے کے لئے نہیں۔ بلکہ کچھ وصل اور کچھ دید کی خواہش لئے ہوئے۔ اس کی تو آپ حاجت رفع فرما دیجئے۔ وہ گا بھی رہی ہے۔ اور مجھ پر تو رقت طاری ہو گئی تھی۔ سنیئے وہ گا رہی ہے۔

چھٹ جائے کسی سے نہ ملاقات کسی کی
اللہ بگاڑے نہ بنی بات کسی کی

"جھوٹ کے لئے بھی ہنر چاہیئے ۔ وہ اتنی اردو نہیں جانتی"
"کسی نے بہ حسب حال شعر یاد کرا دیا ہو گا؟"
"وہ اچھی طرح صرف جنوبی ہند کی زبانوں میں گا سکتی ہے۔"
"اردو جنوبی ہند کی زبان نہیں ۔ اچھا اُس کی حاجت رفع کر دیجئے"
"اُسے کسی قاضی الحاجات کے پاس جانا چاہیئے"
"اُس کے قاضی الحاجات آپ ہی ہیں ۔ آپ کا ڈونگا آپ سا کھیوا پیا مانگ رہا ہے ۔ اس لئے وہ آپ کے ہی پاس آئی ۔ اور میں نے اُسے آرام سے ٹھہرا رکھا ہے ۔ اگر وہاں جانے میں قباحت ہو ۔ تو یہاں ہی بلا لیجئے"

"تیری طرف ساغر بکف آیا ہے وہ مستِ حیا
اے دل تکلف برطرف مستانہ ہو مستانہ ہو"

"مجھے دوبارہ مرتد نہ کرو رقیہ ۔ اُسے کہہ دو کہ چلی جائے"
"میں آپ کی محرم اسرار ہوں ۔ مجھ سے پردا نہ چاہیئے ۔ وہ آپ کی بڑی جاں نثار ہے ۔ آپ کے لئے لنگر لٹانے والی ۔ آپ کی بیجاپوری بیجو ۔ آپ میں ہی تو اُس کی جان اٹکی ہوئی ہے ۔ اُس کا سینہ آپ ہی کے لئے داغ داغ ہے۔
"مجھ پر بھروسہ نہیں ۔ میں دربان ۔ ہیڈ خانساماں ۔ اور نرس کو بلاتی ہوں ۔ وہ تصدیق کریں گے"
"بھروسہ ہے ۔ مگر میں نہیں جاؤں گا ۔ اُسے کہیے ۔ کہ چلی جائے ۔ وہ بڑی دل نادان لڑکی ہے۔"
"دل نادان تو نہیں ۔ مگر موج بہار ضرور ہے"
"میں وہاں نہیں جاؤں گا"
"نہیں ـــــ طاہر میاں ۔ میری خاطر سے چلے جائیے ۔ ورنہ بیچاری مر جائے

گی۔ اور اب تو اس کے پاس پستول بھی ہے۔ جب وہ آئی۔ تو اُس نے مجھے ڈرا دیا تھا۔ سینہ پر پستول رکھ کر کہنے لگی۔ "بتاؤ وہ کہاں ہیں۔ اُن سے ملواؤ ورنہ ابھی خون ہو جائے گا"

"آپ نو جان بچا کر بھاگ آئیں۔ اور مجھے کفارے میں دیا جاتا ہے"

"کیا آپ عورت کی طرح ڈرپوک ہیں؟ نیکی بدی ہونے لگی۔ تو مجھے آواز دے دینا۔ میں بلوسٹر کی طرح دیر نہ کروں گی۔ رب بھلی کرے گا۔ ذرا کی ذرا کو تو چلے جائیے وہ تمہاری خاطر تو آئی ہی ہے"

"کہہ دو میں زندگی۔ بدل چکا۔ اب میں وہ نہیں جو پہلے تھا"

"اب آپ کیا ہیں؟"

"جو ہوں۔ سو ہوں۔ بحث اور دلیل نہ کیجئے۔ اُسے کہیے۔ کہ وہ یہاں سے چلی جائے"

"اللہ جی۔ اتنا تورّع۔ گوسائیں جی آٹھوں پہر گیان دھیان میں بیٹھے رہتے ہیں۔

باغ ہاتھ آئیں تو کرلیں غضب اہل اتقا
نسبتِ مے سے نہ چکھیں دانۂ انگور کو

وہ آپ کی طرح میری مہمان ہے۔ میں اُسے جانے کے لئے نہیں کہہ سکتی اُسے سمجھانے کے لئے تو کوئی راجہ بھرتری ہری آنا چاہیئے۔ اور اصل میں میرا عندیہ تو یہ ہے کہ آپ اپنی اُس پرستارِ خاص سے خوب دل کھول کر ملیں۔ وہ آپ کی بڑی حریص ہے۔ میں مزاحم نہیں۔ ویسے ظاہر میں آپ کی ہوں۔ اگر آپ اس سے ملے تو اور زیادہ آپ کی ہوں گی۔ میں نے اُس سے وعدہ کیا تھا۔ کہ میں آپ کو چھوڑ چکی (جیسے آپ میرے ہی تو تھے۔ دلّی ظفر شاہ کی تھی۔ کب جو اُس کے ہاتھ سے نکلی) تو اس کی تقویت پر وہ آج آئی ہے۔ تم ہمیشہ کو اُس کے بن گئے۔ تو مجھے تب بھی شکایت نہ ہو گی۔ اور آپ خالی درویش بھی تو نہیں۔ موسمی جنوں کا آسرا لے کر اُٹھ پڑیئے۔ اُسے بڑی ہڑک اُٹھ رہی ہے"

یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں۔ کہ بیجو نے ذرا سا کواڑ کھولتے ہوئے کہا۔

"اجازت ہے۔ اندر آسکتی ہوں؟"

"میں نے کچھ جواب نہ دیا"

وہ بڑی گرفتہ خاطر اور ژولیدہ حال دکھائی دیتی ہے پہلے جب کبھی میں اُسے دیکھتا۔ تو محسوس ہوتا۔ کہ جیسے قوال طبلے اور ہارمونیم پر کوئی نشاطیہ چیز گا رہے ہیں۔ مگر اب تو وہ اپنے مان بھرے چہرے پر غمناکیوں کے گہرے گہرے سیاہ پردے ڈال کر آئی تھی۔

خوشی کی یاد۔ غمِ حال۔ فکرِ مستقبل
نحیف جسم پہ بارِ گراں اٹھائے ہوئے

رقیہ نے زورِ تضحیک ہزار گنا زیادہ کرتے ہوئے کہا۔

"آپ کی وضو ٹوٹنے کے سامان ہو گئے"

بیجو کی آنکھوں سے بڑی طرح آنسو بہہ رہے تھے۔ اور بائیں طرف کا ہاتھ موندھے میں آئے ہوئے گلبندڑے میں پڑا ہوا تھا۔ اُس کے گھٹنے کی چپنی زینہ سے گرتے ہوئے بالکل ٹوٹ گئی تھی۔ اِس لئے اُس سے نہیں چلا جا رہا تھا۔ وہ ہسپتال سے بلا اجازت چھپ کر آئی تھی۔ اُس کے زخم ابھی اچھے نہیں ہوتے تھے۔

میں نے اُس سے پوچھا۔

"خیر باشد کدھر کرم کیا؟"

"دیوی پوجن ہو رہی تھی۔ مندر میں چڑھاوے چڑھ رہے تھے۔ ہم نے سوچا۔ کہ چلو ہم بھی پیران پنی جی پر جاکر اپنی بھینٹ چڑھا آئیں" اُس نے رونی آواز میں جواب دیا۔

اُس کے آنسو آندھی کے آموں کی طرح جھڑ رہے تھے۔ وہ سُدھ بُدھ بھول گئی تھی اُسے دیکھتے ہی میرا کلیجہ دھک سے رہ گیا۔ وہ بے حد جوش میں بھری ہوئی تھی۔ مگر سخت گھبرائی ہوئی۔

اب رقیہ نے ٹکنا چاہا۔ میں نے اُس سے پوچھا۔

"تم کیوں بچی سنبھالنے لگیں۔؟"

"مجھے اِس وقت کہنا ہی چاہیئے۔ سوکھی کے ساتھ آلی بھی جل جاتی ہے۔ اُس

نے یہ کہتے ہوئے باہر کا راستہ لیا۔ جہاں بڑے سناٹے کی ہوا چل رہی تھی۔ اور بارش کے سامان نظر آتے تھے۔

وہ گدّے دار کرسی پر بیٹھی ہوئی تھی۔ اور میں بستر میں لیٹا ہوا تھا۔ پھر اُس نے مجھ سے پوچھا۔

"کیا تم کٹھ پتلی رقیہ کو شراب پلانے لگے ؟"

"کیوں ؟"

"اب وہ چھلکا اتنی ہوئی لچی نہیں رہی۔ اُس کے رخساروں کے بیچ میں ایسی لالی تھی۔ جو سُرخ گودے کے امرودوں پر کھیل آتی ہے"

پھر اُس نے بھرائی ہوئی منت آمیز آواز میں یہ گاتے ہوئے کہ ے

اری اے اری سکھی اب کاہے کروں وہ تو کوچ نقارا باجت ہے۔

کہا۔

"طاہر جان۔ لانا ذرا اپنے ہونٹ۔ بھلا دیکھو تو ادرا پنی بیجا پوری بیجو کو شاباشی دو کہ وہ کس طرح تمہارے پاس پہنچی ہے۔ اُس کی کتنی چوکسائی ہو رہی تھی۔ لو اُس کا منہ چوم لو۔ کتنے دنوں سے جی تمہارے دیکھنے کے لئے لہرا رہا تھا۔ آج آکر دیکھ ہی لیا۔ ڈاکٹر اور نرسیں انجکشن لگانے کے لئے آئے ہوں گے۔ اور وہ مجھے ڈھونڈتا پھرتا ہوگا"

"وہ کون ؟"

"راج کمار — اور میرا جدّی۔ مہاراجگان وجیانگر کا تنہا وارثِ تخت و تاج اور راس کماری کا رہنے والا"

"میں تو اُسے رانا پرتاپ کی نسل سے سمجھتا تھا۔"

"نہیں — وہ راجپوت نہیں — پر ہاں اُس نے میو کالج اجمیر میں تعلیم پائی ہے۔ وہیں سے یہ اثر قبول کیا۔ کہ پرتاپ سنگھ جیسی مونچھیں اور قلمیں رکھ لیں۔"

"تم لوگ ہندو ہو"

"ہم مسلمان ہیں۔ ٹیپو سلطان کے عہد میں اسلام قبول کیا۔"

"تمہارا اسلام کیا ہے؟ جنگ رائچور میں وجیانگر نے مسلمانوں کا قتلِ عام کیا۔ تو تم دسہرے اور دیوالی کی طرح خوشیاں مناتی ہو۔ تالیکوٹہ میں مہاراج رام راج کا سر کٹا تو تمہیں ایسا لگتا ہے۔ کہ جیسے امام حسینؓ شہید ہو گئے۔ تم کیسے مسلمان ہو؟"

"ہم ایسے مسلمان ہیں۔ کہ ہندو بھی ہیں۔ وجیانگر کی جیت ہماری جیت ہے۔ وجیانگر کی ہار ہماری ہار ہے۔ اور کہیں مسلمان بڑھے یا ہٹے تو ہم اُن کے ساتھ ہیں۔"

"تم ہمیشہ مدورا۔ رامیشورم۔ ویرو پکشا۔ اور وٹھل سوامی کے مندروں شوالوں کے ہی تذکرے رکھتی ہو۔ کبھی ایک اجمیر کا بھی اسی طرح ذکر کیا ہے؟"

"اوہ طاہری اور سب کچھ کہو۔ مگر وٹھل سوامی کے مندر کا ذکر کیا۔ تو میں ابھی مر جاؤں گی۔ اس کے قدِ آدم برآمدوں میں برہنہ بیجاپوری تمہاری پکڑائی میں نہ آسکی تھی۔ اب وہ گھائل ہے۔ اور من ہاری"

"کبھی نماز پڑھی۔ روزہ رکھا؟"

"روزہ کو تو میں نہیں جانتی۔ نماز گو ہمارے یہاں کبھی کسی نے نہیں پڑھی۔ مگر مسولیپٹم میں مسلمانوں کو بہت پڑھتے دیکھا ہے"

"کلمہ آتا ہے؟"

"پڑھ تو رہی ہوں۔ کہ کلمہ"

"صرف لفظِ کلمہ منہ سے کہہ دینا۔ کلمہ نہیں۔ کلمہ میں خدا کی وحدت اور حضرت محمدؐ کی رسالت کا اقرار ہوتا ہے"

"خدا وہ ہے۔ جو آسمان پر ہے۔ محمدؐ اس کے اوتار ہیں"

"اوتار نہیں —— نبی ہیں"

"ایک ہی بات ہے۔ بھارت کہہ دو یا ہندوستان"

"اگر تم کچھ روز رقیہ کے پاس رہو۔ تو وہ تمہیں مسلمان بنا دے"

"اور تم؟"

"میں تو اعمال میں تم سے بھی پرے ہوں۔ میرے پاس رہنے سے کچھ نہ ہوگا"

"پر ہو تو مسلمان"

"مگر رفیہ جیسا نہیں"

"اور تم جیسی نہیں"

"تم تو کیسی بھی نہیں"

"نام کی بھی نہیں؟"

"نام کی تو ہو۔ نہیں نام کی بھی نہیں۔ بیجاپوری مسلمانوں کا نام نہیں ہوتا"

"تعداد بڑھانے کی تو ہوں"

"یہ ضرور ہو"

"خیر کچھ تو ہوں"

"تم ان دھندوں سے توبہ کر لو"

"کیا اس سے مسلمان بن جاؤں گی؟ مگر پہلے اِن سے تم توبہ کرو بعد میں میں۔ اب میں نے شراب اور سور کا گوشت ترک کر دیا"

"تم تو بڑی پُر عجب ہو۔ بھلا تم نے مجھے یہ کیوں نہ بتایا کہ تمہاری شادی ہو چکی کچھ نشیب و فراز تو سوچ لیا ہوتا"

"کیا سوچتی ــــ؟ مجھے تو یہ اندیشہ تھا۔ کہ تمہیں بتا دوں تو شاید تم مجھ سے نہ ملو۔ اُس سے میری شادی ہوئی ــــ تم مجھے اپنی مدخولہ بنا کر گھر ڈال لو۔ اوہ طاہر ایک سے پوری پوری طرح مل کر پھر دوسرے سے دِل لگانا بڑا کٹھن ہے۔ یہ ریلوے کی لائن بدلنا نہیں۔ کہ کچھ کاریگری اور مستری پنا سیکھ لیا۔ اور جدھر دیکھا۔ انجن گھماتے ہوئے ہے

کاغذ ہو تو پانچ لوں کہ رم نہ پانچا جائے

تُنکا ہو تو توڑ دوں پریت نہ توڑا جائے

اس تھوڑے عرصے میں تمہیں کیا ہو گیا۔ میں بھی وہی تم بھی وہی۔ پھر یہ فرق کیسا۔ جان جہاں تمہارے منہ میں کسی نے بخیا کر دیا ہے۔ یا ہونٹوں میں سریش لگا دیا۔ یہ ہونٹ کیوں حرکت نہیں کرتے؟ چُپکی کیوں لگ گئی؟ ایسے نرموہے تو نہ تھے۔ پتھر کے

کیوں بن گئے؟ آپ کی بدخلقی اور تکدر انگیز باتوں سے دِل پھٹ گیا ہیں جاتی ہوں"

"چلی جاؤ"

"میں تو نہیں جاتی۔ کس مصیبت سے اپنی تان کر کے تو آنا ہوا۔ اور یونہی چلی بھی جاؤں۔ مجھ سے کرسی پر نہیں بیٹھا جا رہا۔ یہاں نیچے بھی زخم ہے۔ کہو تو بھُوئیں بیٹھ جاؤں"

اُس نے کاذب تبسّم سے ایک آنکھ دبا کر میری جانب دیکھتے ہوئے۔ غم کی پردہ داری کرنا چاہی پر کر نہ سکی۔ بلکہ ایک ہی بے قابُو پنکی نے سب کچھ آشکارا کر دیا۔ پھر وہ کھڑی ہوئی میری چشمِ التفات کا انتظار کر رہی تھی۔ کہ میں نے اُس کے لئے بستر چھوڑ دیا۔ وہ شاہ بلوطی ساڑی۔ لاجوردی جمپر اور وہی بینگنی اُوور کوٹ اور دستانے پہنے ہوئے تھی۔ جب میں نے کوٹ دوبارہ کھونٹی پر ٹنگا ہوا دیکھا۔ تو میری بھی آنکھیں بھر آئیں۔ اُس کی ناصبور سحر آمیز اور التجائی نگاہوں نے اثر پیدا کر دیا تھا۔

وہ گھنٹے بھر تک کبھی ہنستی کبھی روتی اور کبھی تامل زبان کا کوئی دِل خراش گانا گاتی رہی۔ آج وہ زیادہ باتیں نہیں کر رہی تھی۔ اُسے دیکھ کر مجھے یورپ کے جنگ زدہ علاقے یاد آرہے تھے۔

اب اس نے تامل کے کچھ بول بار بار گائے۔ اِس وقت انگریزی کے جوانا مرگ شاعر جان کیٹس کی نظم "حسین مگر بے رحم لڑکی" یاد آنے لگی۔ میں سوچنے لگا کہ عاشق مزاج سوار کے گھوڑے پر آگے بیٹھی ہوئی پری زاد پیچھے مُڑ مُڑ کر اس سے عمدہ گیت نہیں گا رہی ہوگی۔ اور اس پری زاد نے تو سوار کو دھوکہ دے کر چھوڑ دے تھا۔ پر بچو مجھے کبھی نہیں چھوڑ سکتی۔

جب میں نے اُس سے اِن بولوں کے معنی دریافت کئے تو وہ یہ نکلے

کسی کا ہو رہے آتش کسی کو کر رکھے اپنا
دو روزہ زیست کو انساں نہ رائگاں کاٹے

اس وقت مجھے اُس پر بے انتہا پیار آگیا۔ میں نے اُس کا چھوٹا سا موہن معصوم

منہ ایک بڑے بوسے کے ساتھ بند کر دیا۔

پھر وہ بولی۔

"ظاہری۔ تم نے مجھے ڈنڈوت کے بعد سات سلام کیوں کہلا کر بھیجے تھے؟"

"اس لئے۔ کہ بموجب تمہارے وجیانگر کے رائے کو جس کا ایک خطاب دکھشن پورب۔ پچھم۔ سمدرپتی تھا۔ اور جس کی سلطنت راس کماری سے کرشنا تک پھیلی ہوئی تھی۔ ڈنڈوت کے ذریعہ سے ہی عام اظہار عاجزی کیا کرتے تھے۔ اور سات کا عدد تو تمہیں پسند ہے ہی"

"نہیں یہ بات نہیں۔ ڈنڈوت اور سات سلام کا مطلب تو یہ ہے۔ کہ ہمالیہ بہت اونچا ہے۔ یہاں سے ایک جست لگا کر دیندھیا چل پر جا بیٹھوں اور دوسری میں راس کماری ــــــ خیر اب کہا سنا معاف ہو جانا چاہیئے۔ اور ہم تو یوں لیٹا نہیں کرتے"

"اوہ راس کماری کی رہنے والی بیجو جان"

"تم تو میرے راس امید ہو"

"میں تمہیں اِن دھندوں سے تو یہ کرنے کو نہیں کہوں گا۔ ابھی تو تم میٹھے ستر ہیں سال میں ہو"

"شکر ہے۔ تم مجھ سے خوش ہو گئے۔ یہ صحبت رقیہ بی بی کی بدولت ہے۔ وہ جو تم سے سڑکوں تک پر لپٹتی چھٹرتی پھرتی تھی رقیہ بی بی نے میرے سامنے اُس کے افعال برہنہ کئے۔ جب رقیہ بی بی جنگ نامہ ختم کر چکی۔ تو میں نے اُسے اچانک سرخ مخمل کے لحاف پر گرا لیا۔ اور تمہاری ہی طرح اُس کے ہونٹ خوب کس کر چومے"

"کیوں؟"

"خوشی میں"

"یہ بُرا کیا۔ کیونکہ تم سے سردار زور آور خان متمتع ہوتا ہے"

"اور تم نہیں ــــــ یہ برسانی شفقت کی ہے۔ میں اُسے اپنے کوٹ کے برابر نہیں برا جنے دوں گی۔ سوکن مرگئی آنکھ چھوڑ گئی"

اُس نے برساتی کھونٹی سے اُتار کر شہ نشین پر پھینکتے ہوئے طور بدل لئے چہرہ مسکرا بنالیا۔ ایک آنکھ کر مجھے دیکھنے لگی۔ اور جب یوں ہونے لگا کہ ے

کیا کیا خوشامدیں ہیں کہ پی لوں بہاریں
بادل کے ٹکڑے سر پہ میرے چھائے جاتے ہیں

تو پھر ضبط کیسا۔ حقیقتِ توبہ معلوم اور میں گناہ گار لم یزلی ٹھہرا۔ میں کم کم پینے کا عادی نہیں۔ مجھے ناکوں ناک بھرنے کی ضرورت ہوتی ہے سب مجھے قسط وار کوئی چیز نہیں بھاتی۔ اب میرا مزاج بحال ہوگیا تھا۔ اور پھر ہم غلطاں غلطاں دوسری دنیا میں پہونچ گئے۔ پارچہائے پوشیدنی سے معذوری چاہی جانے لگی ـــــ اس نے متستقی کی طرح منہ کھولا ہوا تھا ـــــ وہ اس سردی میں ہونک رہی تھی ـــــ پہلے میں اُسے پنگلی کہہ دیا کرتا تھا۔ دراصل وہ مہا سودائی تھی۔ میں لذت سے چور تھا۔ اُس کی ہنسلی کی ہڈی کچین ۔کولہے۔ بغلیں۔ اور موئیا سے پیٹ کی اُس مختصر سی گرہ کا جلوہ اورنگزیب جیسے زاہد خشک کے لئے "دشمنِ ایمان و آگہی" ہوتا۔

جب انصالِ حقیقی تک نوبت پہنچنے لگی۔ تو میری نگاہ کے سامنے اتفاقاً قرآن شریف آگیا۔ طبیعت رک گئی۔ اور جوش میں انتزاع واقع ہوگیا۔ بیجو پوچھنے لگی۔

"آسمان کیوں جھانکنے لگے۔"

"قرآن شریف سامنے رکھا ہے۔ انضمام نہ ہو سکے گا"

"میں تمہاری استری دُرگا ہوں۔ تم شیو۔ یہ کمرہ کیلاش ہے تم حقوق زناشوی ادا کر رہے ہو۔ کہ برہما۔ وشنو۔ وشیست اور دیگر دیوتا اچک آگئے۔ تم نے شراب چڑھائی ہوئی ہے اس لئے مہمانوں کی طرف دھیان نہیں جاتا۔ بس اس طرح سمجھ لو"

"میں اِس طرح نہیں سمجھ سکتا۔ یہ خدائی کلام ہے۔"

"یعنی خدا سے بھی بڑا۔ جیسے یہ بیٹا ہے۔ وہ نہیں"

"جو تم استنباط کرانا چاہتی ہو۔ ایسا نہیں۔ میں اِسے مردانہ خوابگاہ میں رکھ کر آتا ہوں"

"لباس خانہ میں رکھ دو، باہر بوندیں پڑ رہی ہیں اور سخت جاڑا ہے"

"لباس خانہ میں نہیں رکھتا۔ نزدیک ہے"

"میں اپنے اوپر صرف لوئی لپیٹ کر قرآن شریف مردانہ خوابگاہ میں رکھ آیا۔ جب پلٹ کر آیا۔ تو بیجو سے گرمائی حاصل کرتے کرتے مجھے بے حد بے چینی لگ گئی۔ میں نے اُسے جلدی سے تمام و کمال اپنے قبضہ میں کر لیا۔ اور اس کی اول سے آخر تک سیر کرنی شروع کر دی۔ مگر رقیہ اس وقت بھی مجھ میں سمائی ہوئی تھی۔ اور اس وجہ سے لطف بڑھا ہوا تھا۔ جس طرح عقرقرہا اور پھٹکڑی سے زبان کسی جاتی ہے میں اس طرح کسا جا رہا تھا۔

میں اُسے ایک مرتبہ کو تو آلودہ کر چکا تھا۔ اور جب ہم دوبارہ اقلیدس کی مشابہ شکلوں کی طرح ایک دوسرے سے قطعی منطبق ہونے کو تھے۔ محبت کا مزا آ کر جانے کو تھا۔ اُسے میرے پاس تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی۔ کہ دروازہ دھمدھمایا جانے لگا۔ اور پھر اس زور سے کھُلا کہ جیسے اُسے چھوٹے سے ڈائینامیٹ سے اُڑا دیا گیا ہو۔ اور میں نے دیکھا۔ کہ سردار زور آور خان اور اس کے گرگے کمرہ میں داخل ہو رہے ہیں۔ بیجو کو نہ پستول یاد رہا نہ کپڑے۔ پہلے تو وہ بستر سے فرش پر کھڑی ہو کر لڑکھڑائی اور پھر صرف اپنے غالیہ بار جسم و زلفہائے شب رنگ کو لئے ہوئے شہ نشیں پر چڑھ کر کھڑکی میں سے جھیل میں کود گئی۔ اور اُس کے پیچھے مع اپنے ساتھیوں کے اس کا شوہر بھی۔ قالین پر جوتوں کے نشانات باقی رہ گئے تھے۔

بڑے زور کا مینہ برس رہا تھا۔ اور بجلی چمک رہی تھی۔ میں لحاف میں پڑا ہوا سردی سے کانپ رہا تھا۔ مجھے یہ خیال آ رہے تھے۔ کہ میں بھی کیوں نہ کھڑکی میں سے جھیل میں کُود پڑا ——— مگر جھیل میں گھپ اندھیرا ہے ——— میرا کردار زہر عشق کے ہیرو سے کم نامعقول نہیں ——— ہیروئن کو زہر کھلوا کر وہ آپ بچ رہا۔ ——— بڑا سخت جاڑا ہے۔ اور وہ نزدیک ہی جھیل کے پانی میں ہے ——— مچھلی، تو وہ ہے نہیں، کہ اُسے ٹھنڈ نہ لگے۔

اسی سوچ میں پڑے پڑے میرے دماغ کی نسیں پھٹی جانے کو تھیں۔ کہ ہانپتی کانپتی بھیگتی بھاگتی (حسبنا اللہ و نعم الوکیل۔ نعم المولٰے نعم النصیر) پڑھتی۔ نیکی کے فرشتے کی طرح۔ وہ نقدِ جانِ پاک بازاں۔ رقیہ برآمد ہوئی۔ دروازہ کا شور سن کر اور کوئی نہیں آیا۔ اس کا بہت میچا ہلکا زرد اوور کوٹ روشنی میں سفید معلوم ہو رہا تھا۔ اور اس کے چکنے چکنے سفید مکھڑے کی پھبن بڑے بڑے مقرب فرشتوں کو دیوانہ بنا دینے کے لئے کافی تھی۔

اُس کی آمد سے مجھے ایسی تسکین ہوئی۔ کہ جیسے کوہ پیما لہروں کے گرداب میں ڈوبتا ہوا جہاز ایسے خاموش اور بے شکن سمندر میں آجائے۔ کہ جس کی سطح شفقِ شام کے لئے آئینہ ہو۔ اور میری طبیعت ٹھک گئی۔

بستر میں بیٹھے ہوئے میرے منہ سے بے خودی میں نکلا "پنگوئن"

(PENGUIN) یہ ایک قطبی پرند کا نام ہے۔ جس کے پَر پاؤں تک آتے ہیں اور جب اس کی ٹکڑیاں برفیلے کناروں پر آگے پیچھے قطاروں میں چلتی ہیں تو ایسا لگتا ہے کہ گریجویٹ طالبات گاؤن پہنے ہوئے بشکلِ جلوس ڈگریاں لینے کے لئے جا رہی ہیں۔

میرا خیال تھا۔ کہ رُقّی اِس لفظ (پنگوئن) کے معنی نہیں جانتی ہو گی۔ میں بے چین تھا۔ کہ وہ سردی میں یوں سُکڑنے کی بجائے میرے گرم لحاف میں آ بیٹھے۔

وہ دور کھڑی کھڑی پوچھنے لگی۔

"کیا رنگ ڈھنگ رہا۔ عالیجاہا۔ خیریت بھی ہے۔ اور وہ ؟"

"غائب غلہ ہو گئی"

"کہاں ؟"

"بیجو ہوا میں اڑ گئی"

"اور وہ جو اُدھر تھے ؟"

"وہ بھی"

"شکریہ ہے۔ خدا نے آپ کو بچا لیا۔ اور یہ اُس کے جوتے۔ جرابیں۔ دستانے کوٹ۔ ساڑی۔ بلاؤز اور متفرقات (یعنی بقیہ زنانہ ملبوسات۔ چولی۔ جانگیا۔ بنیان)"

"انہیں تم اڑا دو"

"بیجا پوری کی جان گئی۔ ایمان کا ایمان گیا۔ آپ کی نذر ہوتی ہوتی نذرِ آب ہو گئی۔ مگر قرآن مجید جیسے آپ یہاں رکھا کرتے تھے"

"مردانہ خواب گاہ میں چلا گیا۔"

"آپ سے آپ؟"

"نہیں میں رکھ آیا تھا"

"سمجھ میں نہیں آتا۔ اُس رات آپ اِسے یہاں اُٹھا لائے تھے۔ آج وہاں پہونچا دیا۔ کیا بات ہے؟"

"نہ ہی پوچھو تو اچھا ہے ورنہ جھوٹ بولنا پڑے گا"

"کیا پھر شہید کر چکے؟"

"شہید تو نہیں کیا"

"تو پھر کیا ڈر ہے؟"

"ڈر تھا۔ تو اِدھر اُدھر رکھتا پھرا"

"آپ راز نہ کھولیں۔ میں نہیں پوچھتی"

"شکریہ"

جب رقیہ بیجو کا سامان سپنر سے باندھنے جوڑنے لگی۔ تو میں نے شفقت کی برساتی کو شہ نشین سے اُٹھا کر ان میں ملا دیا۔ رقیہ برساتی کی طرف مُندی مُندی آنکھوں سے بغور دیکھتے ہوئے سمجھ رہی تھی۔ کہ ان دونوں کا تو منود مٹا دیا۔ اور اب میں ہی میں ہوں۔ کپڑے جھیل کشکولی میں پھینکنے کے بعد رقیہ ٹانگیں لٹکا کر شہ نشین پر بیٹھ گئی۔ میں صرف بنیان پہنے ہوئے تھا۔ اس لئے رقیہ سے کہا۔

"ذرا لباس خانہ میں جا کر کھڑی ہو جاؤ"

وہ سمجھ گئی کہ میں کپڑے پہنوں گا۔
اس نے میری جانب سے پیٹھ پھیرتے ہوئے جواب دیا۔
"پہنیئے"
میں نے کہا :
"اس سے کام نہیں چلے گا۔ کپڑے دُور رکھے ہیں۔ شفقت والی منڈھیا پر"
وہ شہ نشین سے اُٹھ کر بجائے کپڑے لانے کے منڈھیا میرے پاس اٹھالائی۔ مگر پاجامہ اُس کے بن دیکھے منڈھیا سے سرک کر دُور نیچے گر پڑا تھا۔ جب وہ پھر مڑ کر بیٹھ گئی۔ تو میں نے کہا۔
"کام اُدھورا رہ گیا۔ پاجامہ نہیں ہے"
وہ دوبارہ اٹھی اور پاجامہ کا ایک پائینچہ مُٹھی سے پکڑ کر اس طرح اٹھایا جس طرح کوئی بچ بچ کر سانپ کو پونچھ سے اٹھا رہا ہو۔ کہ پھنا نہ چھو جائے۔ اُس کا یہ احترازو احتیاط مزے دے رہا تھا۔ پاجامہ پٹی کے پاس فرش پر ڈال کر وہ پھر اپنی جگہ پیٹھ پھیر کر جا بیٹھی۔
وہ میرے پاس سے ہلنا نہیں چاہتی تھی۔ اُسے ڈر تھا۔ کہ میں شہ نشین کی کھڑکی میں سے بیجو کے پاس پہونچنے کی کوشش کروں گا۔
کپڑے پہن کر لحاف میں بیٹھتے ہوئے۔ میں نے اُس سے کہا۔
"اب اجازت ہے۔ منہ میری طرف پھیر لیجئے"
وہ میری طرف مڑ گئی اس کی طرزِ نشست اور عندیہ مظہر تھے کہ وہ مجھے خطاب کر رہی ہے۔ تم سلامت رہو۔ ہے تم سے تمنا باقی
پھر اُس نے مجھ سے کہا۔
"یہ کمرہ کھیرہ ہے۔ مردانہ خوابگاہ میں چلے چلیئے۔ وہاں چائے پئیں گے"
"برآمدہ کاٹین بوندوں سے گونج رہا ہے۔ بڑی زور کی بارش ہو رہی ہے"
میں نے عذر کیا۔

وہ لباس خانہ سے میری برساتی اٹھالائی۔ اور میں اس خیال سے چلنے کو تیار ہوگیا کہ ہم ایک ہی برساتی میں، صحن عبور کریں گے۔ اور کچھ دیر کو رقیہ کا بدن مجھ سے مل جائے گا۔ برآمدہ میں آکر وہ صحن پار جانے لگی۔ تو میں اُسے برساتی دینے لگا۔ مگر اُس نے قبول نہ کی۔ اور بھیگتی ہوئی چلی گئی۔ اس لئے مجھے اُس کے پیچھے تنہا جانا پڑا۔

مردانہ خواب گاہ کی میز پر سفید برفانی شہد۔ زمستانی آم۔ مٹھائیاں اور پھل سجے ہوئے تھے۔ کمرہ گرم اور معطر تھا۔ بجلی کی روشنی میں دہکتا سرخ اور منقش مخملی لحاف مدعو کر رہا تھا۔ کہ اس میں لیٹ کر دلہا دلہن شبِ زفاف منائیں۔

بجائے لبِ جھیل دُور افتادہ اور تنہا کمرے کے رقیہ نے بجا طور پر یہ جگہ بیجو کے لئے منتخب کی تھی۔ کیونکہ اِس کے کواڑ از حد مضبوط تھے۔ یہاں سے دوسری جگہ نکل جانا۔ اور چھپنا آسان تھا۔

مجھے کرسی پر بٹھا کر رقیہ چائے لے آئی۔ مگر میرے حلق تلے گھونٹ نہیں اتر رہا تھا۔ بیجو بانسوں گہرے پانی میں تھی۔

رقیہ میرے پاس بہت دیر تک بیٹھی رہی۔ میری ایک کوکھ بیجو کی ستم زدگی کے سبب سقر بنی ہوئی تھی۔ اور دوسری رقیہ کے کارن بہشت۔

ابھی صبح میں کئی گھنٹے تھے۔ کہ میں نے رقیہ سے کہا۔

"میرا بہت نقصان ہو رہا ہے شہد کے چھتے کی پالتو رانی مکھی۔ اور چار ولائتی گائیں مر گئیں۔ پولٹری فارم کے ایک ہزار مخربی پرند باوجود ٹیکہ لگوانے کے رانی کھیت سے متاثر ہو گئے۔ دو ٹیوب ویل کا فوری بندوبست چاہیئے۔ ورنہ ربیع خراب ہو جائے گی۔ اس لئے اب میری روانگی ناگزیر ہے۔ میں کل علی الصبح اس پہاڑی سٹیشن سے روانہ ہو جاؤں گا۔"

رقیہ نے گہک کر جواب دیا۔

"سردی کافی ہونے لگی۔ امی جان سے برداشت نہیں ہوتی۔ اس لئے ہم بھی آپ کا ساتھ دیں گے۔"

میں نے کہا:

"کہاں تک؟"

وہ بولی:

"جہاں تک آپ لے جانا چاہیں"

میں نے کہا:

"میں تو تمہیں زمین کے اوڑ تک لے جانا چاہتا ہوں۔ قطب شمالی تک ـــــ"

وہ خوشی میں آکر بولی،

"مجھے ایسے اولالعزم اور مہم جو کے ساتھ جانے میں کیا عذر ہو سکتا ہے۔ قطب شمالی لے چلئے یا قطب جنوبی"

"اور ہم علےٰ الصبح روانہ ہو جائیں گے۔ وقتِ سحر گہی ختم ہوتے ہی"

"جیسا آپ فرماتے ہیں۔ ایسا ہی ہو گا"

بیجو تو جھیل میں تھی۔ یا کہاں؟ اگر سردار زور آور خان اُسے بانہہ پکڑ کر پانی سے باہر نکال چکا ہو گا۔ تو خیر۔ ورنہ وہ پھر میرے درپے ہو گا۔ اور پولیس کو پھر میری تلاش ہو گی۔ اب کی دفعہ تو وہ میرا جانی دشمن بن گیا تھا۔ اس لئے میری مرضی تھی۔ کہ میں جلد از جلد یہ جگہ چھوڑ جاؤں۔

مگر اوہ بیجو۔ بیچی۔ جس کے ساتھ میں نے صرف ضمنی سی عشق بازی کی تھی بلکہ میں سوچتا رہتا۔ کہ یہ عشق بازی ہے۔ یا محض خواہش مگر، وہ مجھ پرستی تو نہ ہوتی۔ پر کٹا دئے سے ساتھ گہ کر ضرور مر جاتی۔ جیسے میرے ساتھ وجیا نگر کے کھنڈرات میں عمر بسر کرنے کے ارمان تھے۔ اور ہمالہ کے ساتھ گلے چرانے کی آرزو۔

میری آنکھیں رو رہی تھیں۔ اور کان سن رہے تھے۔ کہ ے

بربادیوں کو میری نہ آنسو بہا کے دیکھ
یہ دیکھنے کی شان نہیں مسکرا کے دیکھ

کیا پوچھتا ہے غیر سے تسکین کا حالِ زار
اتنا اگر خیال ہے۔ تجھ کو تو آ کے دیکھ

اور رکی بڑی حمکتی اور ہندو بستی لڑکی ہے نقلِ مکان میں تو اُسے مہارت تامہ ہوئی. اس کا تجربہ اُس وقت بھی ہو چکا تھا. جب وہ مجھے "ہوشیار اور بادر" سے "ٹالیکوٹہ" لائی. میں اُسے اپنا داہنا وزیر سمجھنے لگا تھا. اگر اُسے محکمہ کمسٹریٹ کا دے دیا جاتا. تو کرسی پر بیٹھی پھبتی. ہٹلر اگر کہیں حملۂ برطانیہ کا انتظام و انصرام و سربراہی اُسے سونپ دیتا. تو آج لاکھوں انسان ملکہ الزبیتھ ثانی کی رسم تاج پوشی نہ دیکھ سکتے. اور رقصر بکنگھم پر نازی سواستیکا لہرا تا ہوتا. جگت بازی میں اُس نے شفقت جاودانی ایسی ایک رنگ باڈن تولہ لڑکی کو مات دی تھی —— اور اس کی بسالت اور چونچالی میں اُسی دن قائل ہو گیا تھا. جب سردار کے جاں نثاروں نے اس سے منہ کی کھائی تھی۔

اسکیم کے مطابق ہم ختمِ سحر کے وقت پہاڑ سے روانہ ہو گئے. پانی بدستور بڑے زوروں سے پڑ رہا تھا. ملاقاتی کمرہ کی کھڑکی کے پاس چڑھی ہوئی بیچکی RANGOON CREEPER) زمین پر گر گئی تھی.

جب ہم کار میں سوار ہو کر چلے. تو میں پڑھنے لگا.

بسم اللہ مجریہا و مرسہا اِن ربی الغفور رحیم

رقیہ یہ آیت سن کر مسکرا رہی تھی۔ اُسے عمر خیام نما کوچوان یاد آ رہا تھا جس کی شکرم میں بیٹھ کر ہم ہیڈ سجدہ جایا کرتے تھے. ونڈ اسکرین کے رین وائپر (RAIN WIPER) چیونٹوں کی طرح جلدی جلدی چل رہے تھے. خبر نہیں کتنے انچ بارش ہوئی ہو گی. میں ڈرائیور کے ساتھ اگلی سیٹ پر بیٹھا ہوا تھا. اور دونوں خواتین پیچھے. نظر بچا کر جب بھی میں نے پیچھے کی طرف رقیہ کو دیکھا. تو مجھے دھوپ میں کھلے ہوئے سیمل کے پھول یاد آ گئے. کیونکہ ان دونوں کے رنگ میں مماثلت تھی.

جب ہم سنت جھرنوں پہ پہنچے. تو وہاں پہاڑ گرنے سے سڑک رکی ہوئی تھی. تعمیر عامہ والے راستہ صاف کر رہے تھے. اور یہ بھروسہ تھا. کہ گھنٹہ دو گھنٹہ میں آمد و

رفت شروع ہو جائے گی۔

اِس رکاوٹ سے مجھے سخت ذہنی کوفت ہو رہی تھی۔ میں ڈر رہا تھا۔ کہ بجو تو ڈوب مری۔ اور سردار زور آور خان نے تھانہ میں جا کر میری رپٹ لکھوائی ہو گی۔ پھر پولیس نے تالیکوٹہ میں مجھے ڈھونڈا ہو گا۔ اور وہاں نہ پا کر پڑتال چوکی سے معلوم کر لیا ہو گا۔ کہ فلاں نمبر کار اتنے سویرے گزر چکی۔ اس سے ان کا اشتباہ اور بڑھ گیا ہو گا۔ کہ میں ضرور بجو کو اغواء کر کے لئے جا رہا ہوں۔

تقریباً تین گھنٹہ بعد ہمیں اوورسیئر نے آ کر اطلاع دی۔ کہ آپ اب جا سکتے ہیں۔ جب ہم چلے۔ تو سب سے آگے تھے۔ ہمارے پیچھے دُور تک کاریں۔ لاریاں اور ٹرک تھے۔

جس وقت ہم لمبی چبوتری تک پہنچے۔ جس سے ٹکرا کر ست جھرنوں کا پانی بہتا ہے۔ اور جہاں پہاڑ خزاں کے دہکتے ہوئے زرد پھولوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ تو ہمارے بالکل آگے یک لخت ٹبا ٹوٹ گرا۔ اور ہماری کار اُس کے نیچے دبنے سے بال بال بچی۔ شائد یہ بجو کی بد دعا کا نتیجہ ہو۔ کہ میں اُسے چھوڑے جا رہا تھا۔ مگر میں ایک نیک خصلت روح کے قرب کے طفیل بچ گیا۔

اب خالہ جان کو ہول چھوٹ گئی۔ اُن کا ارادہ واپس تالیکوٹہ جانے کا تھا۔ رقیہ کو خود بخود میرے دل کی حالت اور مافی الضمیر کا پتہ چل جاتا ہے۔ اور وہ کہے بغیر ہی میرے ارادوں کو عملی جامہ پہنانا شروع کر دیتی ہے۔ چنانچہ اُس نے بصد دقت خالہ جان کو آمادہ کر لیا۔ کہ رات کو ڈاک بنگلہ میں مقیم ہو جائیں۔

ڈاک بنگلہ میں زیادہ مسافروں کی جگہ نہیں تھی۔ اس لئے ہمیں صرف ایک بستر والا کمرہ مل سکا۔ میں نے دیکھا۔ کہ رقیہ بڑی باقاعدگی کے ساتھ نماز ادا کرتی ہے۔ عشا کے قریب بارش ٹھہر گئی۔ اور آج رقیہ نے میرے ساتھ ایک ہی پلیٹ میں کھانا کھایا۔ مگر مجھے یقین ہے کہ وہ ضرور بھوکی رہی ہو گی۔ بعد طعام میری طبیعت۔ کوکو۔ کو چاہی۔ اور رقیہ نے اُسے آپ برقی دیگچی میں پکا کر پیش کیا۔

چارپائی صرف ایک تھی۔ اور بوجہ جگہ کی قلت کے ہیں کہیں بستر نہیں لگا سکا۔ اس لئے میرے حصے میں آرام کرسی آئی۔ جس طرف میں تھا۔ ایک ہی بستر میں اس طرف خالہ جان تھیں۔ اور دوسری طرف رقیہ۔

پچھلی رات جب مینہ کے بادل لانے والی ٹھنڈی ہوا چلی۔ تو اصطبل میں ٹھہرے ہوئے ملنگ فقیر سردی کی وجہ سے "یا علیؓ" "یا علیؓ" کے نعرے بلند کرنے لگے۔ اور میں نے محسوس کیا۔ کہ رقیہ جاگ رہی ہے۔ اُسے اس لئے نیند نہیں آرہی تھی۔ کہ میں بے چین تھا۔ پھر دھڑاکے کی بارش آگئی۔ اور دیواروں تلے لکڑی کی آگ پر بیٹھے ہوئے۔ ہندو سادھو سنکھ بجانے لگے۔ تو میں نے آہستہ سے کہا "المدد۔ المدد" اور رقیہ ہنسی ضبط نہ کر سکی۔

اس کے بعد میں نے تسبیح سی پڑھنی شروع کر دی۔ پینگوئن۔ پینگوئن، پینگوئن

آج موسم کی پہلی برفباری ہو رہی تھی۔

پھر مجھے ایک بارگی وہی اپنی معشوقہ خاص ہندوانی دکھنی لڑکی بیجو یاد آگئی۔ شاید یہی وقت تھا۔ جب وہ مجھ سے الگ ہوئی تھی۔ اب مجھے ایسا محسوس ہونے لگا جیسے بیجو آج رات پھر میرے پاس آنا چاہتی تھی۔ مگر زورہ آور نے اُسے بھوک سے سوکھے ہوئے بھیڑیوں کے جنگل میں چھوڑ دیا ہے اُس کے پاؤں میں ایسی بھاری زنجیریں پڑی ہیں۔ کہ جیسی اورنگ زیب نے جنگِ کھجوہ میں اپنے ہاتھی کے پاؤں میں ڈالی تھیں۔ کہ وہ بھاگ نہ جائے۔

باب ۱۸

الفاظ	معنی
کہیعص	سورۃ مریم
گرہلی	گانٹھ دار
کنیایا	ایک طرف ہو جانا
اینچ تان کے	بمشکل
منونہا	کم گو

الفاظ	معنی
چیگی	خاموش
بازو پھڑکنا	یار سے ملنے کا شگون
ببیا	بی بی کی تصغیر
بینڈا	پشت کواڑ پر لگانے کی لکڑی کہ کواڑ نہ کھلے
ڈڑھ رہنا	دُور دُور

باب ۱۹

شروع دسمبر کے اٹھتے سورج میں برآمدہ کا نقشین فرش جگمگا رہا تھا۔ مہاگنی کے چھتے والی پالتو مدھ مکھیاں باغ کے پھولوں پر بیٹھتی پھر رہی تھیں۔ طیور خانہ کے بھنگراج چہچہا رہے تھے۔ قمریاں بول رہی تھیں۔ اور بئے مولسری میں لٹکے ہوئے جھونجوں میں بیٹھے بادِ خوشگوار میں جھول رہے تھے۔

کھیتوں میں ربیع کا نیل دوڑ رہا تھا۔ ڈابر کنارے ببول کے جنگل سے زرد زرد پھول خزاں کے جھونکوں میں اِدھر اُدھر اڑ رہے تھے۔

رقیہ کے اور ہمارے گھر میں صرف چھوٹی سی ایک اتنی دیوار حائل ہے کہ اس پر سے شریر بچے بآسانی یا بدقت کود پھاند سکتے ہیں۔ اور پھر ایک موری دروازہ بھی ہے۔ پردہ تو کیا ہوتا۔

اس وقت ان دونوں گھروں میں دائرہ پر ڈومنیاں گا رہی تھیں۔ کوئی کہہ رہی تھی "آہے آہے رے ہریالے بنرے" اور کوئی "آہے ری ہریالی بنری"

جبار صاحب اور میں ملاقاتی کمرہ میں بیٹھے ہوئے تھے۔ کھڑکی کے پاس دیوار پر چڑھی ہوئی سٹچکی (نام بیل ـ RANGOON CREEPER) میں شکر خورہ بلبٹھا پھدک رہا تھا۔

جبار صاحب اب میرے مینجر نہیں تھے۔ کیونکہ شفقت، جاودانی صاحب

کی اکلوتی وارثہ تھی۔ اور ان کے پاس اِس قدر سکنائی جائیداد اور باغات تھے۔ کہ ان کے لئے ایک باقاعدہ دفتر کھولنا پڑا تھا۔ جس میں محاسب۔ خزانچی۔ زود نویس مینجر وغیرہ متعین تھے۔ جبار میاں کی حیثیت وہی تھی۔ جو ملکۂ الزبتھ ثانی کے شوہر ڈیوک آف اڈنبرا کی۔ وہ گھر داماد تھے۔ میں یہ غور کر رہا تھا۔ کہ انسان بھی کتنا بے بصر ہے۔ اور اُس کے اندازے بھی کتنے پوچ ہوتے ہیں۔ بھلا جبار کا ماتھا انگریز ادیب گولڈ سمتھ کی طرح مڑواں اور آگے کو نکلا ہوا کہاں ہے ان کے بالوں کو کلیر پہاڑ کی بھابڑ کون کہے گا۔ یا یہ مستقبل قریب یا بعید میں کب سنجافی گنجے ہونے والے تھے۔ اور انہیں بال خورے کی بیماری کب تھی۔

پہلے میں نے رقیہ کو طبیعت سے اتار رکھا تھا۔ اور شفقت کو اپنے اوپر طاری کر لیا تھا۔ مگر اب حالت اِس کے برعکس ہے۔

میں یہ سوچ ہی رہا تھا۔ کہ شفقت پھر حسبِ عادت جھکی کے ساتھ اندر داخل ہوئی۔

اس نے چاکلیٹی رنگ کے غرارے پر اونچا سبز کاہی قمیض پہنا ہوا تھا۔ گلے اور ہاتھوں میں پھولوں کے گجرے۔ اور پاؤں میں ٹاٹ بافی جوتا موجِ زلف کندھے پر لہر مار رہی تھی۔ کالے رنگ میں معمولی سفید چہرہ بھی ایک بہار دے جاتا ہے۔ مگر شفقت تو بُقعۂ نور اور گلناری تھی۔ اِس لئے اُس کی آمد سے کمرہ جی سا گیا۔ اور ایک آواز کانوں میں آنے لگی کہ طلسمِ جادوئے بابل کے ٹکڑے ٹکڑے ہیں۔

اُس نے ہیجانی لہجہ میں کہا۔

وہ: بھائی جان فریاد فریاد۔

میں: کیوں کیا ہوا۔

وہ: آپ کی ہونے والی خورد سال دلہن نے ہم پر الزام لگا دے۔

میں: الزام!۔

وہ: جی الزام! بہت ہی برے اور بے ڈھب اچھرنگ الزام۔ کہ بس

رکھے جائیں نہ اٹھائے جائیں۔

میں :۔ کیا الزام ہیں؟۔

وہ :۔ سنیئے گا تو بھنّا جایئے گا۔ نہ سنیئے۔ اچھا سنیئے۔ پہاڑ پر میں اور رقیہ آپ کے بالاخانہ میں آئے تھے۔ اُس نے میرا آپ کا تعارف کرایا تھا۔

میں :۔ ہاں

وہ : میرے منہ سے اس وقت یہ بات نکلی تھی۔ کہ میں آپ کو نہیں جانتی۔

میں : ہاں

وہ :۔ وہ کچھ اور کہتی ہے۔

میں :۔ کیا؟

وہ :۔ کہتی ہے۔ سنیئے گا تو اس سے خفا ہو جایئے گا۔ کہیں کوئی پیچیدگی نہ پیدا ہو جائے کہتی ہے۔ کہ میں (ہاتھ سے اپنی چھاتی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) تو آپ کو بہت پہلے سے جانتی تھی۔ اور ــــــــ

میں :۔ اُور کیا؟

وہ :۔ ۔ اور یہ کہہ کر اُس نے آپ جیسے عارف باللہ ولی اللہ اور میری عزت پر ہاتھ ڈالا۔ کہ ہم اور آپ اس طرح ملا کرتے تھے۔ جس طرح آپ اور وہ۔ کیا یہ سچ ہے؟۔

میں :۔ روئے داد مسل ملاحظہ کرنے سے قبل عدالت اپنی رائے عالیہ محفوظ رکھتی ہے۔

وہ :۔ میں آپ سے منصفی نہیں چاہتی۔

میں :۔ آپ بطور فریادی کے آئی تھیں۔ فریاد ہے۔ فریاد ہے۔ پکارتی ہوئیں معدلت اور انصاف گستری کی خواہاں۔

وہ :۔ نہیں میں صرف آپ کی گواہی چاہتی ہوں۔ کیا آپ اُن کی خاطر جھوٹ بول جایئے گا؟۔

میں :۔ اگر ہم آپ کے خلاف گواہی دیں؛

وہ :۔ آپ مسترد کر دئے جائیں گے۔

میں :۔ کیسے ؟

وہ :۔ بیوی مدعی شوہر گواہ۔ چہ خوش۔ خیر اپنے ایمان سے خدا کو حاضر ناظر جان کر کہئے۔ کہ کیا واقعی ہم آپ سے اسی طرح ملا کرتے تھے۔ ہاں یا نا۔ ایک جواب

میں :۔ پہلے گواہ کو خوراک اور سفر خرچ دلائیے۔

وہ :۔ سفر آپ نے کون سا کیا۔ جو نوچ بے ایمان سرکاری افسر کے بھتے کی طرح وصول کرنا چاہتے ہیں۔ رہا کھانا تو کھانے کی کوئی کمی نہیں۔ ایک چھوڑ دو بخش بھجوا دوں گی۔

میں :۔ کیا جبار میاں کی بھی طلبی ہے۔ اُن سے کسی قسم کی گواہی مطلوب ہو گی۔

وہ :۔ اُن سے کیا مطلوب ہوتا۔

میں :۔ تو یہ دو بخش کس لئے۔ ایک قلندر کے لئے ایک بخش کافی تھا۔ دوسرا بخش دوسرے قلندر کے لئے ہو گا؟

وہ :۔ نہیں یہ بات نہیں۔ ایک بخش آپ کے لئے تھا۔ دوسرا رشوت تھی۔

میں :۔ چُپ چپ۔ ہوشیار۔ کہیں رشوت دہندگی میں نہ دھر لی جاؤ۔

وہ :۔ اور کوئی دروغ حلفی میں دھر لیا جائے۔

میں :۔ اچھا یہ تو فرمائیے۔ کہ اگر آپ کے حق میں ڈگری مل جائے۔ تو کیا کچھ وصولی ہو جائے گی۔

وہ :۔ آپ کی شیری پر میں نے تو شرط بدلی تھی۔ اور ہمیں یقین تھا۔ کہ آپ جھوٹ نہ بولیں گے۔ مگر ہائے ہے

غلطی کی کہ جو کافر کو مسلمان سمجھا

میں :۔ اچھا شرط — شرط — فرمائیے شرط — شرط

وہ :۔ شرط۔ شرط فرمائیے شرط۔ شرط۔ رومن مجمع کی طرح کیوں بیتاب ہو گئے بھائی جان۔ انطانی قیصر کی وصیت کا اعلان تو نہیں کر رہا۔

میں :۔ شرط ۔ شرط ۔ شرط

وہ :۔ اگر ان کا (رقیہ کا) دعویٰ ثابت نہ ہو سکا۔ تو وہ بروئے شرط اپنا نام بدلوا دیں گی۔

جبار :۔ طاہر میاں ۔ کیا بیوی کو شوہر کی رائے بغیر اپنا نام بدلوانے کا حق ہے۔

وہ :۔ لیکن وہ تو ہماری بھابھی بننے سے پہلے ہی اپنا نام بدلوا دیں گی۔

جبار :۔ مگر سوال تو حق کا ہے۔ پہلے یہ مسئلہ طے ہو جائے۔ طاہر میاں پہلے آپ فیصلہ دیجیے؛

وہ :۔ یہ مسئلہ بھائی جان کے اختیار سماعت سے باہر ہے۔ اس کے فیصلہ کے لئے تو مولوی ملّانے بھرے پڑے ہیں۔ مگر ہائے بھائی جان رقیہ ابھی سے آپ کی مرضی بغیر نام بدل ڈالے اور آپ بیٹھے ٹک ٹک دیکھا کریں۔ ایسا غضب نہ کیجیے۔ مثال بہ قائم ہو جائے گی۔ عمر بھر کے لئے پچھتانا ہوگا۔ گربہ کشتن روز اول۔ اور وہ اس پر اس طرح تُلی بیٹھی ہے جس طرح اورنگ زیب جزیہ پر۔ کوئی لاکھ سمجھائے نہ مانے گی۔ جبار صاحب کی ہمشیرہ صاحبہ نے بہتیرا سمجھایا۔ کہ مایوس بیٹھے ہوئے ایسی باتیں مناسب نہیں۔ اور ضدم ضدی سے کیا حاصل۔ مگر وہ کہنے لگی۔ میں اپنے دل کی مالک ہوں۔ ایک اور ہمعصر نے کہا کہ ایجاب و قبول کے وقت نام لئے جاتے ہیں۔ اور تمہارا نام بدلا گیا۔ تو طاہر میاں کہیں سوچ میں نہ پڑ جائیں۔ تو بولیں کہ اُن کا کیا انہیں ہم پہلے سے کہلوا بھیجیں گے کہ اب ہمارا یہ نام ہے ــــ رقیہ نہیں۔ اس لئے قبول کر لو۔ رقیہ کا نام ہم چھوڑ چکے۔

پھر کہنے لگی۔ دراصل یہاں تک نوبت نہیں آئے گی۔

افوہ ــــ شادی سے قبل ہی اتنی خوش فہمی کہ مجوزّہ شوہر ان کے لئے جھوٹ تک بولے گا۔ خوش فہمی ہی نہیں بلکہ وعدۂ قیامت جیسا یقین۔ وہ آپ کو ابھی سے خطرے میں نہیں لاتی۔ میں تو آپ کو نکھ آدمی سمجھتی ہوں۔ مگر اُس نے دیانت داری کے لحاظ سے آپ کو ڈوبی آسامی خیال کر رکھا ہے۔

میں :۔ اچھا یہ تو بتلایئے کہ اگر آپ ہار گئیں تو آپ پر کیا تاوان پڑے گا؟۔

وہ :۔ کچھ نہیں :۔

میں :۔ کچھ نہیں — خوب — مگر قانون میں بے بدل بیع اور شرطیں کالعدم ہیں۔ یعنی قابلِ پابندی نہیں — میں یہ سقم دُور کر دوں۔

وہ :۔ یہی کہے گا نا کہ اگر میں ہار گئی۔ تو مجھے اپنا نام بدلوا دینا ہوگا۔

میں :۔ نہیں یہ نہیں — آپ کا نام بہت اچھا ہے اس کا بدلوانا قطعی مناسب نہیں،

وہ :۔ تو اور کیا؟

میں :۔ اگر آپ ہار گئیں۔ تو جبار میاں اپنا نام بدلوا دیں۔

وہ :۔ بھائی جان۔ بھائی جان۔

قہقہے۔

اور قہقہوں کی آواز سنتی ہوئیں رفیہ کی والدہ آکر گرم ہونے لگیں۔

والدہ :۔ اری کھلنڈرا تو یہاں آکر بیٹھ گئی۔ اور رُکّی کے مہندی لگ رہی ہے کیا تو یہ کچھ اصرار تھا۔ کہ اس وقت مجھے ضرور بلا لینا۔ گائیں ناچیں گے۔

وہ :۔ ایگزینڈرا: خالہ جان میرا نام تو شفقت ہے — ایگزینڈرا نہیں۔

:۔ میں نے تو کھلنڈرا کہا ہے۔

وہ :۔ معاف کیجئے خالہ جان۔ میری سماعت کا قصور تھا۔

:۔ پر تو یہاں کہہ کیا رہی ہے؟

جبار :۔ یہ تو یہاں کچھ فیصلہ کرا رہی ہیں۔ رُکّی سے کچھ بدلیا تھا۔

والدہ :۔ یہ رُکّی سے ملی کب۔ پہاڑ سے اترائی کے بعد نیک قدم پہلی بار تشریف لائی ہیں۔ ورنہ بلاتے ہی رہ گئے۔ کیوں جبار میاں کیا اسے آپ نے روک رکھا تھا۔

میں :۔ خالہ جان شفقت پر خفا نہ ہوجیے۔ ان پر تو بُرا وقت آن پڑا ہے۔ یہ تو اس دھڑکے اور سانسے کی ہو لیں۔ کہ شرط ہار گئیں۔ تو کیا حشر ہو گا۔ اسی لئے مبہوت

کھڑی ہیں۔

والدہ :۔ میں کہتی ہوں یہ اس سے ملی کب جو شرطیں بدی جائیں۔ وہ نہارہی تھی۔ یہ لپ چھپ کرتی ہوئی غسل خانہ کی جھلملیوں میں سے جھانکنے لگی۔ میں نے پھٹکارا کہ یہاں نہاتی دلہن کا پنڈا سوائے نائن کے اور کسی کو نہیں دکھایا جاتا۔ تو یہ ادھر بھاگ آئی۔

چل ٹھٹھولن! کہاں لاکھ ساکھ باتیں نکالتی پھر رہی ہے۔ میوہ فروش کا لباس بھی آگیا۔

میں :۔ میوہ فروش کا۔

والدہ :۔ سوانگ بھر کر ناچے گی سب منتظر ہیں۔ چل۔

شفقت نے میری طرف بھینگے پن سے دیکھتے ہوئے گنوار و زبان میں کہا۔

"بھائی جان۔ ذرا رکیہ (رقیہ) ہر کے بگڑلون ہو آؤں۔ دیوال ٹپ کر جاؤں گی۔ بہو میرا ہیر وا کمر رہی ہے۔

دیوال ٹپکر جانا ہے۔ میرا پہرا دا دھرا دھرا میلا نہ ہو جائے فی الفور جا کر پہر لینا چاہیئے۔ گنی لوگوں نے کہلہے کہ بڈون کا آور کرنا چاہیئے"

اِس پر خالہ جان نے اُسے تاڑا۔

"یہ کیا بولی ہے؟"

اُس نے دوبارہ بھینگا پن دکھاتے ہوئے جواب دیا۔

"ماؤسی مہارے ملک میں یوں ہی بولت ہیں"

یہ تیز مرچ کی بُرکی اصل میں شفقت نے میرے منہ میں ڈالی تھی۔ تاکہ گزشتہ تعلقات کی بھنک چٹخارا دے جائے۔

دونوں خواتین کے چلے جانے کے بعد جبار صاحب مجھ سے دریافت کرنے لگے۔

"طاہر میاں۔ شفقت کو یہ سبق کس نے پڑھایا ہوگا؟"

میں نے جواب دیا:

"آپ کی دلہن تو بہتیری فر فر اور طرارے دار ہیں۔ انہیں کون پڑھا سکتا ہے یہی سنراروں کو چلا کر رکھ دیں"

نام بدلنے کا کنایہ مجھ پر تھا۔ تفرقہ باز شفقت کی یہ چھیڑ چھاڑ اور لطیفہ بازی خاص الخاص میرے لئے تھی۔ جبار صاحب یا کسی اور کے کچھ بھی پلے بھی نہیں پڑ سکتا تھا۔

پھر ہارمونیم ڈھولک منجیرے اور گھونگروؤں کی آوازیں آنے لگیں۔ لڑکیوں نے مل کر گانا شروع کر دیا۔ شفقت کی آواز ایسی نمودار تھی۔ کہ جیسے صاف پانی کے گلاس میں ذرا سا پوٹیشیم پرمیگنیٹ ڈال دیا جائے۔ جبار صاحب تو دل ہی دل میں پڑھ رہے ہوں گے ؎

اُس عزتِ ناہید کی ہر تال ہے دیپک
شعلہ سا چمک جائے ہے آواز تو دیکھو

اور میں سن رہا تھا ؎

دیکھ کر جو مَر مٹے ہیں تیرے پوروں پر حنا
باندھیو ہاتھوں پہ جا کر ان کی گوروں پر حنا
دست رنگیں کی تمہارے دھوم ہے چاروں طرف
اِن دنوں آفاق میں ہے زوروں شوروں پر حنا

شفقت نے جو مجھے ایک دفعہ کہا تھا کہ معرکہ آرا صاحب آج تو آپ بڑے زوروں شوروں پر ہیں۔ تو مجھے معلوم ہو گیا کہ زوروں شوروں کے الفاظ اُس نے اِس غزل سے اڑائے تھے۔

جب رقیہ کے مہندی لگ چکی۔ تو سب لڑکیوں کو علیحدہ کر دیا گیا۔ کیونکہ دلہن کو سُلانا مقصود تھا صرف شفقت ذرا دیر کو بیٹھی رہ گئی۔ اس نے شعر پڑھا ؎

بندھی ہے حنا ہاتھ پاؤں میں اُن کے
یہی وقت ہے چھیڑ تو بے بسی کا

رقیہ نے کچھ جواب نہ دیا۔ تو وہ یہ کہتے ہوئے کہ کیا دھیان کئے پڑی ہے۔ اُس کے گدگدیاں اٹھانے لگی۔ اِس کے نتیجے ظاہر تھے۔ چھپر کھٹ کی چادروں اور تکیوں کی خبر نہیں تھی۔ اور ساتھ ہی دلہن کا ملبوس بھی لتھڑ جاتا۔

پھر اُس نے رقیہ پر رحم کھاتے ہوئے اُس کے ہونٹوں کی طرف منہ بڑھایا اور بولی:۔

"یہ نہیں تو یہ سہی۔ دونوں میں سے ایک انتخاب کرنا ہوگا۔ میں اپنی مانو کو طاہر بھائی جان کے پاس کورم کورنہ جانے دوں گی۔ ذرا گل تکیے سے روئے گلزار اٹھاؤ ورنہ مجھے زیادہ جھکنا پڑے گا۔ سیدھی طرح مان جاؤ ورنہ حلق دبانا پڑے گا۔ رخساروں کی مجھے حاجت نہیں۔ اور نہ کٹیلے نینن کی۔ ان میں مجھے سواد نہیں آتا۔ میم دہان زیادہ مزیدار اور اچھا مال ہے۔ زبان کے قریب اور چوبیس گھنٹے کی صحبت نے اسے بھی زبان ہی کی طرح چٹورا بنا دیا۔ پہلے گوشے چوموں گی اور پھر بیچ۔ میں اس پر اپنی تھوڑی سی جوٹھ چھوڑ کر جاؤں گی۔ اور یہ خال لب زیریں تو دیکھا ہی نہیں تھا۔ آہا ہا ہا۔ اسے دولہا بھائی کے لئے چھوڑ دوں۔ انہیں میری جوٹھ کوٹ کھانی ہو گی"

"اگر میں نے کچھ کہہ دیا۔ تو پچھنے سے لگ جائیں گے"

"پچھنے نہیں تم چھریاں مارو۔ آج تمہارے لئے سو خون معاف ہیں"

"بین توری منتی کرت ہوں۔ رُکی جان بین تورے بلہاری۔ کرنا کے لئے تنک اکھیاں پھر کائے کے موہے۔ مجا چکھا دے۔ آئے ہائے رے میری پیاری گیّاں۔ پہلے تیرے نگین لب کے گوشے چوموں گی اور پھر بیچ"

شفقت نے یہ گاتے ہوئے ہے سیّاں برکھائیں لینے آئے۔ گلے میں باہیں ڈال کر اس شدت اور اشتغال کے ساتھ ہونٹ چومے کہ جیسے وہ رقیہ کی جان انہیں چوس کر نکال رہی ہو۔

فارغطی کے بعد اس نے دلہن سے کہا۔

"تُو تو بڑی کا چدار غنچا کا ہے۔ دلہا ہوک چوک معاف کرائے بغیر دوسری۔ تیسری بلکہ چوسری کر دے گا۔ تو تو ایسی میٹھی لعوق ہے۔ کہ انگلی بھر بھر چاٹے ہی جائے بلکہ ما بہ

الاحتفاظ۔ میں تجھے ہر وقت اپنے کلیجہ میں ڈالے رکھوں۔

مگر مجھے پورا لطف نہیں آیا۔ آئے ہائے رے تیرے ہونٹوں کی چسکیاں تو کوئی ننگی سانتھل پہ بٹھالئے لگائے۔ ساتھ کے ساتھ راز و نیاز۔ رمز و کنائے اور چاؤ چو چلے کی باتیں ہوتی ہوں ؎

پیدا ترے لبان مستی شکر و شہد ہوا

"جو پاپ تم کر چکی ہو۔ اُس کا سلسلہ دُور تک پہونچے گا،،

تجھے اپنے دہانِ تنگ کی سوں

تجھے غنچہ کے آب و رنگ کی سوں

اور تجھے اپنی بالی عمریا کی سون۔ بتا تو یہ کیسے ہو گا رُکی؟ میں تیری چیستان سمجھ گئی۔ لوٹے کی ٹینٹوُ ایک —— پانی پیا دو نے —— پہلے میں نے پھر کسی اور نے —— میرے منہ کا کچھ لگا رہ گیا —— کچھ اُس کے منہ سے لگا۔ دونوں ہیل میل کھا گئے۔ یہی مطلب ہے نا —— بہن جی —— سلسلہ دور تک پہنچنے کا،

"ہائے تماخرہ باز بے حیا لڑکی —— کچھ کا کچھ سمجھ گئی۔"

"کچھ کا کچھ تو نہیں سمجھی۔ تم رُکی رُکی مٹھی مٹھی بات کہہ رہی تھیں۔ میں نے مطلب واضح کر دیا۔ ہائے وائے تو اس وقت کرنا جب معارکۂ عظیم پیش آئے گا۔ اور تمہاری صفائی بولی جائے گی۔ ابھی سے کیوں کلیجڑا پچھاڑے لیتی ہے،،

"معلوم ہوا کہ تم نے کرامات کے وقت بڑی دھاندلیاں مچائی ہوں گی۔ خوب آکھلاپن دکھایا ہو گا۔ اور پچھاڑیاں ماری ہوں گی۔ مگر پہلے ہی وار میں تمہیں تورئیے کی طرح نچوڑ دیا گیا ہو گا۔ ایک ہی کادے میں پانی پانی ہو گئی ہوں گی،،

"تم بھی آٹے کی طرح گوندھ گوندھا کر رکھ دی جاؤ گی۔ ان کا جھوک بھار اور جھکولا ذرا ہوشیاری سے سنبھالنا کیونکہ ابھی کم از کم بظاہر ڈیڑھ انچھر کی ہو۔ اور تُو نے تو منہ مانگا بر پایا ہے۔ چڑی کو چڑیمار کے تحت و تصرف میں آنا مبارک! بچھڑیوں کی طرح

سے ٹوٹ جانا۔ نعل بندی کے وقت اصیل گھوڑیوں کے پوڑ مال باندھنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ میں نے یہ بھی استخارہ سے معلوم کر لیا ہے۔ کہ تم تھان کی سچی اور پیٹھ کی پکی ثابت ہو گی اور اتنی شائستہ کہ جتنا ہیبت گرنے لگے تو اُسے اوپر ہی اوپر تھام لو۔ وہ پٹڑی جما کر باگ ڈھیلی کر دیں گے اور خوش لگام لال گھوڑی فراٹے بھرنے لگے گی۔ اس وقت مطلع صاف ہے مگر رات کو اتنا برسے گا۔ کہ آل سے آل مل جائے۔ اتنا بہت بناؤ سنگار بھی اچھا نہیں۔ انہیں چکا چوند لگ جائے گی۔"

"اچھا چلو ہٹ! مجھے ٹک اپنا دل خوش کر لینے دے۔ اب کے تنک اِن دائیں بائیں کے رخساروں کی بہار دکھا"

وہ اتنا کہنے پائی تھی۔ کہ بہت سی شوخ اور اچپل لونڈیاں اندر گھس آئیں۔ اب ہمارے یہاں کا پروگرام تھا۔ پھر وہ شفقت کو لئے ہارمونیم کے سُروں۔ ڈھولک کی تھاپ کے ساتھ ساتھ منجیرا اور گھونگرو بجاتی ہوئیں نگیرہ میں چلی آئیں جو ملاقاتی کمرے کے سامنے لان میں لگا ہوا تھا۔ جبار اور میں اس نشاط پرور منظر کو تو نہیں دیکھ سکتے تھے۔ اس لئے ہمیں گمک دھمک کے مزوں پر ہی اکتفا کرنی پڑی۔ ان غضبنوں نے ایک ایسا گیت چھیڑا تھا۔ کہ اگر ماہ و انجم اس وقت نکلے ہوئے ہوتے تو انہیں بھی حال آجاتا ہے

ساقِ سیمیں تیری شب دیکھ کے گوری گوری
شرم سے شمع ہوئی جاتی ہے تھوڑی تھوڑی
نیشکر نے کبھی تجھ لب سے کیا تھا دعویٰ
آج تک اُس کی پڑی کٹتی ہے پوری پوری
دَیر چاہے ہے یہ مست مجھے اَے ساقی
دے تو بھر بھر کے مجھے پیالیاں کوری کوری
آ گیا رات میں جوں دزدِ حنا تیرے ہاتھ
ورنہ جا پاؤں کو لگا ہی تھا چوری چوری

اے کاش اگر بجو مردنگ پر یہ غزل گاتی تو اور ہی لطف آتا۔ اس دھنی لڑکی کے

دہن کو جک سے اردو لفظ بڑے ہی بھلے معلوم ہوتے تھے۔

اس کے بعد شفقت نے دیہاتی میوہ فروش کا بہروپ بھرا۔ ہم اُسے دیکھ نہ سکتے تھے۔ مگر آواز بخوبی آ رہی تھی۔

اب شفقت گٹھل کے بڑے بڑے سرخ پھول ٹوکری میں بھرے ہوئے لائی۔ ان کے نیچے نارنگیاں سیب وغیرہ تھے۔

وہ اس طرح آواز بنا کر بول رہی تھی۔ کہ جیسے اس کا گلا بہت بُری طرح بیٹھا ہوا ہو۔

ایک نے اُس سے دریافت کیا:

"بھلاری بھلا — یہ کیا چٹر پٹر بیچتی پھر رہی ہے ؟"

"دیدے کہاں گئے۔ تجھے یہ پھل پھلواری دکھائی نہیں دیتی"

"تیرے پاس نارنگیاں بھی ہوں گی"

"کا؟ — نارنگیاں ہیں"

"کتنیک ہون گی ؟"

"بہت "

"ہمیں تو تیرے پاس دو دکھائی دے رہی ہیں — اور کہاں سے لائے گی؟"

"یہ دو میری — یہ دو تیری — دو اِس کی — دو اُس کی — دو اور دو چار — چار اور چار آٹھ — آٹھ اور آٹھ سولہ — سولہ اور سولہ بتیس — بتیس اور بتیس چونسٹھ — اسی طرح جمع کر لوں گی — تجھے بتا کتنیک کی چاہنا ہے ؟"

"لونگی تو دو۔ پر چھانٹ کر اور پال کی پکّی ہوئی نہیں"

"نہیں ٹپکے کی ہیں۔ تیرے کتنے دام کتنیک ہوں گے؟"

"دام بہت"

"تو پھر نارنگیاں بھی بہت — پسار پلاّ"

بلاّ تو نہیں ہے۔"

"تو پسار منہ۔ اس میں رکھ دوں گی"

"میرے منہ میں تو کیا رکھے گی۔ جادہ باتاں نہ بنا۔ تُو تو آپ ناشپاتی ہے کہیں تجھے ہی کوئی کھیسے میں نہ رکھ لے"

"اور میں کدھاں لگ کھڑی رہوں گی۔ مجھے بھی کچھ دے"

"تئیں کیا لے گی ری گھاگھی جمن جی۔ تیری باہاں تو بڑی ماڑی ہیں"

"میرا جی گلِ انار کو کرے"

"تیرے کتنے دام کِتے ہیں؟ جی گلِ انار کو کرے۔ گوجھا خالی کرے"

"گوجھے میں تو کچھ نہیں۔ پھر دے دوں گی۔ ادھار دیوے تو لُوں۔ کبھو کبھو اُدھا بھی بیچ دیا کرے۔"

"نہیں جمن جی۔ آپ تو جگت گُٹنی ہوئیں۔ ادھار تو میں اپنی سوکنک کو نہ دوں۔ لال سوداگر ایسا نئیں کر سکتے۔"

"تو لال سوداگر کہاں۔ تو تو لاڑھیا ہے"

"چل چنخ۔ کیوں ٹٹلا رہی ہے۔ منگنا ہو تو کہیں اور منگ رالدنہ بڑھا۔ خشکا کھا پنیر کے ساتھ۔"

"خشکا پنیر تو مجھے ملے نہیں"

"چپنے چاپ۔ راہ لگ۔ باہر باہر۔ بوہنی کے وقت مجھے بھکیرنیاں (فقیرنیاں) بُری لگیں"

قہقہے

"ارے ری میوہ فروش تیرا کیا نام؟"

"نام وام نئیں جانتے۔ ناؤں کہہ ناؤں۔ مھارا ناؤں ہے۔ بھلی مانس۔ ڈھیٹی ٹھاڈی"

"یہ دو تین نام کیسے ؟"

"ہم بھلے مانسوں کے ساتھ بھلے مانس ہیں۔ اور جو ہمارا سودا لے کر دام نہ دیں۔ اُن کے لئے ڈھیٹے۔ ٹانٹے۔ ٹھاڈے۔"

"ہم تجھ سے کچھ نہ خریدیں۔ تُو تو بڑی مہنگ واڑی ہے"

"نقانہ لوں۔ بس نہ بیچ دوں۔ میں اتنی بے اخل (بے عقل) نئیں۔ تو نئیں خریدتی نہ خرید۔ اپنی راہ لگ۔ تجھے بیچے کون ؟"

"مجھے کیوں بیچے۔ اپنے آپ کو بیچ کھا۔"

قہقہے

"ادہو ری ادہو پھل بیچنے والی تُو تو آپ میوہ ہے تیرے اپنے کتنے دام"

"سوا دو لاکھ"

"ہوئے ری تو اتنی زہر مہنگی کیونکر ہے"

"لاک میری چٹک کے اور سوا لاک میری مٹک کے۔"

"اتنی مہنگی"

"اور میرا قلقا تو رہ ہی گیا"

"یہ کیا شے ہوتی ہے ؟"

"اِسے تو نئیں جانتی"

"نہیں"

"پڑھ پتھر لوگ اِسے شان آن کے نام سے پکارین ہیں۔ اور ہم جیسے دیہاتی اسے تقلقا۔ کہین ہین۔

قہقہے

شفقت :۔ "میرے اِیدھر کون ہیں ؟ اور اُودھر کون ؟"

"ایدھر ہیں ہم ۔حسینہ ۔کرامت ۔نور ۔زاہدہ ۔زندی ۔زینت ۔جمیلہ"

"بس بس اور ایدھر"

"ایدھر ہم ہیں ۔ درتسنیم خاتون ۔امت التراب بیگم ۔شاہ جہاں خانم ۔شرف النساء"

"جیدھر تیدھر لڑکیاں ہی لڑکیاں ۔کچھ بھاریاں کچھ ہلکیاں"

"کیسے ؟"

بھاریاں :۔ درتسنیم خاتون ۔ امت التراب بیگم ۔شاہ جہاں خانم ۔شرف النساء"

ہلکیاں :۔ نور ۔ زبیدہ ۔زینت ۔زندی ۔جمیلہ ۔حسینہ ۔ زاہدہ ۔کرامت۔

شفقت :۔ اری چھوکریو ۔ جنے میری جگہ اِس کفر کھچری میں کوئی ایکلا مردوا آن پڑا ہے اور تم اُس کی نظر میں چبھ گئی ہو ۔ بھلا وہ کیا کرے گا ؟

سب میں کی ایک :۔ تو ہی بتا کیا کرے گا ؟

شفقت :۔ وہ تمہارے میٹھے میٹھے ہونٹ چاکھنے کو منہ بڑھائے گا ۔ماکر کے اپنا چین سامنہ تمہارے قلم کے قط جنے منہ پر ڈھال پننے کو گھائی بر د بر (برابر) بھا صلے (فاصلے) پرلے آئے گا ـــــ اور تم سے نشہ پانی کرنا چاہے گا ۔ تو اری گھرگیو ۔ تم میں سے کون کون جنی اُسے منہ میٹھا کرنے دے گی ۔

دہی سب میں کی ایک :۔ ہر بول ہر ۔ ایسا کوئی بھی نہیں کرنے دے گی ۔

شفقت :۔ اری لُٹیو ، جو وہ تمہیں سات پیڑھیوں کی راجائی دے ۔

سب میں کی ایک :۔ نئیں ۔ نئیں ۔ کیا تو نے ہمیں ۔ بہکیل سمجھا ہے ۔

شفقت :۔ نام چار کو ایک دو ہی تو لینے دینا ۔

سب میں کی ایک :۔ وہ نام چار کو ہماری ہی تو کیا لینا ۔ ہم تو ذرا ظہور تک کو اُسے اپنا سر بر جسم انگ نہ چھونے دیں گے ۔

شفقت :۔ اری کرم ہیٹیو ۔ یہ کہہ کہ وہ ڈیوٹ ہم سے منہ تو کیا میٹھا کرتا وہ ہمرے نزنیک بھی آیا تو ہم اُس کا منہ پھر پھیند دے سے بھر کر من کھوسلیں گے ۔

سب میں کی ایک :۔ ہاں ہم اُس کا منہ پھر پھیند دے سے بھر کر یوں آنکھیں مچکاتے

ہوئے من کھوس لیں گے۔

شفقت :۔ اری مالزادیو۔ تم نے تو اپنی موتی چور ہانی آنکھیں یوں مچکا کر میرا ہی من کھوس لیا ہوتا ـــــ اگر وہ تمہارے گوچھے سو سو کے نوٹوں سے بھرے؟

وہی سب میں کی ایک :۔ تب بھی نئیں۔ ہم کہیں گے جرا گڑھیا میں منہ دھو آؤ۔

شفقت :۔ اگر وہ جاکر گڑھیا میں بھی منہ دھو آیا۔

سب میں کی ایک :۔ تب بھی نئیں۔

شفقت :۔ جو وہ تھارے پادان (پاؤں) اپر ہاتھ دھرے۔ تد بھی نئیں؟

سب میں کی ایک :۔ نئیں۔

شفقت :۔ جو وہ تمیں بہوت نخرے نے دے۔

سب میں کی ایک :۔ نئیں

شفقت :۔ مگر اگر وہ چا کی جتنے چھاتے والا جودھا ہو؟،

وہی سب میں کی ایک :۔ ہونے دے۔ ہم اُس کے چا کی جتنے چھاتے پہ اپنے "ایک تو نینا مدبھر دوجے انجن سار" کے تیر اس زور اور سختی سے ماریں گے۔ کہ گانسی اور گز تو اندر اتر جائے اور صرف پر گیری پر گیری باہر رہے۔

شفقت :۔ تو تم دھانک بھی ہو؟

سب میں کی ایک :۔ ہاں ہم دھانک بھی ہیں۔

شفقت :۔ تو انداز بیٹیو پھر وہ کیا کہے گا؟

سب میں کی ایک :۔ جس کی چھاتی میں اتنے تیر کھبے ہوئے ہوں بھلا اُس کی آواز نکلے گی؟

شفقت :۔ یو ڈانگدر (ڈاکٹر) سے پوچھو۔ ہمرے تائیں نئیں

وہی سب میں کی ایک :۔ اور یتن جو بوجھ بجھکڑ۔ آگی۔ اور ہنروز (ہنرمند) ہوئی۔

شفقت :۔ میری پوتھی تو یو کہے ہے کہ جو تیر دھورے دھارے لگتے رہے اور منوے پیر چوٹ نہ کھائی تو بولتا نہیں نکلے گا۔ اور بولتا نہ نکلا تو بولے گا۔

سب میں کی ایک :۔ کیا بولے گا۔

شفقت :- یہ بھی میں ہی بتاؤں کہ اس کی آواز کیسے نکلے گی۔ اور یہ بھی کہ وہ کیا بولے گا۔

وہی سب میں کی ایک :- تو عاقلہ اور قابلہ جو ٹھیری۔ سب تیرا لوہا مانتے ہیں۔ تو بڑی سدھی اور چرب راک ہے۔

شفقت :- تو ہنسو کرے۔ وہ اللہ مارا کڈھنگ تمہارے جھرمٹ میں اُجبک سا اکیلا کھڑا حسرت سے انجھو گراتا ہوا کہے گا۔

WATER WATER EVERY WHERE

BUT NOT A SINGLE DROP TO DRINK

پانی پانی ہر ہر پاسے —— پینے کو پر ملے نہ ماشے

قہقہے —— اور قہقہوں کے بعد

وہی سب میں کی ایک :- تو پنجابن بھی ہے جو آسے پاسے بولنے لگی؟

شفقت :- تو نے پنجابی سنی نئیں جو یہ لفظ ادکلو دے رہے ہیں —— بھٹے، یہ مکئی کے پودے پر لگتے ہیں۔ کیسا کریہ الصوت لفظ ہے۔ پنجابی میں انہیں چھلیاں کہتے ہیں۔ بھٹے، چھلیاں۔ کون پسند ہے؟

وہی سب میں کی ایک :- چھلّیاں

شفقت :- صبیہ۔ دختر۔ لڑکی۔ لونڈیا۔ چھوکری۔ اور کاکی۔ کون سا اچھا لگتا ہے؟

وہی سب میں کی ایک :- کاکی

شفقت :- معشوق اور ماہی میں؟

وہی سب میں کی ایک :- سو بار کہوں گی —— ماہی

شفقت :- اہل پنجاب نہیں کو پرانی اردو والوں کی طرح "نئیں" بھی بولتے ہیں۔

سب میں کی ایک :- "نئیں نئیں" کرتے ہوئے تو میں نے تجھے بھی سنا ہے۔ میرا دل چاہتا ہے کہ تیری نئیں نئیں کے ریکارڈ بھروا کر ہر وقت سنتی رہا کروں۔

شفقت :- مگر پیٹ کی جگہ ڈھڈ اور سلائی کی جگہ شرمچو بھی سنے گی۔

سب میں کی ایک :- نئیں نئیں

شفقت :۔ اور دیکھ میں پنجابن بھی ہوں۔ پُربن (پوربن) بھی۔ دلی اور نخلئو (لکھنؤ) والی بھی۔ میری جائے پیدائش لاہور ہے۔ مگر جب میں نے وہاں کی لڑکی چھوکریوں کو تھلتھلاتی ہوئی شلواروں پر پنڈلیوں تک کے نیچے قمیض پہنے دیکھا تو بھاگی کہ یہاں تو بڑی فضول خرچی ہے۔ کپڑے کا کیڑا کال پڑے گا۔ دہلی پہونچی۔ وہاں گلیوں میں کھیلتے ہوئے بالک رول مچار ہے تھے :" دلی نگر سہاونا۔ برسے کنچن نیر"۔ میں نے سوچا یہاں سے بھی ٹہلو۔ نوکر نہیں ملے گا۔ جہاں چاندی برسے وہاں کوئی مزدوری کیوں کرے۔ ہور کہیں چلو۔ اب میں نے نخلو (لکھنو) جا کے سانس لیا۔ جہاں نارنگیاں انگیا کی کٹوریوں میں رکھ لو۔ بیچتے ہیں۔ اور ایجے مں تو یاں ٹٹو جتتا ہے۔ وہاں سے پورب پاس ہی ہے۔ میں نے فیض آباد، سلطان پور۔ گونڈہ اور بنارس دیکھے ہیں۔

پر میں دکھتی نہیں۔ دکھنی ایک تھی۔ میں نے عمر میں ایسی لڑکی نہیں دیکھی۔ تم میں ویسی کوئی بھی نہیں۔ اور یہ جو تم سبھوں کی بیک (ایک) جاستی (زیادہ) باتاں بنا رہی ہے اور جس آتش کے پرکالے نے تم سبھو کو تلے تلے دبا رکھا ہے۔ یہ بھی ویسی نہیں۔ اُسے میں نے صرف ایک بار دیکھا۔

وہی سب میں کی ایک۔ وہ کیسی تھی ؟

شفقت :۔ اری ناکند بچھیرو۔ بس کیا پوچھو۔ تم گوریاں ہو۔ وہ سانوری تھی۔ تم میٹھی میٹھی۔ وہ سلونی سلونی۔ تم جاڑوں کی چڑھتی دھوپ۔ وہ ساون کی جھڑی۔ تم ماتھے کا ٹیکا۔ وہ روے دار جھانجھن۔ تم زمانہ حال۔ وہ تاریخ۔ تم اس بستی کی رہنے والیاں وہ دنیا کا جغرافیہ۔

اور اے اری اری دلڑی والی تو جوان سب میں کی ایک ہے یعنی بہت سہاونی اور پٹ پٹ بولنی۔ تیری ادائیں درہم برہم کنندہ روزگار ہیں۔ تجھے دیکھتے ہی سارد دنیا کے مرد دل و جان سے فدا ہو جائیں۔ تو وہ ایسی تھی کہ تو بھی اگر اُس کے مقابل آئے تو چادر ہلائے۔ اُس کے نام کا خطبہ تمام شہر ہائے خوباں میں پڑھا جاتا ہوگا۔ پتہ نہیں اس شوری سی خطابہ کو اب تک کسی مرد نے پڑتالا بھی تھا کہ

نیئں۔ اگر اُسے پڑتالا ہو گا۔ تو پڑتال ہوتے ہوئے اس نے بڑی ریڑی (دلتیاں) چلائی ہوں گی کیونکہ وہ بشرہ سے کمال شوخی ہائی چوچلے بازا اور ریانی کار لگتی تھی۔

وہی سب میں کی ایک: تیرا خیال کیا کہتا ہے۔

شفقت:: میرا خیال یہ کہتا ہے کہ اس پر ضرور کسی نے پہڈ تے جمار کھے تھے۔ ورنہ وہ اِتنی دور راس کماری سے جھیلوں والی نہ آتی۔ راستہ میں اوٹو کمنڈ پڑتا ہے۔ وہاں ٹھیر جاتی۔

وہی سب میں کی ایک:: اچھا نخرے بیٹی ایک بات ہم تیرے سے اور پوچھیں

شفقت:: ہور بھی پوچھو

وہی سب میں کی ایک:: جنے تو اکیلی تلاؤ میں اشنان کر رہی ہے۔ روپ ونت تو تو ہے، ہی۔ مچھ سب میں کی ایک سے بھی زیادہ۔ اور کوئی جنا جو تیرے ساتھ بے ضابطگی کرنا چاہتا ہے۔ دھڑتے سے تیرے کپڑے اٹھائے۔ اور پھجو کہ کدم پر چڑھ جائے تو تو کیا کرے؟ کہاں لکے؟

شفقت:: بے ضابطگی کیا ہوتی ہے کیا تھارا مطبل ہے وہ میرے اوپر چالے پاڑنا چاہتا ہے

وہی سب میں کی ایک:: ہاں تیرے اوپر چالے پاڑ ناچا ہے۔ تو تو کیا کرے؟ کہاں لکے؟

شفقت: ئیں؟ میں کا کروں؟ میں میں میں کا کہوں؟

وہی سب میں کی ایک:: تل نظری: شاید جواب بن نہیں پڑ رہا۔ فکرو ند ہوگئی۔

شفقت:: وچار کر لینے دو۔ میں۔ میں۔ اگر وہ زیادہ توں تاں کرے تو میں وہیں پانی میں کھڑے کھڑے دئی مارے کو ایسے تان کر ڈک دکھاؤں کہ پہلے تو آڑی کو دہشت کے پھر پھری چھوٹے پھر وہ دھولا پڑ کر میرے کپڑوں سمیت اس طرح نیچے گر کر تھور مرجائے کہ جیسے کوئی ہزار سالہ گدھ برگدوں۔ پنکھوں اور آکاش نیموں سے بھی بہت اونچا نیلے نیلے صاف آسمان میں اڑتا ہوا مُردار کی تلاش کر رہا تھا۔ میں نے دو دبار بندوق چھنیا کر گولی چلائی۔ اس نے کھائی اور وہ پتھر کی طرح زمین پر آرہے۔ اُس کے گوڈے پھوٹ جائیں۔ اور ناڑ ٹوٹ جائے۔ میں کپڑے پہن کر پہلے ادھر چلوں۔ پھر ڈگر جاؤں۔ نئیں بھاج جاؤں بھاج

میں تم سب کے ناؤں جانوں ۔ جسے پکاروں وہی بولنا ۔اری بھوپڑی رانی ہوت

سب میں کی ایک ۔: اس ناؤں کی یہاں کوئی نہیں ۔

شفقت ۔: کو ہو تو کیا دے گی ؟

سب میں کی ایک ۔: تیری آنکھوں میں خاک

شفقت ۔: خاک تو میں چاہوں ہی ۔ ادھر آ ری امت التراب بیگم ۔ تو ہی بھوپڑی رانی ہے ملمی ملمی سی ملیجہ اور بڑ دیدو ۔ مجھے تیں اچھی لگے تیں اس فصل بہار میں کلیائی ہے اسٹابری اور توت تیرے آگے ہیچ ہیں تیں ویسی تو نئیں جیسی وہ کوڑھن دکھنی تھی ۔ پہ اُس کا پاسنگ جرور (ضرور) ہے کپلاسی ۔ تیرے گلے میں توڑ بناڑلے رکھے ۔ اری کپلاسی جرا جھائی لینا ۔ ٹک لینا جھائی گرم مسالے ۔

امت التراب : نہ آلکس ہے نہ نیند ۔ آئے گی نہیں ۔

شفقت ۔: وہ ڈپل کھائی ایسی جھائی لیتی تھی کہ دولہا دیکھے تو اُڑ جائے ۔ جو تیری میری اشنائی ہو جائے تو میں کیا کروں ؟

امت التراب : کیا کرتی ۔

شفقت ۔: کروں ۔ جرور کچھ کروں کیونکہ نا جو تو پٹاری میں بند رکھنے کے قابل ہے ۔ تجھے ادھر تو ہیں میرے سنگ جھیرے یا کھدانے جانا پڑے گا ۔

امت التراب : واں کیوں ؟

شفقت : اُس جاگہ میرے دکھڑے سننے کے لئے ۔

امت التراب : اپنے گھروں لے چل ،

شفقت ۔: بابا ہو گا ۔

امت التراب ۔: نور ۔ زندی ۔ زاہدہ ۔ شاہجہاں یا ان میں سے کسی اور کی دہلی پر چل ۔ کوٹھے میں کھٹیا ڈلوا کر کواڑ بھیڑ لیں گے ۔ واں دکھڑے سنا دینا ۔

شفقت ۔: بٹ بیجنے ! تو دس جماعت فیل ہے ۔ پہ پھر بھی کچھ نہ جانے ۔ رومان اُجڑ محل کھنڈر ڈھنڈار ۔ اور ڈھنڈ میں ہوتا ہے ۔ جھڑبیریوں کے پاس اور گولر کی چھاں میں ہو ہے ۔

اپنے گھروں یا اپنے دوست کے گھروں نئیں ہوتا۔ نئیں ہوتا۔ نئیں ہوتا۔

امت التراب :۔ یہ تو بادل پن ہے تو تو بادل گت ہے اچھا جنے ہم کھدانے میں ہیں اور مینہ آگیا۔

شفقت :۔ آئے گا تو جائے گا بھی۔

امت التراب :۔ جو آسمان میں چھید ہو جائے۔

شفقت :۔ آسمان میں چھید اُس دن ہوگا۔ جب اسرافیل نہ ہوں گے۔ برسانت میں کمی جاتی زیادتی وہی کہہ تے ہیں۔

امت التراب :۔ اچھا کھدانے میں تو دکھڑے ہی تو سنائے گی۔ اور بس

شفقت :۔ ململی ململی سی اچھی اچھی بڑ دیدو کی فتوئی اتروا کر ٹوہاٹوہی بھی کروں گی۔ اور کندری سے ہونٹ بھی چوموں گی۔

امت التراب :۔ کتنی دیر تک

شفقت :۔ رات تارات

امت التراب :۔ جو میں وہاں کھور دلاؤں؟

شفقت :۔ ساندا لگا دوں گی۔ یار ابن سن کر دسو کی طرح دھرتی پر چت لٹا کر جھلونترے کھونٹیوں سے باندھ دونگی۔

شفقت :۔ ادھ رتیوں میں؟

امت التراب :۔ ہاں

شفقت :۔ ملاپی جی کو چھوڑ کر اُڑنچھو ہو جاؤں گی۔

امت التراب :۔ تو میں تیرے سنگ نہ جاؤں تو تو چیند بھری ہے۔ دھوت۔ پھٹے۔ منہ بت بنی

شفقت :۔ چل بڑ موہی۔ اُدتوں کھدیڑی۔ تجھ جیسے اڑھائے کو کون ساتھ لے جائے۔

وہی سب ہیں کی ایک :۔ یہ نہیں جاتی تو نہ جائے مجھے بے چل۔ میں تیری گیل (ساتھ) چلوں گی۔

شفقت :: تین

سب میں کی ایک :: ہاں جی ہیں ۔ دیکھ میرا چہرہ کتنا رونق فزا ہے ۔ بزلہ سنج ہوں ، خوش لکھن
اور سانچے میں ڈھلی ہوئی ۔ میری شوخی ہائی ٹبنیان ٹوکیاں پھاڑ کر نکلی جائیں ۔ ان
دو قمریوں کو بڑے عذاب سے قید کر رکھا ہے ۔

شفقت :: میں تجھے لے چلوں تو وہاں بھچیڑ تو نہ لائیگی ۔ جھائیں چھپا تو نہ کرے گی ۔

سب میں کی ایک :: نہیں میں ایسی نہیں کہ اِل جاؤں بِل جاؤں جلوہ کے وقت ٹل جاؤں ۔

شفقت :: ظاہر ظہور تو ایسی نئیں لگتی ۔ پر کیا پتہ وہاں تجھے کچھ ہوئے جائے ۔

سب میں کی ایک : مجھے وہاں کچھ نہیں ہوئے گا ۔ نہ میں الٹی مت کی ہوں ۔ نہ دم باز ۔ مجھے
کچھ نہ ہوئے گا ۔ گیل لے چل ۔

شفقت :: تجھے کمالا بھی آئے ؟

سب میں کی ایک : آئے

شفقت :: بہرہ ور ہونے سے پہلوں کمالا دکھایا تو انام (انعام) ملے گا ۔

سب میں کی ایک : دکھاؤں گی ۔

شفقت ، کوئی تم میں سے ایسی بھی ہے ؟

کوئی لڑکی : کیسی ؟

شفقت :: جو دائی کو بُلا لائے

وہی سب میں کی ایک ؛ دائی کو ۔

شفقت ، تیرے ناف نلے ٹل جائیں گے ۔ پیٹ سُتواوں گی

سب میں کی ایک ، جھیرے میں چلے گی یا کھدانے ۔ کان چلے گی ؟

شفقت :: جھیرے میں نہ کھدانے ۔ بھسوارے میں چلیں گے ۔ بھوسہ بلدوں نے سپڑا دیا ۔
ٹھالی (خالی) پڑا ہے ۔

سب میں کی ایک :: چاہے جہاں لے چل ۔ گیل چلوں گی

شفقت :: جا خیرہ سر مجے تیری چاہنا نئیں ۔ تو تو بکتی بکتی شورے کی قفلی ہے ۔ مجے چاہیئے

گنگنی گنگنی ۔ تو مہر نیم روز ہے ۔ میرے لئے لاؤ گرد شب ۔ مجھے مِسّی روٹی دو مِسّی۔ گیہوں کے پھلکے ہیں نہیں کھاتی ۔ میٹھا بڑھاؤ ۔ کھٹ مِٹھا چنواؤ ۔ مجھے سانورا سانورا پنڈا اور گول گول آنکھیں لا دو جیسی وہ دکھنی تھی ۔ تمہیں نہال کر دوں گی ۔ نہالا نہال

سب میں کی ایک :۔ نہالا نہال تو تو اپنے مالک کو کر چکی ۔

شفقت :۔ میرا مالک کو ہے ۔ کھدا ۔ اللہ ؟

سب میں کی ایک : اللہ بھی ہے اور وہ بھی کہ جس سے سارے دن سٹرمائیے اور رات بھر بغل گرمائیے ۔

شفقت :۔ ہاں وہ بھی ہے اور وہ بھی ۔ پر نہال تو میں ایک کو ہی کرتی ہوں ۔ تمہیں بھی کر دوں گی ۔ مجھے وہ سانورے پنڈے اور گول گول آنکھوں والی دکھنی لا دو ۔ میں تم سب کو آپ سمو دوں اس پر وار دینی ۔

سب میں کی ایک :۔ جو ایسا تھا تو کسی سانورے کو چھانٹ کر بیاہ کیا ہوتا ۔

امت الترآب :۔ اچھا میں ہی تیری گیل چلنی ہوں ۔ کھدا نے میں لے چل یا جھیرے میں ۔ ٹوہا ٹوہی کر یا جوجی چاہے ۔ مجھے تجھ پر ترس آ رہا ہے ۔ برہا (ہجرا) کی ماری ہوئی لگتی ہے ۔

شفقت :۔ موکو وہی لا دو جس کے برہا کی ماری ہوئی ہوں ۔ وہ ہی بڑی مجیدار ۔ دکھنی ۔ کو ڈاس ستی جا کہے ۔ میں کِت جاؤں ۔ تیرے درسن کو جیا ترپٹ ہے ۔"

وہی سب میں کی ایک :۔ کس کا جیا ؟ ہمارا ؟

شفقت :۔ تھارا نئیں ، ہمارا ۔ موکو رین دنا کل نئیں آوے ۔ برہا ستاوے جلاوے ۔ پر ان نکسے جا دیں ۔ انکھیان ستی میگھا برسے

اُس بنا موہے کل نہ پرت ہے ۔ بوری سی پھرت ہوں ۔ جس کی مین چیری ۔ ہو رہائیے ہے

یوں دل میں رہتی ہے وہ جوں دل میں ایمان بسے

سب میں کی ایک :۔ اب تو بین کرنے لگی ۔

شفقت :۔ بین کرے میری بلائیے ۔ بین مجھ سے ستر پیرے دور ۔ میں تو بٹے بازی اور

میل کر رہی تھی۔ آؤ تم دونوں میری گیل
بہت سین ایک ساتھ ،فیلن اور سب "ہٹے" باز کی گیل کوئی نہ جائے۔
شفقت، تم سب بدر کاب اور منہ زور ہو۔ تمہارے لئے چابک سوار بلانے پڑیں گے
اور نئیں جاتیاں نہ جاؤ۔ پر گاؤ
(شفقت گاتی ہے۔ اور سب تالیاں بجاتی ہیں)

چشمِ ساقی کہ تھی کبھی مخمور
خود ہی آخر شراب ہو کے رہی
تابِ نظارہ لا سکا نہ کوئی
بے حجابی حجاب ہو کے رہی
سامنے دل کا آئینہ رکھ کر
ہر ادا لاجواب ہو کے رہی

تم تالیاں جو بجا رہی ہو کیا تمرے میں سے کسو کوں گانا نہ آوے
"ہمرے تئیں کسی کو نہیں آتا"
"کبھو کبھو کسو کی خوشی کرنے کو تو گا لیا کرتی ہوں گی۔"
"ہم نے عمر بھر نہیں گایا"
"آج تک یوں ہی جیو گنوایا"
"اری دوانیو جد گاؤ گی تدگانا آجائے گا"
"تو بھی ساتھ گائے گی"
"تم ساریاں ہامی بھر دتو پھر۔ پرمے کو ناگانا گاؤں گی"
"ٹونا، ترت کار جی۔ یو کونسا راگ ہے۔ دوپہر کا یا شام کا"
"تم ٹون کو نہ جانو۔ جیسے شہری ٹمک کہتے ہیں"
"ہم کیوں نہ جانتے۔ پر یہ ٹونا گانا کیا ہونا؟"
"ایک ہوتا ہے میٹھا گانا۔ اگر کسی کے سر میں میٹھی میٹھی دھنک ہو۔ میٹھی میٹھی پیڑ

یو راگ گائیں. تو اچھا ہو جائے گا.

اور کڑوا گانا وہ ہے. کہ جیسے سن کر نیند اس طرح بھاگ جائے جیسے گنجے کے سر سے بال. اگر کسی کے سانپ کاٹ لے تو اِسے جُدگاتے ہیں. اگر سانپ کاٹا نہ سویا تو بچ جائے گا."

"نُونا راگ تو بتا کیا ہوتا ہے؟"

"نونا راگ ــــ گا کے بتاؤں یا دیسے؟"

"گا کے"

"اچھا ری پھر سُنو. مٹھے مٹھے ڈھولک اور ہارمونیم بجاؤ. اَب ہم نُونا راگ گائیں گے."

پھر اُس نے گلِ عجائب کے پاس جا کر پھول نوچتے ہوئے انگریزی گانا شروع کر دیا.

AWAY ! I WILL AWAY , FAR AWAY

OVER THE MOUNTAINS HIGH!

HERE I AM SINKING LOWER EACH DAY

عورتوں نے شور مچایا. اردو. اردو

"یہ رول رُد کا کیسا کسُو کو ہمارا گانا اچھا نئیں لگتا تو نہ سُنئے"

"اچھا تو لگتا ہے مگر سمجھ میں نہیں آتا. اِس لئے اردو اردو"

"ارای موکو کیوں پِلچ گئیاں"

"اردو اردو"

"موکو ڈومنیوں کی طرح دآ ہے. آ ہے" کر کے گانا نئیں آتا"

"اردو اردو"

"دُور جاؤں گی. دور جاؤں گی. اونچے پہاڑوں میں دور جاؤں گی
ڈوب جاؤں گی. ڈوب جاؤں گی. یہاں نہ رکھنا میں ڈوب جاؤنگی"

اِس کے بعد اُس نے نرکل پھٹی پیپنی کی آواز کی طرح ایک سانس میں گایا ے

آہے میرا دِل گیا ـــــ آہے میرا جیوڑا گیا
آہے میرا منوا گیا ـــــ آہے میرا جیو گیا
آہے میرا جیرا گیا ـــــ آہے میرا ہیّا گیا
آہے میری جندری گئی
جندری جندری جندری

کوئی کہہ رہی تھی کہ گائن کو پیپرمنٹ کھلاؤ گلا بیٹھ گیا ہے۔ مگر ہنسی کے مارے سب کا حال پتلا تھا۔ کوئی پیپرمنٹ کہاں سے لاتی۔

قہقہے

تو بدیہ شفقت نے اپنی طرح داریوں جادو نوائیوں۔ اور لطیفہ طرازیوں سے محفل کی محفل سر پر اٹھا رکھی تھی۔ اور جبار میاں کو اپنی دلہن کے صرف حسنِ جہاں افروز کا علم تھا اس لئے وہ اُس کے ڈومنی پنے اور عشرت فزائیوں پر جھجک رہ گئے۔ اور میں سوچ رہا تھا کہ جبار صاحب تم اپنی سر و سیمیں دلہن کو کیا جانو۔ یہ تو آسمان میں ٹھگلی لگانے والی لڑکی ہے۔

اُس نے گنوارو لباس پہنا ہوا تھا۔ ہاتھوں میں موٹے موٹے چھڑے اور ربڑ کی سفید چوڑیاں۔ ناک میں نتھ۔ کانوں میں بڑے بڑے نقرئی بالے۔

نمگیرے میں کوئی لڑکی شفقت سے کہہ رہی تھی۔

"ذرا بھنیر والوں کو بھی اپنی دھجا دکھا آؤ"

اور کوئی شفقت کی طرف سے۔ جواب دے رہی تھی۔

"وہاں جبّار صاحب بیٹھے ہیں ورنہ دولہا میاں کے پاس تو یہ دوڑ کر جاتی"

پرانی اُردو کے الفاظ شفقت اس صفائی اور فرّاٹے کے ساتھ استعمال کرتی تھی۔ کہ لطف ہی تو آجاتا تھا۔

اب ڈومنیاں سہلے گانے لگیں جو کھلی گالیوں سے بھرے ہوئے تھے۔ کئی شفقت

کو آگرنوچنے لگیں ۔کہ دیدار وِ ان سے بھی بازی لے جائے تو جانیں۔ اُس نے یہ چیلنج قبول کر لیا۔ مگر سب حیران تھیں ۔کہ وہ اس پوزیشن سے کیسے عہدہ برآ ہو سکے گی ۔کیونکہ اس قدر فحاشی پر اُتر آنا اُس کے بس کا دکھائی نہیں دیتا تھا۔

پھر اُس نے ڈھولک اور ہارمونیم پر فارسی کی غزل گانی شروع کی۔ اُسے یہ زبان خوب آتی تھی۔ شفقت کا یہ انتخاب اور محلِ پیش کشی قابلِ داد تھاے

سر پُر خمار شب بہ کنارِ کہ بودۂ
لبہا فگار ہمدم دیارِ کہ بودۂ

سُنبل زتاب رفتہ وُ نرگس بخواب ناز
شب تا بروز بادہ گسارِ کہ بودۂ

شمع مرادِ من نہ شدی یک شبے تمام
ماہِ تمام در شب تارِ کہ بودۂ

با چشم آہوانہ کہ شیران کنی شکار
اے آہوئے رمیدہ شکارِ کہ بودۂ

سروت ہنوز ہست در آغاز خواستن
زاں سروِ نیم رستہ بہارِ کہ بودۂ

مارا ہمہ ز رشک بصد پارہ در کنار
خُونابہ شوی گریۂ زارِ کہ بودۂ

کارت چنیں کہ پردۂ دلہا بریدن است
امشب بہ پردہ محرمِ رازِ کہ بودۂ

بر ریش خسروت نمکے ہم دریغ بود
مرہم رسانِ جانِ فگارِ کہ بودۂ

اِس غزل کا سو فیصدی روئے سخن خالصتاً سوائے میرے اور کسی کی طرف ہو ہی نہیں سکتا تھا۔ جس کا مزید ثبوت اِس سے مہیا ہوا کہ شفقت صاعقہ کی طرح ہمارے پاس

ملاقاتی کمرہ میں آگئی اور میری طرف ایک نگاہِ غلط انداز ڈال کر گویا کہہ رہی تھی "آپ تو فارسی کی محض ٹانگ ہی توڑا کرتے تھے۔

ابیات ایسے ہوتے ہیں۔ سنئے آپ نے"

اِس وقت اُس کے بھرے بھرے رخساروں میں جوانی کی امنگ کے ساتھ ساتھ شرارت بھری ہوئی دیکھ کر ایک سیکنڈ بھر کے لئے مجھے جبّار صاحب سے رشک سا پیدا ہو گیا۔

اے وائے وہ کبھی مجھ سے یوں باتیں نہ کرے گی۔

ہمن آپ سین صاف ہو جاتے ہین۔

آپ ہمن سے کیا چاہتے ہیں۔؟

ہم پاس ستانا نئین آتا۔ ہور اغماز کے اپن معنی تنگ نہ جانین۔ تمین تو فضول ڈر لگا ہے شاید آپ نے کسو کے کچّے دعدون ین تکلیفان اٹھائیان ہوں گی۔

اُنھن کی لپچلیان اُنھن کے ساتھ

پرہمن تو اصطباغ نفس ؎ پا تھا۔

جب وہ باہر گئی تو لڑکیون نے اُسے پھر گھیر لیا۔ وہ ابھی تک ڈومینون کے سہلون کا جواب نہ دے سکی تھی۔ اب اُسے اردو زبان کے چند از حد رکیک اشعار گانے پڑے جنھیں سُن کر تمام لڑکیاں اُس کا منہ تکتی رہگئین

باب ۱۹

الفاظ معنی

جھونج : بیا کا گھونسلا

نتنکھ = کھرا۔ بے لاگ

ڈوبی آسامی = دیوالیہ

قطرے میں نہ لانا۔ (عورتوں کی بولی) صحیح خاطر میں نہ لانا۔

بگھر = گھر

لوں = تک

بہو : دلہن

ہیروا :

دیوال = (گنوار) دیوار

ٹپنا = پھاندنا

ماؤسی = (گنوار) خالہ

مہارے = (〃) ہمارے

پہرنا = (〃) پہننا

گنی = (〃) گن والا

پہرادا = (〃) لباس

مانو = بلی کو پیار میں کہتے ہیں۔

کماچدار = ٹھوک کر بنا ہوا

عجاکا = (بازاری) بھرے جسم کا معشوق

بٹھالکر = (پوربی) بٹھا کر

لعوق = چاٹنے کی دوا

الفاظ معنی

پیڑی جمانا = زین پر ران جمانا

آٹھلاپن = گھوڑے کا ڈھنگا کہ سوار گر جائے۔

تماخرہ = ہزل

پوڑمال = رسّی وغیرہ کا حلقہ جو سرکش گھوڑے کے منہ پر نعل بندی کے وقت لپیٹ دیتے ہیں۔

سُبک بار = جس پر کچھ بوجھ نہ ہو۔

پتھڑیاں = (حقارتاً) روٹیاں

نفا = (اردو قدیم) نفع

اتی = (اردو قدیم) اتنی

بے اخل = (دکھنی اردو قدیم) بے عقل

نئیں = (دکھنی اردو قدیم) نہیں

چانبا = (گنوار) چبانا

خشکا کھا پنیر کے ساتھ = دُور ہو

سوک = (گنوار) سوکن

ٹٹلانا = بک بک کرنا

چھبکیر = (گنوار) فقیر

لال سوداگر = اِدھر خریدے اُدھر بیچے

لاڑھیا = بُری چیز کو اچھی کر کے بیچنے والا

کُتا = (پُرانی دکھنی اردو) کتنا

جادہ = زیادہ

الفاظ		معنی
کدھاں لگ	=	(اردو قدیم) کب تک
لاک	=	(اردو قدیم) لاکھ
دھانک	=	ترانداز
پچھاصلہ	=	فاصلہ
لٹی	=	آزاد عورت
برو بر	=	برابر
موتی چور	=	خوبصورت چمکیلی
مالزادی	=	کسبی۔ کٹنی
مچکانا	=	آنکھیں جلدی بند کرنا کھولنا
نیڑے	=	نزدیک
گھائی	=	انگلی کی بیچ کی جگہ
مساکرکے	=	بعد مشکل
چرانا	=	انکار۔ مکرانا۔ جھٹلانا
چابک سواری کرنا	=	اِدھر چلنا۔ اترانا
پھرپھیندا	=	(گنوار) حنظل
پرگیری	=	تیر کا پر
کھوسنا	=	چھیننا
چاکی	=	(گنوار) چکی
چھاتا	=	(عوام) چھاتی کی تذکیر
ہر بول ہر	=	خدا کا نام لے
ڈانگدر	=	ڈاکٹر (گنوار)

الفاظ		معنی
شورے کی قفلی	=	نہایت گوری عورت
تھارے	=	(گنوار) تمہارے
گانسی	=	تیر کا لوہے کا پھل
ہمرے	=	(پرانی اردو) ہمارے
تائیں	=	(پرانی اردو) تئیں
چربراک	=	(گنوار) اصل میں چربانک تھا بمعنی شوخ
اُجبک	=	(گنوار) ازبک کو بولتے ہیں
سُبدھی	=	دانا
بوجھ بجھکڑ	=	عقل مند
کڈھنگ	=	(گنوار) بے ڈھنگا
لبڑی	=	جھوٹی عورت
آکی	=	(گنوار) عقل مند
رول	=	شور
انجھو	=	آنسو
ہور	=	(اردو قدیم) اور
تیں	=	(گنوار) تو
بڈی	=	(گنوار و قدیم دکنی اردو) بڑی
خطامہ	=	قطامہ کا بگڑا ہوا
چادر ہلانا	=	دشمن مغلوب ہو کر پناہ کے لئے چادر ہلانا
اِدھر چلنا	=	اترا کر چلنا
گلے تلے دبانا	=	اپنی آواز سے دوسرے کی آواز دبا دینا

الفاظ	معنی
چالے توڑنا	(گنوار) ظلم توڑنا
مطبل	(گنوار) مطلب
ناڑ	(گنوار) گردن
گوڈا	(گنوار) گھٹنا
یاڑی	(گنوار) آڑی۔ دوست
دئی مارا	بدقسمت
ڈگر جانا	چلے جانا
پھرپھری	کپکپی
دھولا	سفید بال
کدم	وہ دیوتا جس پر کرشن گوپیوں کے کپڑے لے کر چڑھ جاتے
ناکند بچھری	جس پر سواری نہ ہوئی۔ بھولی بھالی
نل نظری	وہ جو بات نو کرے آنکھ نہ ملائے۔
گرم مسالہ	معشوق
ٹک	ذرا
کپلا	بھوسلی گائے
کلیانا	کلیان آنا۔ مجازاً جوانی ہونا
ڈینا	شریر گائے کے گلے کی لکڑی
ٹملا	ذرا سا کھاری
جرا	ذرا
اڑانا	لذت سے

الفاظ	معنی
اڑھایا	بے کار
انام	(گنوار اور دکھنی اردو قدیم) انعام
کمالا	جنگ زرگری
چھائیں چھپا	فریب
برمہی	بدشکل
دم باز	فریبی
پہلوں	(گنوار) پہلے
ملاپی	آنکھ لگی۔ آشنا عورت
بھچڑلانا	بے ایمانی
ٹوکیاں	کٹوریوں کا وہ حصہ جس میں پستان رہیں
کاں	(دکھنی اردو قدیم) کہاں
بلد	(گنوار) بیل
بلنا	(گنوار) چلنا
کو	(گنوار) کون
جاگہ	(گنوار) جگہ
اشنائی	(گنوار) آشنائی
کا	(گنوار) کیا
دہلی	گھر۔ چوکھٹ
کو	کوئی
پٹ بیجنا	جگنو
گھروں	گھر

الفاظ	معنی
پٹاری میں رکھنے کے قابل	نادر
برسانت	(گنوار) برسات
ساندا	وہ رسی جو دودھ دینے والی گائے کی لات کو باندھنے
رات تارات	رات بھر
اسمان	آسمان
جاستی	زیادتی
کھورولانا	چوپائے کا اگلے پاؤں زمین پر مارنا

الفاظ	معنی
ساریاں	سب
موکو	(گنوار) مجھ کو
کالا	جنگ زرگری
جھلونڑے	(گنوار) بال
بٹنیاں	سرپستان
سانہ	اندیشہ
کت	(گنوار) کہاں
نوچو	رشوت خور

باب ۲۰

اگلی رات اس سے پہلے کہ میں خلوتِ اول میں رُکی پہ خوشی کی رنگ برنگی پچکاریاں چھوڑوں اور افطار کروں، اُس نے مجھے روکتے ہوئے کہا.

"پہلے خدا کے لئے مجھے ایک بات بتا دیجئے . میرے دل میں اُسی وقت سے ہانڈی سی پک رہی ہے ۔ آپ تابکوٹہ میں کیوں قرآن مجید اِدھر اُدھر رکھتے پھرتے تھے؟ برابر سوچ رہی ہوں . میری سمجھ میں اب تک کچھ نہیں آیا ."

"اگر آج قرآن اس کمرہ میں ہوتا تو کیا تم اُسے یہاں رہنے دیتیں؟"

"نہیں"

"اب سمجھ میں آگیا؟"

"جی ـــــ ایک دوسری بات ۔ آپ میں یہ تغیر حالت کیسے ہوئی جو اپنی ابتدائی منسوبہ کا خیال آیا؟ آپ تو شفقت پر نچھاور تھے ۔"

"تمہاری وفا شعاریوں نے مجھے جیت لیا ۔"

"جَاءَ الحَقُّ وَ ذَهَقَ البَاطِلُ اِنَّ البَاطِلَ کَانَ ذَهُوقَا ہ

سچ آگیا اور جھوٹ چلا گیا بے شک جھوٹ جانے والا ہی ہے ۔ خدا کے کلام میں ضرور اثر ہے ۔ میرا سورۂ اخلاص کا وظیفہ اکارت نہیں جا سکتا تھا ۔"

پھر یکایک مجھے ایسا لگا جیسے شفقت کواڑوں پر کھڑی ہوئی کہہ رہی ۔

"یو تو بڈا معزا (معجزہ) ہوا کہ تمن کوں اس کی وفاشعاریوں نے جیت لیا۔ من ہردوں کی وفاشعاریاں نیتیں جتیا کرتیں۔ بے دادگریاں جتیا کرتی ہیں۔ ٹک میرا نازوک مکڑا (مکھڑا) ملاذا (ملاحظہ) کرد۔ یہ پانسے کا سونے ہے۔ ہور دلہن کا مُولما۔ باوجود جبارہ میاں کی بے تحاشا بوسہ کاریوں کے میرے ہونٹ اور رخسارے پہلے ہی جیسے نوے نوے اور گل ممن ہیں ہگے۔ کوڑ کیا نئیں؟ نزدیک آکر دیک لو کیا یہ درس کے قابل نئیں

ہین اجانی نئین۔ ہین ودئی توہون تمارا لٹ پٹا لٹک دار چھپند بھرا پنچھی جن نے نمن کو گھایل کر کر رکھدیا تھا۔ ہور جس کے دیکھن کوں بھجنگ اندھاری راتوں ہین مڑھیوں والی پہاڑی کی چک پھیری کرتے پھرا کرتے تھے۔ اب مج سین مل کر دیکھو۔ ہین فرعونی نزک کر چکی۔

تمنے ایک بار ذکر کیا کہ اکسفورڈ یونی ورسٹی منن انگریزی قدیم کی ریسرچ اسکالر مس میگی مورال نے بوولف، لیگ لینڈ۔ گایر۔ والی کلف۔ چاسر اور اسپنسر کی بولی من باتاں کر کے تمن کوں اپس کی لگن لگادی تھی۔ من نے تمارے لئے اردو قدیم کا مطالعہ کر کر یوں بولنا شروع کردیا۔ انگریزی قدیم کا مزا تو مس میگی معدال کے لبان سنی چاکھا تھا ہور اردو قدیم کا مزا مج لبان ستی چاکھا ہے۔ کئوکبی بھتیر ادھک (زیادہ) مٹھاس ہے؟ کئو اگر تجھ بھتیر نہ ہوتا تو اپس کا دل تیرے اپر نہ آتا۔

سری جن: من نے تمن سے جی باندھ لیا ہے جو مجے بساروگے (بھولوگے) تو جمدھر مار کر مر جاؤں گی۔

جان تم ہو مجے دہیں بلالو۔ رقیہ آپ ناٹھ (بھاگ) جائے گی۔ وہ سنگل ہین بندھی ہوئی نئیں۔

ہائے من تھاری کھاطر (خاطر) بوری (پاگل) سی بنی پھرت ہون۔ موکو کاہو کی کھبر نئیں۔ مورا جیا توری صورتیا کے درشنوں کو تڑپے۔ مرے مالک بننے کے تم سزاوار تھے۔ تم چیل اور ڈسیلے ہو جا رگندا اور پھیکا ہے تمرے باج (بغیر) امرا من نئیں تھمتا۔ سری جن۔ مری طبیعت پھول بن جائے کو کرے ہے تم نال ہو نو جاؤں۔

دلھن کے ساتھ پھل سیجڑی پر بیٹھ کر مجے نہ بھلنا. تمارے تائیں جو ہمن ابھی آجائیں تو توسرانے بٹھاؤگے اور عاروسی کو پائینتی۔ جتا مجکون پیار کیا اتنا کسی ہور کو نہ کرسکوگے. آؤن تمرے تائیں. چھنیں سون لگاوگے. ضبط نا ہوئے گا. میرے ہونٹ کیسے لالم لال ہو رہے ہیں. لیکن تمھاری بوسہ زدگیون کی بوچھاڑ کے بعد سرخی کہاں باقی رہے گی.

من تو تمن کون ممار کی دینن آئی تھی۔ اب مجے ناٹھ جانا چاہیئے. تمن کو دلہن کے لالون لال جبنے کا مان توڑنا ہوئے گا.''

میں اس گفتگو میں گم سا تھا. کہ رقیہ تیسرا سوال کر بیٹھی.

''کیا آپ کو کوئی چیز یاد نہیں آرہی؟''

''کون سی چیز؟''

''وہی کہ. اس کو فلک نے لوٹ کر ویران کر دیا —— نہجو''

''کیوں یاد آتی''

''خوشی غمی میں دوست یار یاد آیا کرتے ہیں. اُن کی شرکت سے خوشی دگنی ہو جاتی ہے اور غم آدھا''

''تم رس میں بس ملانا چاہتی ہو. ہزور ملاؤ''

''افسوس میں نے ایک مرتبہ اُس کی تحقیر کی تھی. خدا معاف فرمائے.''

''کیا تحقیر؟''

''جس رات آپ اس سے ملنا نہیں چاہتے تھے. میں نے طنزاً کہا تھا: ایسا نہ کیجئے بےچاری مرجائے گی —— اور اُسے بڑی ہڑک اٹھ رہی ہے. بھنا چنا. اور خبر نہیں کیا کیا کہا تھا. ایسی باتیں خدا کو بری لگتی ہیں.

آپ کے پاس اُس کی کوئی نشانی بھی ہے. انگوٹھی. چھلا. خط''

''کچھ نہیں.''

''میرے پاس ایک نادر مسودہ ہے یعنی بیجاپوری کا آخری خط. جس دن وہ آپ کے پاس آئی اُس نے وہ خط اُسی دِن میرے نام ڈاک میں ڈالا ہوگا. ہم یہاں چلے آئے اِس

لئے وہ کئی دن بعد پہونچا۔ اور میں اس عرصہ میں آپ سے نہیں مل سکتی تھی۔ آیئے پڑھیں۔
ماتھے چاند ٹھوڑی تارا بی بی —— مبارک باد۔ تم اور طاہر میاں خوش رہو۔
میں سمجھو نگی کہ میرے چمن میں کچھ دیر کو بہار آئی تھی۔ پھول کھلے تھے۔ بادل گھر کے آیا تھا مگر بعد کو ایسی ہوا چل گئی کہ قافلۂ بہار اور طرف روانہ ہو گیا۔ اور میرے باغ کو دم بھرے میں سوکھا اور جھولا مار گیا۔ اس کے ہرے ہونے کی اب کوئی امید نہیں۔ اُن کی ہیجو اب ان سے کبھی نہ ملے گی۔ مگر تم اور وہ ہمیشہ یاد رہیں گے۔

رقیہ بی بی طاہر میاں سے کہہ دینا کہ میں تو ایک اغلاط نامہ تھی جو تصحیح کے بعد چاک کر ڈالا گیا۔ ایک گرکر بکا ہوا سودا سلف قسم کا چھٹیل مال کہ جس کے جانے کا کیا غم میرا اُن کا میلے کا میل تھا۔

میں تو سیل کی روئی تھی کہ جس کا نہ کپڑا بن سکے نہ سوت اور جسے جیٹھ کے اندھیاؤ کہاں سے کہاں اڑائے پھر رہے ہیں۔ میں تو ایسی آگ تھی جو اس وقت تک کھڑی رہی جب تک کاشتکار کو کھیت کی درستگی کا خیال نہیں آیا۔ میں تو آندھی کی امبیا تھی۔ طاہر بیٹھے شیو کر رہے تھے۔ استرہ کچھ بال چھوڑ گیا۔ وہ میں تھی۔ انہوں نے وہ بال پھر صاف کر دیئے۔ اس کی کیا شکایت ہوسکتی ہے۔ اچھا ہی کیا۔

میں نے پچھلے سال پتنگ اڑائی تھی۔ نیلا آسمان تھا۔ اور باد شرطا چل رہی تھی۔ خوب اُڑی۔ اس سال پھر اڑانا چاہا۔ مگر دریائی ہی ولوانے پائی تھی۔ کہ جھالا آگیا اور پتنگ بے ست ہو کر گر پڑی۔ اب کا ہے سے بخت آزمائی کروں۔ میرے پاس تو نہ پتنگ ہے نہ ڈور۔

طاہر نئی کار میں دیہات سدھارے۔ کار کی گرد آلود باڈی پر کسی نے انگلی سے لکھ دیا۔ واپسی پر موٹر خانہ لیجانے سے پہلے گرد مٹی صاف کر دی گئی۔ جس طرح صفائی میں وہ انگلی کا لکھا مٹ گیا۔ اسی طرح میں طاہر کی زندگی سے مٹ گئی۔

کھجور کے ٹھنٹھ کو جڑ سے اکھاڑ دیتے ہیں۔ کیونکہ نہ اُس کی شاخ پھوٹتی ہے نہ پھل آتا ہے اور گودا نکلا تو بوز بھی پھینک ہی دیتے ہیں۔ سرس کی چھاؤں گرمی میں ٹھنڈی

ہوتی ہے مگر پت جھڑ کے بعد جب ماگھ پوس کے برفیلے جھکڑ میں اس کی پیلی پیلی بدنما پھلیاں کھڑکھڑا کر مالک کی نیند خراب کریں تو وہ صبح ہوتے ہی اسے جڑ سے اکھڑوا پھینکنے کی ٹھان لیتا ہے۔

کوئی پھولوں کی پود بوٹے تو نشانی کے لئے کہ کون سی پود کن پھولوں کی ہے ٹین یا گتے کے ٹکڑوں والی چھٹیاں گاڑ دیتا ہے۔ جب پودے پرورش پا کر پھولیا گئے تو ان ٹکڑوں والی چھٹیوں کا پھولوں میں کھڑے رہنے کا کیا کام۔ گیہوں کے کھیت سے بتھوے کو اکھاڑ ہی پھینکنا اچھا ہوتا ہے جو خوراک زمین میں ہے وہ گیہوں ہی کو کیوں نہ ملے۔ گھاس پھونس کیوں اس سے حصہ بٹائے۔

آم اور کیکر چھانٹ کرنے سے نہیں مولتے۔ شیشم مولتی ہے میں آم اور کیکر تھی۔ بیناکا سما میری خوب چھانٹ کر چکا۔ اب سدا کے لئے ٹنڈ منڈ سی کھڑی ہوں۔ نورس کے دنوں میں پلکھنیں اور توت شہتوت مولینگے اور چیت کی پون میں ان کے چکنے چکنے پتے خوشی من تالیاں بجائیں گے۔ مگر ٹنڈ منڈ آم سوگ کی لمبی لمبی اور ہلکی آہیں ہی بھرتا رہے گا۔

میرے لئے انہوں نے کون سے منتر پڑھے تھے جو گم شدگی پر یاد آؤں گی۔

رقیہ بی بی ـــــ میرا ارادہ تمہاری طفیلی بن کر رہنے کا تھا۔ صرف یہی نہیں کہ تم سرہانے بیٹھو اور میں پائینتی بلکہ تم سیجوں پر بیٹھو اور میں بھوئیں۔ لیکن کیا کیا جائے گذاشتی تھی اس لئے گذاشت ہو کر رہی۔

پچھلے سال وہ میرے ساتھ رہے تھے۔ گویا لوند کا سال تھا۔ پر ہر برس تو لوند نہیں لگ سکتی۔ جب سچا کمخواب آ گیا تو چمکی اتار پھینکی گئی۔ جو کسی کے سر پڑے اس کا یہی حشر ہوتا ہے۔ میں تو صرف وقت بے وقت اور ہرج مرج میں کام آنے والی تھی یا صرف نفل۔ اب مجھ سے کیا مطلب رہ گیا۔

طاہر میاں میں تو تمہارے در پر پائیدان بن کر پڑنے کو تیار تھی۔ ایک چھلے میں دو چابیاں بھی آ سکتی ہیں ایک خزانہ کی۔ دوسری گودام کی۔ مگر ایسا کیوں ہونا تھا۔

فتح رائچور کے بعد کرشن دیو رائے اعظم نے عادل شاہ سلطان بیجاپور کو کہلا کر بھیجا تھا کہ اگر وہ دربار عام میں میرے پاؤں آکر چومے تو معاف کیا جاسکتا ہے قصور وار بیجاپوری آپ سے اس طرح بھی معافی مانگنے کو تیار ہے۔

بیجو کے کرشن دیو رائے اعظم! رقیہ آپ کی ناگلا دیوی سہی۔ مجھے کانچی ورم کی راجکماری سمجھ لیا ہوتا۔

خدا تمہارے چمن کو سدا ہرا بھرا رکھے۔ میرے لئے کھٹکا باندھنے کی ضرورت نہیں۔ جلد چت (دل) سے اتر جاؤں گی۔ مگر میں ستیلا کی پھوٹی آنکھ بھی نہیں جو بن ہی نہ سکے۔ اگر کرم سے بلاؤ تو مجھے آنا ہی پڑے گا۔ اور نہ ایسا سُرسُری کھایا گندم کہ بوؤ تو نہ اُگوں۔ لو کلیجہ اڑنے لگا۔ بہت آلا گا چکی۔ ختم کرتی ہوں۔ اے وائے ے

پتہ ٹوٹا ڈال سے پون اڑائے لئے جائے

اب کے بچھڑے کب ملیں دُور پڑے ہیں جائے

تمہاری فراق زدہ۔ بیجاپوری۔ بیجو

اس ملال انگیز خط کو پڑھ کر رقیہ رونے لگی مگر میرے آنسو خشک تھے بس ایک اغلاط نامہ تھی۔ جو تصیح کے بعد چاک کر ڈالا گیا ——— اگر مجھے جادو آتا تو میں دن بھر چھپکلی بنی دیوار پر بیٹھی تمہیں دیکھا کرتی اور رات کو پھر تمہاری بیجو بن جاتی! ظاہری جتنے زیادہ سے زیادہ سانس تمہارے پاس لے سکوں اتنا ہی اچھا۔

رقیہ نے دوبارہ دریافت کیا۔

"کیا وہ تیرنا جانتی تھی"

"راس کماری کی رہنے والی تیرنا کیوں نہ جانتی ہوگی۔ مگر اتنے دن گزر گئے اس کا کچھ پتہ نہیں۔ رات اندھیری تھی۔ چھاجوں پانی پڑ رہا تھا۔ مگر تیراک کو کیا جوکھوں۔ پر جس کے ہاتھ پاؤں زخمی ہوں اُس کے لئے بھاری تھا"

"شاید صحیح سلامت کنارے آ گئی ہو۔ یا وہ نکال لائے ہوں۔ خدا اُسے زندہ سلامت رکھے۔

جب رقیہ مجھ سے کرشن دیورائے اعظم کی بابت بھی پوچھنے لگی۔ تو میں نے بتایا کہ وہ ایک صاحبِ جبروت شہنشاہ تھا۔ جس کے دور میں سلطنت وجیانگر کی حدود راس کماری سے بنگالہ تک پہونچ گئی تھیں۔ برما کے کچھ حصّے اور تمام لنکا اس کے زیرِ نگیں تھا۔ اپنی چہیتی ملکہ ناگلادیوی کے نام پر اُس نے ایک شہر آباد کیا تھا اور کانچی ورم کی راجکماری دوم درجہ کی رانی تھی۔ میں نے رقیہ کو یہ ظاہر نہیں کیا کہ ناگلا پاتر تھی۔ کیونکہ یہ اس کے معیارِ اخلاق کے خلاف تھا۔

پھر مجھے اُس کی وہ پہلی ملاقات یاد آنے لگی۔ جو نیرا کی کے کلب میں ہوئی تھی۔ اُسے تیرتے ہوئے دیکھ کر میں نے کہا تھا کہ اگر دنیا میں بازیب انسانی جسموں کا مقابلہ کیا جائے تو وہ آسانی سے اول آسکتی ہے۔ رنگ اُس کا ضرور سانولا تھا مگر اُس کی کیا بات۔

پھر مجھے کچھ کا سا لگا کہ فتنۂ دکن کو تو مدراس میل راس کماری کی طرف لئے جارہی ہے اور اُس کا متشدد۔ ظالم اور عیاش شوہر جس کی شکل خطرناک غنڈے جیسی تھی۔ اُسے بے قابو کئے ڈال رہا ہے۔ جو اس درجے میرے قابو میں رہا کرتی تھی۔ اُس پر دوسرے کا جھنڈا مستقل طور پر گڑ گیا تھا۔ جو اتنی مرتبہ گویا میرا پُر حلاوت اور لذیذ جزوِ بدن بنی تھی۔ آج اُس میں اور مجھ میں ازل اور حشر کا فاصلہ تھا۔

صبح جب میں رات کی پُر لطف تھکن اتارنے کے لئے گرم پانی سے غسل کرنے بیٹھا تو مجھے بیجو کے جادو بھرے مزے یاد آنے لگے۔ اور مجھے ایسا لگا کہ جیسے آمنے سامنے دو ڈانجیں ہیں۔ ایک پر اُس کی روح بیٹھی کہہ رہی ہے ؎

اُس سروِ خوش ادا کوں ہمارا سلام ہے
اُس یارِ بے وفا کوں ہمارا سلام ہے

اور دوسری طرف میرا دل جواب دے رہا ہے ؎

آرامِ جان و دل ہے ولی جس کا دیکھنا
اُس جانِ دلربا کوں ہمارا سلام ہے

کئی ماہ کے بعد ہم شفقت کے گھر دعوت کھانے گئے وہ پیشانی پہ سنہرے چاند ستارے اور روپہلی افشاں سجائے اور چہرہ گلبار بنائے اترائی ہوئی بلی کی طرح دم پھیلائے ہماری آؤ بھگت کرتی پھر رہی تھی۔ کیلے کے نکلتے پتے جیسا ہرا اور چکنا ریشمی قمیص پچرنگی اوڑھنی اور سیاہ اٹیلین کا چست پاجامہ پہنے جس پر سفید سفید نقرئی لچھے پھب رہے تھے۔ اُس کے پاؤں میں کلابتو کے کام والی جوتی تھی۔ اب بھی وہ ویسی ہی تھی جیسی کبھی پہلے۔

اور میں حساب لگا رہا تھا کہ اُسے جبار صاحب کا حمل کتنے دنوں کا ہوگا کیونکہ کسی طرح یہ شہرت پھیل گئی تھی کہ وہ دوجی سے ہے۔ یہ حساب لگانا میرے حسنِ ذوق کی تہی ساعزی تھی۔ مگر جب ایک خیال آئے تو خواہ وہ کیسا ہی مُبتذل ہو روکا نہیں جا سکتا اُس کے لاہور فیشن قمیص سے آدھی پنڈلیاں ڈھکی ہوتی تھیں۔ یہ کچھ ایسا سِلا ہوا تھا کہ اُس کے سینے۔ شکم۔ کمر۔ اور کولھوں کے جائزے لئے جا سکتے تھے۔ لیکن تا حال نہ اُس کا شکم رتی برابر غیر موزوں تھا۔ نہ پیر بھاری۔ یہ مسائل دائیاں ہی حل کر سکتی ہیں۔ اور وہ چور پیٹ میں ضرور ہوگی۔

اُسے دیکھ کر میرا دل بہت ہی زیادہ بُری طرح چاہنے لگا۔ اور ایک پاک دھیان کے ساتھ ناپاک دھیان آیا۔ مورخِ اسلام لکھتا ہے کہ جب عرب فاتح ایران میں داخل ہوئے تو کسریٰ کے امیر الامرا نے انہیں دیکھ کر کہا تھا۔ اِن کے گھوڑے ہیں یا بجلیاں۔ گویا اسوار کی رانوں سے دور بھاگ نکلیں گے۔ اگر میں اور شفقت مشغول تگاپو ہوتے تو اُس کی طراری کیا رنگ لاتی۔

اکہرے بدن کی رقیہ اب بھی بہت کم سن اور نابالغ سی لڑکی معلوم ہوتی تھی۔ اُس کے بانے جوبن کو دیکھ کر زیادہ سے زیادہ اُسے یہ کہہ سکتے تھے کہ اس کے الھڑپنے کے دن شروع ہوا چاہتے ہیں۔ اور سِن شریف برس تیرہ یا چودہ کا ہوگا۔ سوائے اُن کے جنہیں اُس کی اصل عمر معلوم ہو بادی النظر میں اُسے کوئی قابلِ شادی نہیں کہہ سکتا تھا۔ بہ بقول ببو کے اُس کے رُخساروں کے بیچ میں ایسی لالی تھی جو سُرخ گودے کے تازہ تازہ

امرودوں پر کھپل نکلتی ہے.

کھانے کے بعد شفقت رقیہ سے پوچھنے لگی.

"بھلا وہ کون لڑکی تھی؟"

"کون ؟"

"وہی کرشن رنگ. متھرا. گوکل اور وندرابن کی گوپیوں جیسی"

"اچھا. بیجا پوری ؟"

"وہ ہندو تھی یا مسلمان؟"

رقیہ اس سوال کا کیا جواب دیتی. بیجو کے مذہب کا اُسے کیا پتہ ہوتا. اُس کے نقش و نگار ہندوانہ تھے. سامنے دیوار پر غیر منقسم ہندوستان کا نقشہ ٹنگا ہوا تھا. میں یہ اندازہ لگانے لگا. کہ جہاں ہم اس وقت ہیں اگر یہاں پرکار کی نوک رکھ کر دائرہ کھینچا جائے. تو بعید ترین مقام راس کماری ہے.

اس وقت شفقت کو ایک اور شیطانی سوجھی. اُس نے کھانا کھاتے ہوئے میری طرف چور نگاہوں سے دیکھتے ہوئے مسکرانا شروع کر دیا. ساتھ کے ساتھ وہ دیوار پر اُلٹی ہوئی ایک بڑی تصویر کی طرف دیکھ لیتی تھی. جس سے مجھے یہ اندازہ ہوگیا کہ وہاں کچھ شرارت پوشیدہ ہے.

کھانے سے فراغت پاکر ہم ملاقاتی کمرے میں آکر بیٹھے. اور میں بہانہ تلاش کر کے فوراً کھانے کے کمرہ میں گیا. اور چوکھٹا سیدھا کیا. یہ ایک رنگین روغنی تصویر تھی. جس میں پہاڑ کا نالے کے پاس کوئی کمہار اپنی پشت قد ٹٹو کو ضرب ہائے تازیانہ سے پانی میں کو گذرنے کے لئے مجبور کر رہا تھا. سوار کے پاؤں زمین بوسی پر آمادہ تھے. ٹٹو ہٹ کر رہی تھی. تصویر کے نیچے ایک کاغذ کا ٹکڑا آویزاں تھا. جس پر یہ بول لکھے تھے ؎

اپنی کمہاری سے لڑ بھڑ کر گھر سے بھاگا جائے کمہار

لال پگڑیا سر پر باندھے گلے میں ڈالے جگنی ہار

بونی ٹٹو پر وہ جائے بھوں تک لٹکے آئیں پاؤں

شہر کے لڑکوں نے جب گھیرا الٹا پلٹ پڑا پھر گاؤں

میں شفقت کا استعارہ سمجھ گیا۔ آویزاں پرچی تو میں نے پھاڑ لی۔ اور دوسرے پرچے پر لکھ کر لگا دیا ۔

یہی تھوڑی سی مے ہے اور یہی چھوٹا سا پیمانہ

اسی سے رند رازِ گنبدِ مینا سمجھتے ہیں

شام کی چائے پر جبار صاحب موجود نہیں تھے کیونکہ انہیں کسی ضروری کام کے لئے اچانک گھنٹے بھر کو غیر حاضر ہونا پڑا۔ جب ہم نے چائے شروع کی تو ملازم نے آ کر دریافت کیا۔

"بیگم صاحب تصویر سیدھی کردوں"

شفقت نے جواب دیا۔

"ہاں"

جب ملازم تصویر سیدھی کرنے لگا۔ تو باہر باغیچہ میں ٹنگے ہوئے بڑے بڑے سفید طوطوں نے کان کے پردے پھاڑ دینے والی چیخیں بلند کر دیں۔ یہ اتفاقیہ چیز تھی مگر ہم تینوں خود بخود تصویر کی طرف متوجہ ہو گئے۔

تصویر سیدھی کر دی گئی۔ رقیہ اور شفقت اُس کی طرف دیکھنے لگیں پھر شفقت نے رقیہ کی طرف روئے سخن کرتے ہوئے پڑھا ۔

یہی تھوڑی سی مے ہے اور یہی چھوٹا سا پیمانہ

اسی سے رِند رازِ گنبدِ مینا سمجھتے ہیں

شفقت اور میں دونوں ہنس رہے تھے مگر بلا سیاق و سباق رقیہ کے خاک پلے نہیں پڑ رہا تھا۔ پر وہ بھی ہماری ہنسی میں شامل ہو گئی۔

اِسی وقت میرے دل میں یہ بھی خیال آیا کہ آئے ہائے اگر کہیں میری شادی شفقت سے ہو گئی ہوتی اور اُسے میرے اور بیچ کے تعلقات کا عشر عشیر بھی علم ہو گیا ہوتا پہلے تو یہ بدگمان۔ عیار اور پُر فن لڑکی یہ کہتی کہ میاں صاحب لیا نام اُس کا تو پھر میں

نہیں۔ اور بعد کو اِس جلاتن اور زہرن نے مجھ پر ہڑکائے کتے چھوڑوا دئے ہوتے اور یہ میرا بنٹم ہی خوب ہے۔ گو سیج کی ساجھی کسی کو نہیں بھاتی مگر اسی کے ایماء سے اِسی کے گھر کی چھت تلے میں نے دو لڑکیوں کے ساتھ دو کفر و لذت کی راتیں گزاری ہیں۔ اور اسے بیجو یا سونا سے ذرا بھی مخالفت نہیں۔ اس نے ہر حال میں میری ہی بات اونچی رکھی۔ اور پھر بڑی جیالی مردانی۔ حوصلہ مند اور دلیر ہونے کے ساتھ ساتھ میری پیٹری بھی ہے وہ پست قد سہی مگر پست ہمت نہیں اور اِسے میری ہمنوائی اور خوشنودیِ مزاج چاہیئے اور بس۔ یہ میری کسی امنگ میں حارج و مانع نہیں بن سکتی۔۔ بیجو آج میرے ساتھ پہلے ہی کی طرح آ کر رہنے لگے۔ تو اِسے ذرا قلق نہ ہوگا۔

مگر مُراد مند بیجو! ——— ہندوانی دکھنی سی ڈھیلی۔ ڈھیلی۔ سوندھی۔ سوندھی سڈول سڈول۔ چاشنی دار، رند و مست لڑکی۔ قہقہوں اور ناچوں اور گانوں سے لبریز ——— گزری گزران کی یادیں کب تک باقی نہ رہ سکتی ہیں۔ جسے رفت گزشت ہونا تھا وہ رفت گزشت ہو کر رہی ہے

باسی پھولوں کی باس کیا
دور گئے کی آس کیا

باب ۲۰

الفاظ	معنی
جھالا	وہ بارش جو بڑے زور سے برسے اور کھل جائے
چورپیٹ	= حمل جو مدت تک دکھائی نہ دے
یو	= (اردو قدیم دکھنی) یہ
بڈا	= (" " ") بڑا
معزرا	= (" " ") معجزہ
تمنی	= (" " ") تم
من بر	= (" " ") دلبر
نیں	= (" " ") نہیں
ٹک	= (" " ") ذرا
نازدک	= (" " ") نازک
مکھڑا	= (" " ") منہ
ملاذا	= (" " ") ملاحظہ
ہور	= (" " ") اور
مُو	= (" " ") منہ
بوسہ کاریاں	= (" " ") بوسہ بازیاں
پیلے	= (" " ") پہلے
نوے	= (" " ") نئے
نمنی	= (" " ") طرح . مانند
کوڈ	= (" " ") کہو
دیکلو	= (" " ") دیکھ لو

الفاظ	معنی
اجانی	= (اردو قدیم دکھنی) ان جانی
دوئی	= (" " ") دہی
چھند بھرا	= (" " ") چلبلا
کرکر	= (" " ") کر کے
اندھاری	= (" " ") اندھیری
مج	= (" " ") مجھ
سین	= (" " ") سے
لباں سنی	= (" " ") لبوں سے
بسارنا	= (" " ") بھولنا
جمدھر	= (" " ") جھوٹا خنجر
جاں	= (" " ") جہان
ناٹھ جانا	= (" " ") چلے جانا
سنگل	= (" " ") زنجیر
تھاری	= (دیہاتی) تمہاری
کھاطر	= (") خاطر
موکو	= (") مجھ کو
چبل	= (اردو قدیم دکھنی) شوخ
باج	= (" " ") بغیر
تھمبنا	= (" " ") تھمنا
سری جن	= (" " ") محبوب

الفاظ		معنی	الفاظ		معنی
پھول من	(" " ")	باغ	جتنا	(" " ")	جتنا
نال	(" " ")	ساتھ	ممارکی	(" " ")	مبارکی
پھل بجری	(" " ")	پھولوں کی سیج	مجکون	(" " ")	مجھ کو
تاہیں	(اردو قدیم دکھنی)	پاس	ہووے گا	(" " ")	ہوگا
سرانے	(" " ")	سراہے	پاوان		پاؤں
پانبھی	(" " ")	پاپنی	سری جن		محبوب

سورۃ اخلاص کا وظیفہ محبت کے لئے پڑھتے ہیں۔

ابوبکر صدیق اکبر

صاحبِ رسول ، ثانیؒ اثنین ، خلیفہؒ اول
حضرت ابوبکرؓ کا پہلا شایانِ شان تذکرہ
مصنف محمد حسین ہیکل ، مترجم محمد احمد شیخ

جس کے بارے میں قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

* اُس شخص کے حالات پر غور کرو جو تمہارے پاس صدق و یقین سے بھرپور باتیں کرنے آیا ہے ـــــ اور اُسے بھی دیکھو جو ان کی باتوں کی تصدیق کرتا ہے ـــــ

اللہ کے نبی ، حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

* اگر میں (اللہ کے بجائے) کسی کو اپنا خلیل بناتا تو ابوبکرؓ کو بناتا ـــــ

سیدنا علیؓ بن ابی طالب نے فرمایا :

* اے ابوبکرؓ ! واللہ تم پہلے آدمی تھے جس نے رسول اللہؐ کی آواز پر لبیک کہی ۔ ایمان و اخلاص ، قربانی ، ایثار اور بزرگی میں تمہارا ثانی کوئی نہ تھا ـــــ

واللہ ! تم اسلام کے مضبوط قلعہ تھے ـــــ

* یہ کتاب دنیائے تاریخ میں اپنی مثال آپ ہے ۔ کتاب کا ترجمہ بھی بڑی محنت سے کیا گیا ہے ـــــ

مکتبہ میری لائبریری لاہور ۔۲

ولی

تحقیقی و تنقیدی مطالعہ

اپنی ساری اولیت کے باوجود ولی ہمارے تعلیم یافتہ طبقے کے لئے ایک اجنبی کی حیثیت رکھتا ہے لیکن ادب اردو کے طالب علموں کے لئے وہ ابتدا ہی سے موضوع دلچسپی رہا ہے ، اردو کے مستند نقادوں نے اس کی حیات و فن کے مختلف زاویوں کو اپنی توجہ کا مرکز بنایا ہے ۔ اس کی زندگی ایک طویل مدت تک ادبی رسائل میں نقادوں اور محققین کے درمیان موضوع بحث رہے ہیں اور ان پر خوب داد تحقیق دی گئی ہے ۔ اسی طرح کئی نقادوں نے اس کے فن اور شاعری کے مختلف زاویوں کا مختلف مضامین میں جائزہ لیا ہے ، ان میں بیشتر مضامین پرانے رسائل کی فائلوں میں مدفون ہیں اور عام قاری کی ان تک پہنچ غیر ممکن ہے ۔

ولی پر لکھے گئے کل تحقیقی و تنقیدی مضامین کا جائزہ لینے کے بعد ایسے مضامین کا انتخاب کیا گیا ہے جو ''بہترین'' کے عنوان کے مستحق ہیں اور ان کو اس ترتیب سے پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ ولی کی حیات و فن کی مکمل و جامع تصویر قاری کے سامنے آجائے ۔

مکتبہ میری لائبریری لاہور ۲

زندگی اور عمل

مصنف : ڈاکٹر مارڈن

اس وسیع دنیا میں تقریباً اڑھائی ارب انسان بستے ہیں لیکن ہر جگہ اور ہر دور کے کامیاب انسانوں کو آپ انگلیوں پر گن سکتے ہیں۔

آخر ہر شخص کامیاب کیوں نہیں ہوتا؟

اس کی صرف ایک وجہ ہے کہ ہر شخص کو زندہ رہنے کا ڈھنگ نہیں آتا۔ زندہ رہنا بھی ایک فن ہے۔ زندگی اور عمل ایک ایسی کتاب ہے جو اس فن کی بڑی اچھی مثال ہے۔ اس میں بڑے دلکش انداز میں روزمرہ زندگی کے مسائل کو بہتر طور پر حل کرنے کا راستہ بتایا گیا ہے۔

یہ کتاب آپ میں خود اعتمادی، ترقی کی خواہش، خوشی، ناگوار حالات کا مقابلہ کرنے کی جرأت، ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کی ہمت، صحت مندی اور قابلیت پیدا کرے گی۔

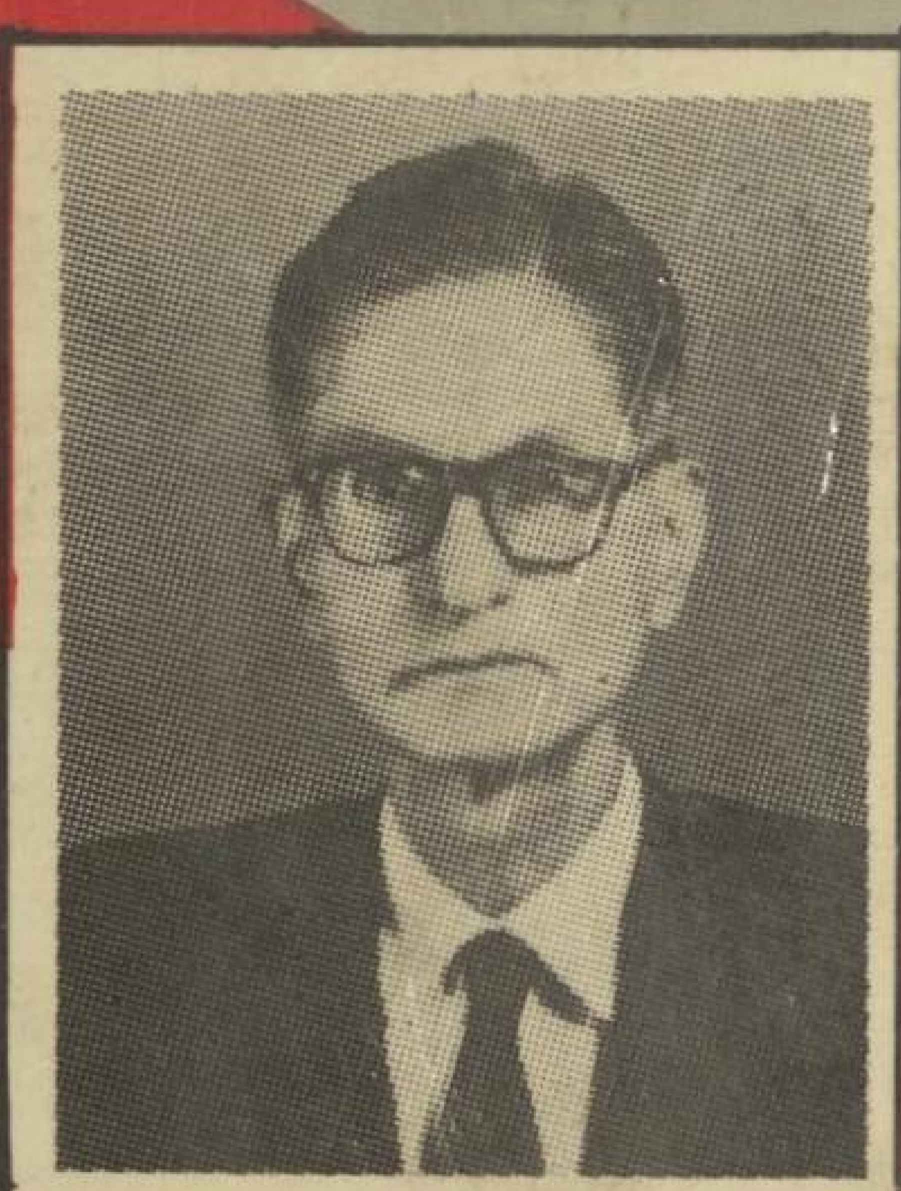
"زندگی اور عمل" عرصہ چالیس سال سے ایک مفید اور معیاری کتاب کے طور پر پڑھی جا رہی ہے۔

یہ کتاب زندگی کے ہر موڑ پر آپ کی رفیق ثابت ہوگی۔

نشیر احمد چودھری

۲۲ ناول - ۲ ناولٹ، ۱۲۳ افسانے - ۹ شخصیات
کے مصنف

شائع شدہ ناول ۸
شائع شدہ افسانوں کے ۲ مجموعے
شائع شدہ افسانے رسالہ جات میں ۲۴



خان فضل الرحمٰن

خان صاحب سہارنپور مسلم لیگ کے جوشیلے کارکن تھے۔ انہیں مجبوراً پاکستان آنا
پڑا تھا۔ بہ راوین ہیں۔ انہوں نے گورنمنٹ کالج سے بی۔ اے پاس کیا تھا۔
خان صاحب نے جو طفولیت کے کچھ سال گاؤں میں گزارے تھے۔ وہی ان کی زندگی
ہے۔ گاؤں سے کچھ فاصلہ پر کوہِ شوالک تھا، پھر دُون اور اسکے بعد ہمالیہ۔ اِن کی اوائل عم
مویشیوں، پرندوں اور جنگلوں میں گزری تھی۔ اِن میں اب بھی دیہاتیوں جیسی جِھجک موجود ہے
اب بھی کسی بڑے ہوٹل یا شاندار دکان میں داخل ہوتے ہوئے گھبراتے ہیں۔ ان کے ناولوں اور افسانو
دیہات دکوہساروں کی طرفگی پائی جاتی ہے۔ انہوں نے ٹرائے، قرطاجنہ، ہند قدیم، اندلس، برطا
کشمیر اور مغربی یو۔ پی کے متعلق ناول اور افسانے لکھے ہیں۔ ان کا موضوع حسن واسلام ہے۔